الغدیر

کا

ایک جائزہ

مصنف

ابوالفضل اسلامی

MOHAMMED ALI BOOK DEPOT
[illegible] Garden, Soldier Bazar,
Britto Road, Karachi. Ph: 021-3242991

22 =
ACC No. 10,461 Date 12/4/2006
Section .... Status ....
D.D. Class ....
NAJAFI BOOK LIBRARY

NAJAFI BOOK LIBRARY
Shop No. 11
M.L. Heights
Soldier Bazar #2
KARACHI
PH. 7211795

حسن علی بک ڈپو
بڑا امام بارگاہ کھارادر
کراچی پوسٹ کوڈ74000 فون: 2433055
E-mail: hassanalibookdepot@yahoo.com

الغدیر

کا

ایک جائزہ

هدية
المجمع العالمي لأهل البيت

ابوالفضل اسلامی

کتاب کا نام........................"الغدیر" کا ایک جائزہ
مصنف.........................ابوالفضل اسلامی
مترجم...........................سید قلبی حسین رضوی
اصلاح ونظرثانی..........................سید احتشام عباس زیدی
ناشر..........مرکز نشرواشاعت مجمع جہانی اہلبیت علیہم السلام
طبع...اول
سال طبع.........................شوال ۱۴۲۳ھ
تعداد...۳۰۰۰
مطبع...لیلا

ISBN: 964-7756-17-8

جملہ حقوق محفوظ ہیں۔

جمہوری اسلامی ایران-تہران-پوسٹ بکس نمبر:۱۴۱۵۵/۷۳۶۸
ٹیلیفون نمبر:۸۹۰۷۲۸۹-۲۱-۰۰۹۸
فیکس نمبر:۸۸۹۳۰۶۱-۲۱-۰۰۹۸

فہرست

● پیش لفظ.. ۹
● فرزند کعبہ.. ۱۳
● تین نفری گروہ میں سے ایک.. ۱۷
● اعزہ کی دعوت.. ۱۹
● پیغمبرؐ کیلئے جان کی قربانی.. ۲۱
● وہ تلوار اب بھی میرے پاس ہے.. ۲۵
● جنگ بدر کا فاتح سپاہی دولہا بنا.. ۲۷
● پیغمبر اکرمؐ کا تنہا دوست.. ۳۱
● مظلوم! اور وہ بھی کیسا مظلوم!.. ۳۹
● بے مثال عظمت.. ۴۵
● علیؑ نامور علمی شخصیتوں کی نظر میں.. ۵۱
● ابن ابی الحدید کے حیرت انگیز اعترافات.. ۶۷

● غدیر کا واقعہ ۸۳
● علامہ امینی (رح) ۸۵
☐ علامہ کا خاندان ۸۶
☐ معنوی تربیت ۸۷
☐ صفات اور خصوصیات ۸۹
☐ علمی حیثیت ۸۹
☐ تألیفات ۹۲
☐ کتب خانہ امیر المؤمنین کی تاسیس ۹۴
☐ تقریر و بیان ۹۶
☐ تحقیقی سفر ۹۶
☐ ایک دینی و سماجی مصلح ۹۷
☐ مقاصد ۹۸
☐ وفات ۹۹
☐ "الغدیر" کے بارے میں ۱۰۰
☐ مطالعہ "الغدیر" کا خاکہ ۱۰۳
● پہلی فصل -- غدیر کی تاریخی اہمیت ۱۰۵
● دوسری فصل -- غدیر کا واقعہ ۱۱۳
● تیسری فصل -- غدیر پر خدا کی توجّہ ۱۲۱
☐ آیات ۱۲۲
☐ غدیر کا واقعہ اسلام کے مسلّم حقائق میں سے ہے ۱۲۳

□ آیۂ اکمال دین............ ۱۲۵
□ اہل سنت کے بزرگوں کا نظریہ............ ۱۲۷
□ آلوسی کی حقیقت سے چشم پوشی............ ۱۲۸
□ آیۂ عذاب واقع............ ۱۳۰
□ ابن تیمیہ کا شک............ ۱۴۳
● چوتھی فصل -- غدیر پر اسلام کی توجہ............ ۱۴۵
□ مبارکبادی کا واقعہ............ ۱۴۸
□ چند دیگر علماء اور مؤرخین............ ۱۴۹
□ غدیر کے عید کا دن ہونے پر تاکید............ ۱۵۵
□ شک پیدا کرنے والوں کے شبہات............ ۱۵۹
● پانچویں فصل -- اصحاب اور غدیر کا واقعہ............ ۱۶۳
● چھٹی فصل -- تابعین اور واقعۂ غدیر............ ۱۹۱
● ساتویں فصل -- مختلف صدیوں کے علماء اور واقعہ غدیر............ ۲۰۱
● آٹھویں فصل -- غدیر کے موضوع پر علماء کی خصوصی تالیفات............ ۲۲۱
● نویں فصل -- واقعۂ غدیر اور ادباء و شعراء............ ۲۳۱
● دسویں فصل -- واقعۂ غدیر سے احتجاج و استدلال............ ۲۳۹
□ ۱۔ پیغمبر اسلامؐ کی رحلت کے بعد حضرت علیؑ کا استدلال............ ۲۴۰
□ ۲۔ حضرت زہراءؑ کی گواہی اور استدلال............ ۲۴۵
□ ۳۔ سبط پیغمبرؐ حضرت امام حسن مجتبیٰؑ کا استدلال............ ۲۴۵
□ ۴۔ سبط پیغمبرؐ حضرت امام حسینؑ کا استدلال............ ۲۴۶

☐ ۵۔ عبداللہ ابن جعفر کا استدلال........................ ۲۴۷

☐ ۶۔ برد کا عمرو عاص پر استدلال........................ ۲۴۹

☐ ۷۔ عمرو عاص کا معاویہ پر استدلال........................ ۲۵۰

☐ ۸۔ عمار بن یاسر کا عمرو عاص کے سامنے استدلال........................ ۲۵۱

☐ ۹۔ اصبغ بن نباتہ کا استدلال........................ ۲۵۱

☐ ۱۰۔ ایک جوان کا ابو ہریرہ کیلئے استدلال........................ ۲۵۳

☐ ۱۱۔ ایک آدمی کا زید بن ارقم سے استدلال........................ ۲۵۳

☐ ۱۲۔ معاویہ کے سامنے قیس بن سعد کا استدلال........................ ۲۵۳

☐ ۱۳۔ عمر داودی کا حدیث غدیر سے استدلال........................ ۲۵۵

☐ ۱۴۔ دارمیہ حجونیہ کا استدلال........................ ۲۵۵

☐ ۱۵۔ عموی خلیفہ عمر ابن عبدالعزیز کا استدلال........................ ۲۵۶

☐ ۱۶۔ نتیجہ........................ ۲۵۸

● گیارہویں فصل -- واقعہ غدیر کی حدیث کے صحیح ہونے کی تائید........................ ۲۵۹

● بارہویں فصل -- روداد غدیر اور کتابیں........................ ۲۷۱

حرف اول

جب آفتاب عالم تاب افق پر نمودار ہوتا ہے کائنات کی ہر چیز اپنی صلاحیت وظرفیت کے مطابق اس سے فیضیاب ہوتی ہے حتی ننھے ننھے پودے اس کی کرنوں سے سبزی حاصل کرتے اور غنچہ وکلیاں رنگ ونکھار پیدا کر لیتی ہیں تاریکیاں کافور اور کوچہ وراہ اجالوں سے پرنور ہو جاتے ہیں، چنانچہ متمدن دنیا سے دور عرب کی سنگلاخ وادیوں میں قدرت کی فیاضیوں سے جس وقت اسلام کا سورج طلوع ہوا، دنیا کی ہر فرد اور ہر قوم نے قوت وقابلیت کے اعتبار سے فیض اٹھایا۔

اسلام کے مبلغ وموسس سرور کائنات حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ غار حراء سے مشعل حق لے کر آئے اور علم وآگہی کی پیاسی اس دنیا کو چشمۂ حق وحقیقت سے سیراب کر دیا، آپ کے تمام الٰہی پیغامات ایک ایک عقیدہ اور ایک ایک عمل فطرت انسانی سے ہم آہنگ ارتقائے بشریت کی ضرورت تھا، اس لئے ۲۳ برس کے مختصر عرصے میں ہی اسلام کی عالمتاب شعاعیں ہر طرف پھیل گئیں اور اس وقت دنیا پر حکمراں ایران وروم کی قدیم تہذیبیں اسلامی قدروں کے سامنے ماند پڑ گئیں، وہ تہذیبی اصنام جو صرف دیکھنے میں اچھے لگتے ہیں اگر حرکت وعمل سے عاری ہوں اور انسانیت کو ست دینے کا حوصلہ، ولولہ اور شعور نہ رکھتے تو مذہب عقل وآگہی سے روبرو ہونے کی توانائی کھو دیتے ہیں یہی وجہ ہے کہ کہ ایک چوتھائی صدی سے بھی کم مدت میں اسلام نے تمام ادیان ومذاہب اور تہذیب وروایات پر غلبہ حاصل کر لیا۔

اگر چہ رسول اسلام ﷺ کی یہ گرانبہا میراث کہ جس کی اہل بیت علیہم السلام اور ان کے پیرووں نے خود کو طوفانی خطرات سے گزار کر حفاظت وپاسبانی کی ہے، وقت کے ہاتھوں خود فرزندان اسلام کی بے توجہی اور ناقدری کے سبب ایک طویل عرصے کے لئے تنگنائیوں کا شکار ہو کر اپنی عمومی افادیت کو عام کرنے سے محروم کر دی گئی تھی، پھر بھی حکومت وسیاست کے عتاب کی پروا کئے بغیر مکتب اہل بیت علیہم السلام نے اپنا چشمۂ فیض جاری رکھا اور چودہ سو سال کے عرصے میں بہت سے ایسے جلیل القدر علماء ودانشور دنیائے اسلام کو تقدیم کئے جنھوں نے بیرونی افکار ونظریات سے متاثر اسلام وقرآن مخالف فکری ونظری موجوں کی زد پر اپنی حق آگین تحریروں اور تقریروں سے مکتب اسلام کی پشتپناہی کی ہے اور ہر دور اور ہر زمانے میں ہر قسم کے شکوک وشبہات کا ازالہ کیا ہے، خاص طور پر عصر حاضر میں اسلامی انقلاب کی کامیابی کے بعد ساری دنیا کی نگاہیں ایک بار پھر اسلام وقرآن اور مکتب اہل بیت علیہم السلام

کی طرف اٹھی اور گڑی ہوئی ہیں، دشمنان اسلام اس فکری و معنوی قوت و اقتدار کو توڑنے کے لئے اور دوستداران اسلام اس مذہبی اور ثقافتی موج کے ساتھ اپنا رشتہ جوڑنے اور کامیاب و کامران زندگی حاصل کرنے کے لئے بے چین و بے تاب ہیں، یہ زمانہ علمی اور فکری مقابلے کا زمانہ ہے اور جو مکتب بھی تبلیغ اور نشر و اشاعت کے بہتر طریقوں سے فائدہ اٹھا کر انسانی عقل و شعور کو جذب کرنے والے افکار و نظریات دنیا تک پہنچائے گا، وہ اس میدان میں آگے نکل جائے گا۔

(عالمی اہل بیت کونسل) مجمع جہانی بیت علیہم السلام نے بھی مسلمانوں خاص طور پر اہل بیت عصمت و طہارت کے پیروؤں کے درمیان ہم فکری و یکجہتی کو فروغ دینا وقت کی ایک اہم ضرورت قرار دیتے ہوئے اس راہ میں قدم اٹھایا ہے کہ اس نورانی تحریک میں حصہ لے کر بہتر انداز سے اپنا فریضہ ادا کرے، تاکہ موجودہ دنیائے بشریت جو قرآن و عترت کے صاف و شفاف معارف کی پیاسی ہے زیادہ سے زیادہ عشق و معنویت سے سرشار اسلام کے اس مکتب عرفان و ولایت سے سیراب ہو سکے، ہمیں یقین ہے عقل و خرد پر استوار ماہرانہ انداز میں اگر اہل بیت عصمت و طہارت کی ثقافت کو عام کیا جائے اور حریت و بیداری کے علمبردار خاندان نبوتؐ و رسالت کی جاوداں میراث اپنے صحیح خدوخال میں دنیا تک پہنچادی جائے تو اخلاق و انسانیت کے دشمن، انانیت کے شکار، سامراجی خوں خواروں کی نام نہاد تہذیب و ثقافت اور عصر حاضر کی ترقی یافتہ جہالت سے تھکی ماندی آدمیت کو امن و نجات کی دعوتوں کے ذریعہ امام عصر (عج) کی عالمی حکومت کے استقبال کے لئے تیار کیا جا سکتا ہے۔

ہم اس راہ میں تمام علمی و تحقیقی کوششوں کے لئے محققین و مصنفین کے شکر گزار ہیں اور خود کو مؤلفین و مترجمین کا ادنیٰ خدمتگار تصور کرتے ہیں، زیر نظر کتاب، مکتب اہل بیت علیہم السلام کی ترویج و اشاعت کے اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے، فاضل علام آقای ابوالفضل اسلامی کی گرانقدر کتاب الغدیر کو سید قلبی حسین رضوی نے اردو زبان میں اپنے ترجمہ سے آراستہ کیا ہے جس کے لئے ہم دونوں کے شکر گزار ہیں اور مزید توفیقات کے آرزومند ہیں، اسی منزل میں ہم اپنے تمام دوستوں اور معاونین کا بھی صمیم قلب سے شکریہ ادا کرتے ہیں کہ جنھوں نے اس کتاب کے منظر عام تک آنے میں کسی بھی عنوان سے زحمت اٹھائی ہے، خدا کرے کہ ثقافتی میدان میں یہ ادنیٰ جہاد رضائے مولیٰ کا باعث قرار پائے۔

والسلام مع الاکرام

مدیر امور ثقافت، مجمع جہانی اہل بیت علیہم السلام

باسمہ تعالیٰ

پیش لفظ

۱۳۷۹ ہجری شمسی میں ۶ فروردین[1] اور ۲۴ اسفند کو ایک ہی سال میں دو عید غدیر واقع ہوئیں۔ اسی لئے اسلامی انقلاب ایران کے قائد حضرت آیۃ اللہ العظمیٰ سید علی خامنہ ای مدظلہ العالی نے اس سال (۱۳۷۹ھ ش) کو حضرت علی علیہ السلام کے نام گرامی سے منسوب فرما کر "امام علیؑ سال" قرار دیا تاکہ اس سال کے دوران حکام، ایران کے محترم عوام، تنظیمیں، ادارے اور مکتب اہل بیتؑ سے وابستہ افراد اس مردِ حق (حضرت علی علیہ السلام) کے آسمانی تعلیمات اور ملکوتی فضائل سے زیادہ سے زیادہ بہرہ مند ہو کر حتی المقدور ان تعلیمات کو اپنی انفرادی و اجتماعی زندگی میں عملی جامہ پہنائیں۔

اسی سلسلہ میں اس حقیر نے بھی چاہا کہ اس وسیع فیض سے استفادہ کر کے اپنی آخرت کیلئے کچھ زاد راہ کا بندوبست کروں اور صاحب ولایت، وصی رسالتؐ اور شفیع قیامت کی بارگاہ میں اظہار ادب، مؤدت و عقیدت کا شرف حاصل کروں۔ یہ سطور اور صفحات میرے ان ہی دلی جذبات اور آرزوؤں کے شاہد ہیں۔ امید ہے میری یہ حقیر کوشش بارگاہ رب العزت میں قبول ہو جائے۔

حضرت علی علیہ السلام کی بابرکت زندگی کا ہر پہلو سراسر حق و حقیقت ہے کیونکہ:

۱۔ فروردین ایران میں ہجری سال کا پہلا مہینہ اور اسفند اس کا آخری اور بارھواں مہینہ ہے۔

۱۔ "علی مع الحق و الحق مع علی"[۱]

یقیناً حق علیؑ کے ساتھ اور علی کا ہے جیسے کہ علیؑ حق کے ساتھ اور حق کیلئے ہے۔ باطل کی سیاہی و گرد و غبار آپؑ کے نورانی اور ہمیشہ تابناک چہرے کو نہ چھپا سکے ہیں اور نہ آئندہ چھپا سکیں گے۔ لہذا زمانہ جتنا بھی گذرتا جا رہا ہے حقیقت زندگی کے دلدادوں اور عبودیت کے عاشقوں کیلئے آپؑ کی سیرت اور پاکیزہ روش اور آپؑ کے کلام کا مشعل ہونا روز بروز روشن و تابناک اور قابل عمل ہوتا جا رہا ہے۔

۲۔ آپ عدل قرآن اور ایک ایسی کتاب کا علم ہیں کہ جس نے آپؑ کو حوض کوثر کی منزل تک ابدی حجیت و مرجعیت کا مرتبہ بخشا ہے اور یہ مرجعیت فکری، علمی، سیاسی و شرعی اس امر کی متقاضی ہے کہ ہر زمانہ کے لوگ اپنی محدود ظرفیت کے مطابق اس لامتناہی سمندر سے فیض حاصل کریں۔ اور ہم بھی اپنی محدودیت اور تنگ دامانی کے پیش نظر اس بحر بیکراں میں کودنے سے اجتناب کرتے ہوئے صرف اس عظیم شخصیت کی عظمتوں اور ظہور کے چند نمونوں کو ضبط تحریر میں لا کر خود کو عدل کتاب اور علم کے اس لامتناہی سمندر کے ساحل تک پہنچانے کی کوشش کرتے ہیں تا کہ معرفت و ہدایت کے اس بحر بیکراں سے چند قطرے حاصل کر سکیں۔

آپ کی روشن اور نمایاں زندگی کے پہلوؤں میں سے ایک غدیر کی داستان ہے جو صدر اسلام سے آج تک پوری تاریخ اسلام پر چھائی رہی ہے یہ واقعہ، قرآن مجید کی تفسیر و تاویل کرنے والوں، سیرت و تاریخ لکھنے والوں، شعر و ادب کے عشّاقوں، حدیث، و درایہ پر دسترس رکھنے

۱۔ اس حدیث کا مضمون سنت کے قطعیات و مسلمات میں سے ہے، جسے شیعہ و سنی محدثین نے رسول خداؐ سے نقل کیا ہے۔ اس سلسلے میں درج ذیل کتابوں کی طرف رجوع کیا جا سکتا ہے: مناقب خوارزمی، الامامۃ والسیاسۃ دینوری، ربیع الابرار زمخشری، الفردوس دیلمی، فضائل الصحابہ سمعانی و مجمع الزوائد ہیثمی، کفایۃ گنجی، تفسیر فخر رازی، مستدرک حاکم نیشابوری، سنن ترمذی، مسند ابی یعلی، مناقب ابن مردویہ، فرائد السمطین حموی، تاریخ بغداد خطیب اور دیگر مصادر و مآخذ۔

والے محدثوں اور استدلال و برہان لکھنے والا متکلموں وغیرہ کے ذریعہ وسیع پیمانے پر موضوع بحث وتفسیر قرار پایا ہے عصر جدید کی ایک نامور شخصیت فاضل محقق اور شہرۂ آفاق متکلم علامہ امینیؒ نے غدیر کے اس عظیم واقعہ پر ایک ایسی سیر حاصل بحث و تحلیل کی ہے کہ انصافاً ماننا پڑے گا کہ ولایت کے اس مخلص سرباز وفداکار حامی کے ساتھ اس زمان ومکان اور امکانات اور وسائل کے فقدان میں اگر عنایت الٰہی شامل حال نہ ہوتی تو اس مجموعہ کی تالیف ہرگز ممکن نہ تھی۔

اس لئے انصاف کا تقاضا ہے کہ اس گراں بہا کتاب پر ایک طائرانہ نظر ڈال کر کچھ برجستہ موضوعات کو مکتب امامت کے عاشقوں کی خدمت میں بطور نذرانہ پیش کیا جائے۔

قابل ذکر ہے کہ یہ کام مجلس خبرگان کے ایک محترم رکن حضرت آیۃ اللہ حاج سید حسن موسوی شالی کی تجویز پر انجام پایا ہے، میں موصوف کا، جو اس طرح کے کاموں میں ہمیشہ حقیر کی حوصلہ افزائی کرنے کے علاوہ مساعدت بھی کرتے رہے ہیں اور جناب حجۃ الاسلام شیخ محمد امینی، جنہوں نے اس کتاب کی تصحیح اور مقابلہ خوانی میں مدد کی ہے نیز جناب حجۃ الاسلام حاج شیخ مھدی اسلامی، جنہوں نے اس مسودہ کی اصلاح و ایڈٹنگ میں تعاون فرمایا ہے، کا شکر گزار ہوں۔ خدا کرے یہ ناچیز خدمت بارگاہ رب العزت میں قبول ہوجائے۔ آمین!

قم۔ حوزہ علمیہ

ابوالفضل اسلامی

ا۔ فرزند کعبہ

وہ دین ابراہیمی کی پیرو اور مومنہ تھیں اور اس کا سلسلۂ نسب بھی ہاشم تک پہنچتا تھا۔ ان کے شوہر، ابو طالب، قریش کے اہل توحید کی ایک بے نظیر فرد تھے۔ آپ اس گراں بار الٰہی کی ذمہ داری کو محسوس کر رہی تھیں۔ اور اس پر ذمہ داری کا احساس روز بروز بڑھتا جا رہا تھا۔ اور ایسا کیوں نہ ہوتا؟ ''ولی اللہ'' کا بوجھ اٹھانا کوئی معمولی کام نہ تھا جو حضرت فاطمہ کو زمانے کی عمومی حاملہ عورتوں کے صف میں لا کھڑا کرتا۔ ہفتے اور دن گذرتے گئے، حضرت ابو طالب کا گھر آسمانی ملائکہ کی رفت و آمد کا مرکز بنا ہوا تھا۔ خبر نزدیک ہے اور بنت اسد اس خبر کی اصلی مرکز ہیں۔ فرشتے ایک دوسرے سے بنت اسد کی خیریت پوچھتے ہیں۔ اچانک بافضیلت اور عالی رتبہ فرشتوں نے مشاہدہ کیا کہ حیدرؑ کی مادر گرامی کعبے کے نزدیک اپنے ہاتھ آسمان کی طرف بلند کر کے اپنے پروردگار سے اس طرح راز و نیاز کرتی ہیں:

''اے پروردگار!! میں تجھ پر، تیرے نبیوں پر، تیری کتابوں پر اور تیرے کعبے کو تعمیر کرنے والے اپنے جد امجد ابراہیم خلیلؑ پر ایمان رکھتی ہوں، خداوندا!! اس گھر کو بنانیوالے کے واسطے، اور مولود کا واسطہ جو آنیوالا ہے، اس کی ولادت کو میرے لئے سہل و آسان فرما!''

اس واقعہ کے عینی شاہدوں میں سے ایک، ابن قعنب بیان کرتا ہے:

''ہم نے دیکھا کہ دروازۂ کعبہ کی مدِ مقابل دیوار میں ایک شگاف پیدا ہوا اور فاطمہ خدا کے گھر میں داخل ہو کر آنکھوں سے اوجھل ہو گئیں اور دیوار پھر سے اپنی پہلی حالت پر آ گئی''۔

اس وقت بنت اسد، حرم و کعبۂ الٰہی میں قدسیوں کے درمیان نگینہ کی طرح ہیں۔ اور یہ مرکز زمین نشینوں اور عرش نشینوں کا محل اتصال ہے۔

یہ خبر جنگل کی آگ کے مانند پورے جزیرۃ العرب میں پھیل جاتی ہے اور ہر کوچہ و بازاروں میں مہمان کعبہ کا چرچا ہے۔ ایسا مہمان کہ کلید دار کعبہ بھی دروازے کو کھول نہیں سکتا کہ کعبے کے اس مہمان کی مہمان نوازی سے باخبر ہو سکے۔ حتی ابو طالب اور قریش میں سے کوئی فرد بھی یہ کام انجام نہ دے سکا۔ دیوار کا شق ہونا اس امر کی دلیل تھی کہ شک کرنیوالے اور منافق، درِ کعبہ کا کھلا ہونے کا بہانہ نہ بنا سکیں۔

ابو طالب کی شریک حیات کی معجزانہ داستان کا چرچا محفلوں، خاندانوں، قبیلوں اور طائفوں پر مسلسل چھایا رہا۔ اس واقعہ کو تین دن گزر گئے ہیں، بیشتر لوگ محسوس کرتے ہیں کہ یہ واقعہ ایک بشری امر نہیں ہو سکتا، بلکہ یہ صاحب کعبہ کا ایک خاص لطف و کرم ہے۔ چوتھا دن شروع ہوتا ہے۔ فاطمہ مسرت اور شادمانی کے عالم میں مولود کعبہ کو آغوش میں لئے باہر آتی ہیں اور خدا کی نصرت اور آسیہ و مریم کا ذکر آپ کی زبان پر ہے اور بہشتی کھانوں سے ہوئی مہمان نوازی کی داستان سنا رہی ہیں۔

آپ اس نومولود کے بارے میں یوں فرماتی ہیں:

''محل ضیافت وولادت سے باہر آتے وقت مجھے غیب سے ہاتف نے آواز دی: فاطمہ! اس نومولود کا نام علی ہے اور وہ میرے نام علی اعلیٰ سے مشتق ہے۔''

مولود کعبہ نے لب کشائی کی اور اپنے والد کا احترام کرتے ہوئے انھیں سلام کیا۔ اُسے پیغمبر

کے پاس لے گئے تاکہ آپؐ کی آغوش میں دیدیں، بچے نے آنکھیں کھولیں اور یوں گویا ہوا: ''السلام علیک یارسول اللہ'' اس کے بعد سورۂ مومنون کی آیات کو یوں تلاوت فرمایا:

﴿بسم اللہ الرّحمٰن الرّحیم * قد افلح المومنون الذین ھُم فی صلاتھم خاشعون ...﴾(۱)

عالم ملکوت کے انسان، وہ جو مدبّر عرش وکائنات سے راز ونیاز کا رابطہ رکھتے ہیں، اس کے نام اور اس کی اجازت سے طبیعت کے قوانین پر تسلط رکھتے ہیں، جیسے حضرت عیسیٰ بن مریم نے پیدا ہوتے ہی لب کشائی کی اور اس طرح گویا ہوئے:

﴿انّی عبداللہ آتانی الکتاب وجعلنی نبیاً﴾(۲)

آغوش مقصود میں:

پیغمبر اسلام ولادت کے بعد سے ہی کئی مرتبہ مولود کعبہ کی حالت دریافت کرتے ہیں، اظہار محبت فرماتے ہیں. آپؐ نے خواہش ظاہر کی تھی کہ علیؑ کے جھولے کو آپ کے سونے کی جگہ کے قریب رکھا جائے۔ آپؐ انھیں جھلاتے اور پالتے، ان کے منہ میں دودھ ڈالتے تھے اور کبھی اپنے سینے سے لپٹا لیتے تھے۔ ان سے محبت وعطوفت کرتے اور ان کی دیکھ بال کرتے تھے۔

حضرت علیؑ مذکورہ بعض امور کی طرف اشارہ کرتے ہوئے خود فرماتے ہیں:

''تم لوگ جانتے ہو کہ میں کس حد تک پیغمبر اسلامؐ کے نزدیک تھا، تم جانتے ہو کہ

۱۔ مومنون/۱۔۲۔ خدا کے نام سے جو بخشنے والا اور مہربان ہے. بیشک اہل ایمان کامیاب ہوئے، جو نماز میں خاضع وخاشع ہوتے ہیں۔

۲۔ مریم/۳۰۔ وہ نومولود (خدا کے اذن سے) بولا: بے شک میں بندۂ خدا ہوں کہ مجھے اللہ نے کتاب عطا کی اور مجھے نبی بنایا ہے۔

وہ مجھے اپنی محبت بھری آغوش میں لیتے تھے، اپنے سینے سے لگاتے تھے اور اپنے بستر میں مجھے آغوش میں لیتے تھے اور اپنے ہاتھوں کو میرے بدن پر ملتے تھے۔"

خشک سالی اور قحط نے جزیرۃ العرب کو اپنے لپیٹ میں لے لیا ہے اور اخراجات کے بوجھ نے خاندانوں کو سخت حالات میں ڈال رکھا۔ ابو طالب بڑا خانوادہ ہونے کی وجہ سے ان کے اخراجات کے بھاری بوجھ کو برداشت نہیں کر سکتے۔ پیغمبر اسلامؐ ابو طالب کے مشکلات کو اپنے مالدار چچا عباس سے بیان کرتے ہیں اور یہ فیصلہ کرتے ہیں کہ ابو طالب سے مشورے کے بعد ان کے بعض افراد خانہ کو ان سے لے لیں۔ اس طرح علی علیہ السلام پیغمبر اسلامؐ کے حصے میں آتے ہیں اور آپؐ کی خاص تربیت وعنایت میں پروان چڑھتے ہیں۔

حضرت علیؑ اس خصوصی محبت وتربیت کی وضاحت یوں فرماتے ہیں:

"جس طرح اونٹ کا بچہ اپنی ماں کے پیچھے دوڑتا ہے تا کہ وہ اسے اپنی پناہ میں لے لے، میں بھی اسی طرح پیغمبر اکرمؐ کے پیچھے دوڑتا تھا تا کہ میں آپ کے آغوشِ محبت سے دور نہ رہوں۔ اس طرح آپؐ مجھے روزانہ اپنے اخلاقی فضائل یاد دلاتے اور حکم فرماتے تھے کہ آپ کی اقتدا و پیروی کروں۔"

تاریخ کی ورق گردانی سے اس بات کا بھی پتہ چلتا ہے کہ پیغمبر اسلام، علیؑ کو گھر سے باہر بھی اپنے ساتھ لے جاتے تھے اور انھیں اکیلا نہیں چھوڑتے تھے، غرض شہر سے باہر صحرا، بیابانوں اور غار حرا وغیرہ میں بھی علیؑ آپؐ کے ساتھ ہوا کرتے تھے۔[1]

۱۔ اس سلسلے میں مروج الذہب، کشف الغمہ اربلی، شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید، مستدرک حاکم دونیشابوری، سیرۂ ابن ہشام اور نہج البلاغہ جیسی کتابوں کی طرف رجوع کیا جا سکتا ہے۔

۲۔ تین نفری گروہ میں سے ایک

عفیف کا بیان ہے:

میں کچھ خریداری کے سلسلے میں شہر مکہ میں داخل ہوا اور مسجد الحرام میں عبدالمطلب کے بیٹے عباس کے پاس جا کر بیٹھا۔ دو پہر کا وقت تھا، میں نے دیکھا ایک مرد مسجد الحرام میں داخل ہوا اور آسمان کی طرف ایک نگاہ کرنے کے بعد رو بہ کعبہ کھڑا رہا۔ تھوڑی دیر بعد میں نے دیکھا کہ ایک نوجوان داخل ہوا اور اس شخص کے دائیں طرف کھڑا ہوا۔ اس کے بعد ایک خاتون داخل ہوئیں اور ان دو افراد کے پیچھے کھڑی ہو گئیں اور تینوں راز و نیاز اور دعا و نماز میں مشغول ہو گئے۔ میں حیرت اور تعجب میں پڑ گیا اور عباس سے کہا: میں ایک عجیب چیز دیکھ رہا ہوں۔ عباس نے میری طرف رخ کر کے کہا:

”کیا تم ان تین افراد کو پہچانتے ہو؟

میں نے کہا:

نہیں!

عباس نے کہا: ”پہلا شخص جو مسجد میں داخل ہوا میرا بھتیجا، محمدؐ اور دوسرا شخص

میرا ایک اور بھتیجا علیؑ ہے اور وہ خاتون محمدؐ کی بیوی ہے۔محمدؐ کا دعویٰ ہے کہ خداوند متعال کی طرف سے ایک نیا آسمانی دین لے کر آیا ہے اور صرف یہی تین افراد اس دین کی پیروی کرتے ہیں''۔

کیا حقیقتاً علیؑ دس سال کی عمر تک ایمان سے محروم تھے کہ بعثت کے ابتدائی لمحات میں ایمان لائے ؟! کیا وہ غیر خدا کے آگے جھکتے اور اسے سجدہ کرتے تھے تاکہ بعثت کے وقت غیر اللہ معبود کو چھوڑ کر خدا کی عبادت کرتے ؟! ہرگز نہیں اور ہزار بار نہیں!

وہ خدا کے گھر میں پیدا ہونے والے، خدا پرست ماں باپ سے، خدا کے قرآن کی آیتوں کی تلاوت کرنیوالے اور خدا کے بھیجے ہوئے رسولؐ کی رسالت کو سلام کرنیوالے تھے۔

وہ بت پرستی کے دشمن تھے اور شرک اور متعدد معبودوں کے پجاریوں سے لڑنے والا تھے۔اُن کو توحید خلیل اللہ سے اور بت شکنی ابراہیم بت شکن سے ورثے میں ملی تھی۔

یہ کہنا کہ، وہ پہلے شخص تھے جنہوں نے پیغمبر اسلام کی دعوت پر لبیک کہا، اور تاریخ وروایتوں اور عالم اسلام کی نامور شخصیتوں نے جو اس امر کا صراحت کے ساتھ اعتراف کیا ہے، یہ ایک طبیعی و فطری روش کا اظہار ہے وگرنہ حق تو یہ ہے کہ اس طرح کہیں:

''علیؑ نے بعثت کے ابتدائی لمحوں میں اپنے پختہ ایمان اور قلبی یقین کو ظاہر کیا۔''(۱)

۱۔کامل ابن اثیر، تاریخ طبری، فروغ ولایت سبحانی اور علامہ مجلسی کی تاریخ چہاردہ معصومین کی طرف رجوع کریں۔

۳۔اعزّہ کی دعوت

رسول خداؐ اپنے اعزّہ اور رشتہ داروں کو ڈرا کر عذاب الٰہی سے نجات دلانے پر مأمور ہوتے ہیں۔اس کے لئے وہ اپنے ناصر و مددگار اور اپنے ہاتھوں کے پروردہ حضرت علیؑ سے کہتے ہیں کہ کچھ کھانے کا انتظام کرو، تا کہ میں اپنے رشتہ داروں کو دعوت دوں۔ کھانا تیار ہوتا ہے اور رشتہ دار جمع ہوتے ہیں، لیکن ابولہب اس اجتماع کو اپنی مضحکہ خیز باتوں سے درہم و برہم کر دیتا ہے۔دوبارہ ایک اور ضیافت کا اہتمام کیا جاتا ہے۔لوگ پیغمبرؐ کی باتوں کو سننے کے لئے آمادہ ہوتے ہیں۔ آنحضرتؐ حاضرین سے یوں فرماتے ہیں:

''...اس خدا کی قسم جس کے علاوہ کوئی خدا نہیں! میں اس (خدا) کی طرف سے تمہاری اور دنیا بھر کے لوگوں کی طرف بھیجا گیا ہوں...نیک لوگ اپنی نیکی کا جزا اور بدکار بدی کی سزا پائیں گے۔نیک لوگوں کے لئے جنت اور بدکاروں کے لئے جہنم آمادہ ہے۔ کوئی اپنے رشتہ داروں کے لئے اس سے بہتر چیز نہیں لایا ہے جو میں تمہارے لئے لایا ہوں، میں تمہارے لئے دنیا وآخرت کی خیر و برکت لایا ہوں، تمہیں خدا کی وحدانیت اور اپنی نبوت و رسالت کی دعوت دیتا ہوں۔تم میں سے کون اس راہ میں میری مدد کرنے کے لئے آمادہ ہے تا کہ میں اسے اپنا بھائی، وصی اور خلیفہ قرار

دوں؟''

اجتماع میں چاروں طرف ایک بامعنی خاموشی چھاجاتی ہے۔اچانک حضرت علیؑ (جو اُن دنوں ایک کم سن نوجوان تھے) خاموشی کو توڑتے ہوئے پیغمبر اکرم سے یوں عرض کرتے ہیں:

''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! میں اس راہ میں آپ کی مدد کرونگا۔'' اس کے بعد بیعت کے طور پر پیغمبرؐ کی طرف اپنا ہاتھ بڑھاتے ہیں۔

پیغمبر اسلامؐ ایک بار پھر اپنا سوال دھراتے ہیں، پھر حضرت علیؑ اپنی آمادگی کا اعلان کرتے ہیں پیغمبرؐ فرماتے ہیں:

''یاعلیؑ! تم بیٹھ جاؤ''!

اس کے بعد لوگوں کی طرف مخاطب ہو کر تیسری بار پھر سے اپنا سوال دھراتے ہیں۔حضرت علیؑ پہلے کی طرح پھر اپنی آمادگی کا اعلان کرتے ہیں جلسہ کے اختتام پر رسول خداؐ فرماتے ہیں:

''اے میرے رشتہ دارو! علیؑ میرے وصی، بھائی اور خلیفہ ہیں۔''

اس دن رسالت اور اس کی جانشینی کا باضابطہ اعلان ہوتا ہے اور دین خدا کی راہ اور اس کے مقصد کا تعین ہوتا ہے۔ جنھوں نے اسلام کو قبول کیا ہے، جان لیں کہ اسلام کی بعثت و رسالت امامت وولایت کے بغیر ہے ہی نہیں۔اور جو آئندہ اسلام کو قبول کرنیوالے ہیں وہ بھی جان لیں کہ علیؑ، جانشیں وخلیفہ رسول خدا ہیں، علیؑ محمدؐ سے ہیں اور آپؐ کی جان ہیں۔'' (۱)۔

۱۔ سیرۂ حلبی، تاریخ طبری اور تاریخ یعقوبی کی طرف رجوع کریں۔

۴۔ پیغمبرؐ کیلئے جان کی قربانی

پیغمبر اسلامؐ کے مضبوط وشجاع حامی، حضرت ابو طالبؑ اور پیغمبرؐ کی محترم ومہربان شریک زندگی خدیجہؑ دونوں وفات پاجاتے ہیں اور اسلامی معاشرہ پر ایسا غم واندوہ چھا جاتا ہے کہ پیغمبر اسلامؐ اُن کی وفات کے سال کو ''سال حزن'' قرار دیتے ہیں۔

آنحضرتؐ کے دشمن اور قریش کے ہٹ دھرم افراد خیال کرنے لگے کہ اب جبکہ ابو طالبؑ میدان میں نہیں ہیں تو فرصت کو غنیمت جانتے ہوئے فوراً کاروائی کر کے پیغمبرؐ کا کام تمام کرنے کے بعد ہمیشہ کے لئے سکون کا سانس لیں۔ اس لئے قریش کے سردار منصوبہ بناتے ہیں کہ ہر قبیلہ سے ایک شخص انتخاب کیا جائے اور رات کے وقت پیغمبرؐ کے گھر پر حملہ کر کے انھیں نیند کے عالم میں بستر پر ہی ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا جائے۔ آپؐ کے قتل کا منصوبہ تیار ہوتا ہے، صرف رات کا انتظار کیا جارہا ہے تاکہ دشمن اپنے منصوبہ پر عمل کریں۔

جبرئیل امین کو حکم ملتا ہے کہ آنحضرتؐ کو دشمنوں کے اس منحوس منصوبے سے آگاہ کریں اور مکہ سے یثرب کی طرف ہجرت کا حکم پہنچادیں۔

پیغمبرؐ کو چاہئے کہ دشمن کو بے خبر رکھنے کے اصول سے استفادہ کریں اور ایسا ظاہر کریں کہ حالات عادی ہیں اور آپ مشرکین کے منصوبے کے بارے میں کچھ خبر نہیں رکھتے، نیز اپنی ہجرت

کے بارے میں کسی قسم کا راز فاش نہ کریں۔اس سلسلے میں آپ علیؑ کو بلاتے ہیں اور انھیں اپنی ہجرت سے مطلع فرماتے ہیں۔اُن سے چاہتے ہیں کہ آج کی شب آپ کے بستر پر آپ کی جگہ سو جائیں تاکہ دشمن یہ سمجھیں کہ پیغمبرؐ گھر پر ہی موجود ہیں اور انھیں آپ کی ہجرت کے بارے میں شک تک نہ ہو۔

پیغمبرؐ کا یہ مخلص جاں نثار کسی قسم کی لیت ولعل کے بغیر آمادگی کا اعلان کرتا ہے اور حضرت علیؑ شب ہوتے ہی پیغمبرؐ کے بستر پر لیٹ جاتے ہیں۔قریش کے خوں خوار افراد، پیغمبر کے گھر کا محاصرہ کرتے ہیں اور ہر چیز کو اپنے منصوبہ کے مطابق پاتے ہیں اور خیال کرتے ہیں کہ پیغمبرؐ عام حالت میں اپنے بستر پر سوئے ہیں اور ہم پروگرام کے مطابق وقتِ معین پر حملہ کرکے آپ کا کام تمام کریں گے۔

قتل و وہشت گردی کا خطرہ پیغمبر اسلامؐ کے گھر کا احاطہ کئے ہوئے ہے، رات کی تاریکی میں پیغمبر اکرمؐ اور علیؑ کا فرق مٹ چکا ہے، لیکن علیؑ پیغمبرؐ کی سلامتی پر شاکر کمال اطمینان اور آرام کے ساتھ پیغمبر اسلامؐ کی جگہ پر لیٹے ہوئے خلافت کے خطرات کو لحہ بہ لحہ احساس کرتے ہیں اور سربلندی کے ساتھ اپنے عظیم امتحان میں کامیاب ہوتے ہیں، حتیٰ اس جاں نثاری اور فداکاری کے صلہ میں خدائے متعال کی طرف سے ''مرضاۃ اللہ'' سے ہمکنار ہوتے ہیں۔

مشرکین ننگی تلواریں لئے پیغمبر اسلام کے گھر پر حملہ آور ہوتے ہیں تاکہ پیغمبرؐ کے بستر پر سوئے ہوئے شخص کو قتل کر ڈالیں لیکن تعجب اور حیرت کی حالت میں علی علیہ السلام سے اُن کا سامنا ہوتا ہے۔اور اُنؑ سے پیغمبرؐ کے بارے میں سوال کرتے ہیں۔

علیؑ پوری شجاعت کے ساتھ جواب دیتے ہیں: ''کیا تم لوگوں نے انھیں میرے حوالہ کیا تھا کہ اب مجھ سے سوال کرتے ہو؟!''

جلال الدین سیوطی شافعی نے حضرت علیؑ کی زبانی ''لیلۃ المبیت'' (شب ہجرت) کے

واقعہ کو یوں بیان کیا ہے:

میں نے اپنی جان کو روئے زمین پر موجود اور کعبہ و حجر اسماعیلی کا طواف کرنیوالے بہترین شخص یعنی محمدؐ کے لئے سپر قرار دیا۔ میں نے اس وقت یہ کام انجام دیا جب مشرکوں نے آپؐ کو قتل کرنے کا منصوبہ بنایا تھا لیکن خداوند کریم نے آپؐ کو اُن کے مکر و فریب سے محفوظ رکھا. میں آپؐ کے بستر پر لیٹا خوں خواروں کے حملے کا انتظار کر رہا تھا اور اپنے آپ کو قتل ہونے اور اسیر ہونے کے لئے آمادہ کر چکا تھا۔"

ہاں! علی علیہ السلام نے اپنے فداکار جد امجد حضرت اسماعیل ذبیح اللہؑ کی طرح پیغمبرؐ کی طرف سے معین کردہ الٰہی ذمہ داری کو دل کی عمیق گہرائیوں سے قبول کیا اور پیغمبرؐ کی جان کی حفاظت کے لئے مخلصانہ طور اپنی جان خطرے میں ڈالدی اور رضائے اللہ کے جام شہد سے اپنے آپ کو سیراب کیا۔

میں علی کا منتظر ہوں

پیغمبر اسلامؐ نے مشرکین قریش کے ہاتھوں قتل ہونے سے نجات پائی اور غار سے باہر آ کر مدینہ کی راہ لی۔ آپؐ دوشنبہ ۱۲ ربیع الاول کو مدینہ کے لوگوں کی مسرت و خوشحالی کے درمیان قریہ "قبا" میں داخل ہوئے اور وہیں قیام فرمایا۔ باوجودیکہ قبا سے مدینہ تک دس کلومیٹر سے کم کا فاصلہ تھا، پھر بھی آپ فوراً مدینہ میں داخل نہیں ہوئے۔ اسی دن آپؐ نے مسجد قبا کی بنیاد ڈالی۔ لیکن یثرب کے باشندے اس پر راضی نہ ہوئے بلکہ اصرار کیا کہ آنحضرتؐ اس قریہ کو ترک کر کے شہر مدینہ میں داخل ہو جائیں۔

قریۂ "قبا" میں قیام کے دوران جب مسجد قبا کی تعمیر ہو رہی تھی، لوگ یہ محسوس کر رہے تھے رسول خداؐ کسی کے انتظار میں ہیں اور بعض اوقات راہ مکہ کی طرف نگاہ اٹھا کر دیکھتے تھے۔

جب قبا میں آپ کی قیام کو ۱۴۔۱۵ دن گذر گئے تو یثرب کے لوگوں کا اصرار بڑھ گیا اور وہ عرض کرنے لگے:

"اے رسول خدا! آپ شہر میں کیوں تشریف نہیں لے چلتے؟ لوگ بڑی بے صبری کے ساتھ آپ کی قدم بوسی کا انتظار کر رہے ہیں؟"

آنحضرت فرماتے ہیں: "میں علیؑ کا انتظار کر رہا ہوں"۔ نام "علیؑ" لوگوں کی توجہ کو اپنی طرف مبذول کرتا ہے۔ یہ "علیؑ" کون ہیں کہ پیغمبر اسلام دروازۂ مدینہ پر پہنچ کر ان کے بغیر شہر میں داخل نہیں ہوتے؟! دن اور گھڑیاں گزرتی ہیں اور رسول خداؐ کی آنکھیں مکہ کے راستے کی طرف ٹکٹکی لگائے دیکھ رہی ہیں۔ لگتا ہے انتظار کی گھڑیاں اختتام کو پہنچیں۔ لوگوں نے دیکھا کہ رسول اللہ پھر راہِ مکہ کی طرف بڑھ گئے۔ کیا بات ہے کہ آج رسول اللہؐ اتنے خوشحال نظر آ رہے ہیں؟ جی ہاں! یہ فاطمہؑ کے ساتھ علیؑ کے پہنچنے کی خبر ہے۔ پیغمبر اسلام علیؑ کو آغوش میں لیتے ہیں اور ان سے پیار و محبت سے پیش آتے ہیں۔ یثرب کے لوگ سمجھ گئے کہ رسول اللہ کی نظر میں علیؑ اور فاطمہؑ کی کیا قدر و منزلت ہے۔ ادھر سے حضرت علیؑ کے پہنچتے ہی رسول اللہ کی طرف سے اعلان ہوتا ہے کہ یثرب میں داخل ہونے کی تیاری کی جائے تاکہ اس شہر کا نام بدل کر "مدینۃ الرسول" کیا جائے۔

جس طرح پیغمبر اسلامؐ کے رشتہ داروں اور مکہ کے لوگوں نے اسلام کی باضابطہ دعوت کے دن "یوم الانذار" یہ سمجھ لیا تھا کہ دین اسلام رسالت کا بھی مالک ہے اور امامت کا بھی اور پیغمبر، وصی وخلیفہ کے بغیر نہیں ہو سکتا ہے، اسی طرح مدینہ کے لوگ بھی یہ جان لیں کہ پیغمبرؐ علیؑ کے بغیر نہیں ہیں۔ یہ علیؑ ہیں کہ ہمیشہ آپؐ کے ساتھ، آپؐ کے پاس اور آپؐ کے قرآن کے ساتھ ہیں یہاں تک کہ حوض کوثر کے کنارے پر آپؐ سے ملحق ہوں گے۔[1]

۱۔ بحار الانوار علامہ مجلسی، تاریخ طبری اور ناسخ التواریخ سپھر کی طرف رجوع کریں۔

۵۔ وہ تلوار اب بھی میرے پاس ہے

مسلمان اور مشرکین قریش صف بندی کر رہے ہیں۔ معمول کے مطابق جنگی ساز وسامان فراہم کیا جاتا ہے. کفار کی تعداد کے مقابلے میں مسلمان ایک تہائی ہیں اور جنگی ساز وسامان کے لحاظ سے کفار اتنے مسلح ہیں کہ کسی قسم کا موازنہ نہیں کیا جاسکتا۔

مسلمانوں کی فوج میں علیؑ، حمزہؑ اور عبیدۃ بن حارث بن عبدالمطلب جیسے چہرے نظر آ رہے ہیں اور کفار کے لشکر میں ھند کا باپ عتبہ، ھند کا بڑا بھائی شیبہ اور عتبہ کا بیٹا ولید جیسے چہرے دکھائی دے رہے ہیں.

قریش اس زمانے کے جدید ترین جنگی ساز و سامان سے لیس ایک ہزار کے قریب تربیت یافتہ افراد پر مشتمل لشکر اور مسلمان مختصر اسلحہ سے لیس ۳۱۳ افراد پر مشتمل قلیل فوج لیئے ہوئے، ۲ ہجری کو ماہ رمضان کے مہینے میں بدر کے کنوؤں کے پاس ایک دوسرے کے مقابلے میں آ کھڑے ہوتے ہیں۔ قریش کے پہلوان رجز خوانی کرتے ہیں اور شان و شوکت دکھا کر نفسیاتی جنگ کا آغاز کرتے ہیں.

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسلمانوں کے لشکر کی صفوں کو منظم کرنے کے بعد دعا کے لئے بارگاہ رب العزت میں ہاتھ بلند کرتے ہیں اور نصرت کی دعا کرتے ہیں۔ خدا مسلمانوں کو فتح و

نصرت عنایت فرماتا ہے۔ خصوصاً حضرت علیؑ ہر طرف سے حملہ کرتے ہیں اور قریش کے بڑے بڑے جغادری پہلوانوں کو تہس نہس کر دیتے ہیں، فتنہ وفساد کے دسیوں عناصر کو نابود کر کے کفار کے صفوں میں رعب وحشت پھیلا کر انھیں شکست سے دوچار کرتے ہیں۔ مسلمان بدر میں فتحیابی پر جشن وسرور مناتے ہیں اور ہمیشہ کے لئے افتخار کرتے ہیں۔ کلمہ "بدریون" ہمیشہ عظمت وفتحیابی کی علامت بنا اور تا ابد عظمت کی علامت رہے گا۔ معرکہ بدر کے سورما کی بے نظیر بہادری کے چرچے ہونے لگتے ہیں اور جزیرۃ العرب کے کوچہ وبازار میں ابوطالب کے جواں سال بیٹے ''علیؑ'' کی شمشیر بازی کے گن گائے جانے لگے۔ علیؑ اپنے ایک خط میں معاویہ کو اس شمشیر زنی کے بارے میں یوں تحریر فرماتے ہیں:

''جس شمشیر سے میں نے تیرے جد عتبہ، تیرے ماموں ولید اور تیرے بھائی حنظلہ پر وار کیا، وہ اب بھی میرے پاس موجود ہے۔''(۱)

۱۔ نہج البلاغہ، سیرہ ابن ہشام، فروغ ولایت سبحانی اور محدث قمی کی منتہی الامال کی طرف رجوع کیا جائے۔

۶۔ جنگ بدر کا فاتح سپاہی دولہا بنا

دشمن پر فتحیابی، جنگی غنایم اور مشرکین قریش کے لشکر کو شکست دینے کے بعد اسلامی لشکر مدینۃ الرسول کو لوٹتا ہے۔ جگہ جگہ پر حضرت علیؑ کی بہادری اور شجاعت کے چرچے ہیں۔ ولید سے ان کے مقابلے کی، باتیں اور داستانیں نقل ہوتی ہیں۔ خاندان کے لوگ اور چھوٹے بڑے سب بدر کے سورماؤں خصوصاً حضرت علیؑ کو ایک دوسرے کو دکھا رہے ہیں۔

جزیرۃ العرب، ولید، حنظلہ اور ان جیسے دوسرے افراد سے بے خبر و نا آشنا نہیں ہے۔ یہ جزیرۃ العرب کے نامور اور دلیر پہلوان تھے۔ اس لئے لوگوں کو حق پہنچتا ہے کہ حضرت علیؑ کی تعریف و تمجید میں لب کشائی کریں اور اُنھیں اپنا اور تمام لوگوں کا محبوب ترین شخص مانیں۔ اس طرح حضرت علیؑ محبوبیت کے کمال کو پہنچتے ہیں اور جنگ بدر کے عالی ترین سورما کی حیثیت سے مشہور ہوتے ہیں۔

ان دنوں تمام خبریں بدر اور بدریون کے بارے میں تھیں، اسی اثناء میں ایک اور خبر لوگوں کے زبان زد ہوئی، وہ یہ کہ بعض برجستہ اور معروف شخصیتوں نے پیغمبر اسلام کی بیٹی فاطمہؑ کی خواستگاری کی۔ پیغمبر اسلامؐ نے ان کے جواب میں فرمایا ہے کہ فاطمہؑ کی شادی کے سلسلے میں خدا کے حکم کا منتظر ہوں۔ اس کے بعد ایک اور خبر پھیلتی ہے۔ ام سلمہ کہتی ہیں:

''میں نے دروازہ کھولا، علیؑ گھر میں داخل ہوئے اور شرم وحیا کی حالت میں خاموشی کے ساتھ پیغمبرؐ کے پاس بیٹھے۔''

رسول خداؐ نے فرمایا: ''علیؑ! کسی کام سے آئے ہو؟''

علیؑ نے کہا: آپؐ میری حالت سے بخوبی واقف ہیں، کیا آپ یہ مناسب سمجھتے ہیں کہ فاطمہؑ سے میرا عقد کر دیں؟''

پیغمبرؐ اٹھ کر فاطمہؑ کے کمرے میں تشریف جاتے ہیں۔ زہراؑ باپ کے دوش سے عبا اٹھاتی ہیں اور احترام واکرام کرتی ہیں۔ اس کے بعد وضو کر کے باپ کے پاس بیٹھتی ہیں۔

پیغمبرؐ فرماتے ہیں: ''میری بیٹی فاطمہؑ! ابوطالب کے بیٹے، علیؑ کی اسلام میں فضیلت اور انکی حالت ہم سب پر واضح ہے اور میں نے خدا سے چاہا تھا کہ وہ تجھے اپنی بہترین مخلوق کے عقد میں قرار دے اور اس وقت وہ (علی) تمہاری خواستگاری کے لئے آئے ہیں، اس سلسلے میں تمہاری کیا رائے ہے؟''

حضرت فاطمہؑ اپنے باپ کے سامنے بغیر اس کے کہ منہ موڑیں یا کسی اور طریقے سے ناخشنودی کا اظہار کریں شرم وحیا سے اپنا سر جھکا کر ایک بامعنی اور گہری خاموشی اختیار کر لیتی ہیں۔ اس وقت پیغمبر اسلامؐ کے منہ سے ''اللہ اکبر'' کا نعرہ بلند ہوتا ہے اور اسی اثناء میں جبرئیل امین نازل ہو کر کہتے ہیں:

''اے محمدؐ! فاطمہؑ سے علیؑ کا عقد کر دیں کیونکہ خدا نے علیؑ کو فاطمہؑ کے لئے اور فاطمہؑ کو علیؑ کے لئے خلق اور پسند کیا ہے۔''

شادی کے مراسم انتہائی سادگی اور کسی تکلف کے بغیر انجام پاتے ہیں۔

زندگی کا مندرجہ ذیل بنیادی ساز وسامان بازار سے خریدا جاتا ہے:

۱۔ پیراھن (سات درہم میں)

۲۔ روسری (ایک درہم میں)

۳۔ نہانے کا تولیہ

۴۔ سوت اور خرما کے پتوں کے بنے ہوئے توشک

۵۔ چار عدد تکیے

۶۔ پردہ

۷۔ چٹائی

۸۔ چکی

۹۔ بڑی لگن

۱۰۔ چمڑے کی مشک

۱۱۔ لکڑی کا پیالہ

۱۲۔ چمڑے کا برتن

۱۳۔ لوٹا

۱۴۔ تانبے کا بڑا برتن

۱۵۔ مٹی کے چند پیالے

۱۶۔ بازو بند

رسول خداؐ بازار سے خریدی گئی چیزوں کا مشاہدہ کر کے فرماتے ہیں:

''خداوندا! ان کی زندگی کو مبارک فرما، جن کے پاس زیادہ تر مٹی کے برتن ہیں۔''

الغرض، عقد، نکاح اور شادی کی تقریب بہت ہی قلیل مہر (پانچ سو درہم) اور انتہائی سادگی سے انجام پاتی ہے اور فاطمہؑ کو علیؑ کے گھر لے جایا جاتا ہے۔ حضرت رسول خداؐ کو خدیجہؑ یاد آ جاتی ہیں۔ ان کی آنکھوں میں آنسو بھر آتے ہیں اور فرماتے ہیں:

"جب سبھی میری مذمت کرتے تھے، خدیجہؑ نے میری حمایت اور تائید کی اور اسلام کی ترویج میں اپنا سارا مال وخرچ کردیا۔"

اس کے بعد فاطمہؑ کا ہاتھ علیؑ کے ہاتھ میں دیتے ہوئے اپنی بیٹی سے فرماتے ہیں:

"نعم البعل علیؑ"

"علیؑ ایک بہترین شوہر ہیں"

اسی طرح علیؑ کو مبارکباد پیش دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

"نعمت الزوجة ؛فاطمةؑ"

"فاطمہؑ بہترین بیوی ہے۔"

اس کے بعد ان دونوں کے حق میں دعا فرماتے ہیں:

"اللّٰهم هذه ابنتي و أحب الخلق الّي و هذا أخي و احبّ الخلق الّي..."

ای پروردگارا: میری بیٹی (فاطمہؑ) و میرے بھائی (علیؑ) میرے نزدیک محبوب ترین افراد ہیں[1]۔

۱۔ تفصیل کے لئے فروغ ولایت، تاریخ چہاردہ معصومین علامہ مجلسی، کشف الغمہ اربلی اور بحار الانوار جیسی کتابوں کی طرف رجوع کیا جائے۔

۷۔ پیغمبر اکرمؐ کا تنہا دوست

ایثار و قربانی، عرب کے طاقتور پہلوانوں سے جنگ کرنا، ایسے سورماؤں سے تن بہ تن جنگ کرنا جن کے مقابلے میں کوئی جنگجو تاب نہیں لاتا تھا، سخت و سنگین محاذوں سے سست ایمان مسلمانوں کا فرار کرنا اور علی علیہ السلام کا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ ڈٹ کر دشمن کا مقابلہ کرنا، کسی سے پوشیدہ اور چھپا نہیں ہے۔ علی علیہ السلام کے بارے میں کچھ بیان کرنے کی ضرورت ہی کیا ہے؟ کون اپنی جان پر کھیل کر بستر رسولؐ پر سو سکتا تھا تاکہ پیغمبر اکرم مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کر سکیں؟

کیا ''سرزمین بدر'' علی علیہ السلام کی اس بے مثال جاں نثاری سے چشم پوشی کر سکتی ہے۔ کوہ احد کو اب بھی یاد ہے کہ بھاگنے والے مسلمان کس طرح پیغمبر اکرمؐ کو تنہا چھوڑ کر خود پہاڑ کے اوپر چڑھے تھے۔ پیغمبر اکرمؐ کا دہن مبارک خون آلود ہے اور پیشانی زخمی ہے ایک گڑھے میں پڑے ہیں اور مشرکین انعام و اکرام کی لالچ میں ہر طرف سے گڑھے کی طرف حملہ آور ہیں تاکہ پیغمبر اکرمؐ کا کام تمام کر کے اسلام کو اسی احد کی چار دیواری میں ہمیشہ کے لئے دفن کر دیں، لیکن علی علیہ السلام نیزوں اور تلواروں کے ستر سے زائد کاری زخم بدن پر کھائے ہوئے پروانہ وار اس گڑھے کے گرد چکر لگا رہے ہیں اور روئے زمین پر موجود عزیز ترین انسان کی حفاظت کرتے ہیں۔

جنگ احزاب میں جبکہ مسلمانوں اور کفار کے مختلف احزاب کے درمیان فقط ایک خندق کا فاصلہ تھا، سبھوں کو یاد ہے کہ جب عمرو بن عبدود اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر خندق کو عبور کر کے مسلمانوں کی طرف آتا ہے اور ان سے جنگ کی دعوت دیتا ہے، تو بہت مسلمان اپنی جان کے خوف سے اپنے سر نیچے کر لیتے ہیں۔ پیغمبر اکرمؐ بہادری کا دم بھرنے والے ہر ایک شخص کے چہرہ پر نظر ڈالتے ہیں۔ یہ افراد کٹے ہوئے سرنگوں خرما کے درختوں کے مانند پڑے تھے۔ ان میں صرف ایک شخص کا سر بلند ہے اور اس کی آنکھیں پیغمبر اکرمؐ پر ٹکٹکی لگائی ہوئی ہیں، یہ علی ہیں جو جنگ کے لئے آمادہ ہیں، بھلا جوان علی علیہ السلام اکیلے عمرو بن عبدود کا مقابلہ کیسے کر سکتے ہیں؟ کون ہے وہ شخص جو اس عظیم الجثہ اسلحہ سے لیس شخص سے نہ ڈرتا ہو؟!

علی علیہ السلام جنگ کرنے کی اجازت چاہتے ہیں۔ لیکن پیغمبر قبول نہیں فرماتے، کیوں؟ اسلئے کہ علی علیہ السلام کی جانشینی کی دلیل و حجت تمام مسلمانوں پر واضح کر دینا چاہتے ہیں۔ چند لحات کا انتظار کیا جاتا ہے تاکہ پیغمبرؐ وہ تاریخی جملات بیان فرمائیں جن کی اہمیت سب پر روشن ہو جائے۔

علی علیہ السلام پھر سے جنگ کی اجازت چاہتے ہیں۔ تیسری بار پیغمبر اکرمؐ علیؑ کی درخواست قبول فرماتے ہیں اور علیؑ میدان کارزار کی طرف بڑھتے ہیں۔

خوف سے جھکی گردنیں بلند ہوتی ہیں لیکن نگاہیں شرم و خجالت کی حکایت بیان کرتی ہیں۔ بہت سے لوگوں کے ذہنوں میں یہ تصور پیدا ہوتا ہے کہ ''اچھا ہوا علیؑ چلے گئے اور انہوں نے یہ خطرہ مول لیا۔''

اس کے بعد پیغمبر اسلامؐ نے اپنی بات بیان فرمائی، ایسا جملہ بیا فرمایا جو دنیا کی تمام کتابوں کے برابر ہے:

''آج کُلِّ ایمان، کُلِّ کفر کے مقابلہ پر جا رہا ہے!''

خیبر[۱] کے یہودی اپنے آہنی قلعے کی بربادی کو کبھی نہیں بھولیں گے۔ یہ وہ دن ہیں جب مدینہ اپنے طاقتور دشمنوں کے ردعمل پر نگراں ہے۔ خیبر سے ایسی خبریں آتی ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ اسلام کے خلاف زبردست سازشیں ہو رہی ہیں۔ اگر مدینہ کو کسی قسم کا خطرہ پیش آتا ہے تو، خیبر اپنی خاص پوزیشن کے پیش نظر ایک فوجی اہمیت کی چھاونی میں تبدیل ہو سکتا ہے اور دشمنان اسلام کے لئے ایک اہم مرکز بن سکتا ہے۔ پیغمبر اسلامؐ کے جاسوسوں نے یہ خبر دی کہ ''غطفان'' کے وحشی قبیلے جنہوں نے یہودیوں سے دوستی کا معاہدہ کر رکھا ہے خیبر کی طرف جا رہے ہیں۔

پیغمبر اسلامؐ جانتے تھے کہ اگر دیر کی گئی تو کام مشکل ہو جائے گا۔ اس لئے آپؐ نے ایک فوج کو منظم کیا اور خیبر کی طرف روانہ ہو گئے۔

''کس راستے سے جائیں؟

پیغمبر اسلامؐ جلدی میں ہیں اور ارادہ رکھتے ہیں کہ جلد از جلد خیبر پہنچیں لہذا حکم دیتے ہیں: فرصت کو ہاتھ سے جانے دئے بغیر مخفی اور غیر معروف راستہ اختیار کیا جائے۔

پوچھا جاتا ہے: ''کہاں کا ارادہ ہے؟''

جواب ملتا ہے: علاقۂ ''رجیع'' میں پڑاو ڈالیں گے، اس طرح ہم خیبر کے یہودیوں اور قبیلۂ عطفان کو ایک دوسرے سے جدا کر سکتے ہیں۔

خیبر پہنچنے کے بعد دشمن کے مضبوط قلعوں پر حملہ کے ذریعہ جنگ کا آغاز ہوتا ہے لیکن یہ حملہ کامیاب نہیں ہوتا۔ لشکر اسلام کے پچاس سپاہی زخمی ہوتے ہیں اور کوئی نتیجہ نہیں نکلتا۔

اس حملے کے بعد پیغمبر اسلامؐ لشکر کا پرچم ''ابوبکر'' کے حوالے کرتے ہیں اور سرفروش مسلمان سپاہیوں کی ایک تعداد ان کے ہمراہ روانہ کرتے ہیں تا کہ کام کو تمام کریں لیکن ابوبکر اس

۱۔ ''خیبر'' ایک عبرانی لفظ ہے اور اس کا معنی قلعہ ہے۔ طاقت ور یہودی پیغمبرؐ کے زمانے میں خیبر کے علاقہ میں زندگی بسر کرتے تھے۔ یہ علاقہ مدینہ کے شمال میں ۱۸۰ کیلومیٹر کے فاصلے پر ہے۔

فوج کو کمانڈ کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتے اور یہ حملہ بھی ناکام ہو جاتا ہے۔

عمر ایک ایسے مسلمان ہیں جو بہادری اور بیبا کی کا دعویٰ کرتے ہیں۔ وہ اتنی رجز خوانی کرتے ہیں اور شعر پڑھتے ہیں کہ بہت سے لوگ تصور کرتے ہیں اُن کے ذریعہ دشمن کا کام تمام ہو جائیگا۔ دوسرے دن پیغمبرؐ علم کو اس کے ہاتھ میں دیتے ہیں.

اسلام کا لشکر عمر کی کمانڈ میں قلعہ پر حملہ کرتا ہے۔ لیکن ان سے بھی فرار کے سوا کچھ بن نہیں پڑتی اور یہ میدان کسی مرد کی ضرورت کا احساس کرتا ہے۔

تھکی ماندی فوج میدان کارزار سے واپس آتی ہے۔ پریشانی اور فکر مندی چہروں سے رونما ہے اور ہر فرد ایک دوسرے سے پوچھتا ہے: اس جنگ کا انجام کیا ہوگا؟

خیبر کے قلعے حد سے زیادہ مستحکم اور قوی ہیں لگتا ہے ہرگز فتح نہیں ہوں گے۔

پیغمبر اسلامؐ اس فکر و اضطراب کا مشاہدہ کرتے ہیں۔ ان افراد کی ناتوانی و سستی دیکھ رہے ہیں جو مستقبل میں طاقت کو اپنے ہاتھ میں لینے کی سازش کرنے والے ہیں۔ تمام مسلمانوں کو یقین ہوتا ہے کہ اب وہ وقت آپہنچا ہے پیغمبر اسلامؐ کچھ اور امر بیان فرمانے والے ہیں، ایسی بات بیان فرمانے والے ہیں جو تاریخ میں ایک سند کی حیثیت سے باقی رہے گی:

''کل میں پرچم اسلام ایک ایسے شخص کے ہاتھ میں دینے والا ہوں جو سب سے شجاع ہے، وہ خدا و رسولؐ کو دوست رکھتا ہے اور خدا و رسولؐ اسے دوست رکھتے ہیں۔ خیبر اس کے ہاتھوں فتح ہوگا۔ وہ ایسا مرد مجاہد ہے کہ جس نے کبھی دشمن کی طرف پیٹھ نہیں کی ہے۔ اور وہ میدان کارزار سے بھاگنے والا نہیں ہے۔''

دوسرے دن پورا لشکر صف بستہ کھڑا ہوتا ہے۔ اسلام کی عظیم شخصیتیں اور پیغمبرؐ کے رشتہ دار، پیغمبر اسلامؐ کے انتخاب کا انتظار کر رہے ہیں۔ یہاں تک کہ وہ دو سردار بھی ایک ہی اُمید باندھے ہوئے ہیں جو میدان کارزار سے بھاگ گئے تھے۔

اگر چہ کم و بیش سب جانتے ہیں کہ یہ شخص کون ہے اور اُسے پہچانتے بھی ہیں لیکن پھر بھی وہ ایک موہوم سی اُمید لگائے ہوئے ہیں:

شاید یہ مرد، ہم ہوں۔

علی علیہ السلام سامنے آتے ہیں لیکن ان کی آنکھوں پر سیاہ پٹی باندھی ہوئی ہے۔! لوگوں کی سرگوشیاں سنائی دیتی ہیں.

۔کیا ہوا ہے؟

۔علیؑ بیمار ہیں.

۔وہ چند دنوں سے آنکھوں کی بیماری کی وجہ سے صاحب فراش ہیں.

۔پیغمبرؐ نے اُنھیں بلایا ہے۔

علیؑ اونٹ سے نیچے اترتے ہیں۔ایک آدمی ان کا ہاتھ پکڑ کر انھیں رسول خداؐ کے پاس لے آتا ہے۔

۔''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! درد چشم کی شدّت سے تڑپ رہا ہوں۔''

رسول اللہؐ علی علیہ السلام کی آنکھوں پر اپنا دست مبارک پھیرتے ہیں اور دعا پڑھتے ہیں تا کہ وہ شفا پائیں اور ایسا ہی ہوتا ہے۔

لشکر کا علم علی علیہ السلام کے ہاتھ میں دیا جاتا ہے اور آپؑ ایک گروہ کا انتخاب کرتے ہیں تا کہ دشمن کے قلعے پر حملہ آور ہوں۔

یہودی پے در پے دو بار مسلمانوں پر کامیاب ہو چکے تھے حتیٰ ان کے سرداروں کو بھی مار بھگایا تھا، اب بلند حوصلوں کے ساتھ اس انتظار میں ہیں کہ اس بار سپاہ اسلام پر کاری ضرب لگائیں گے۔

دشمن کا سپہ سالار ایک نیا منصوبہ رکھتا ہے: سپاہ اسلام کی کمزوری اور اس کا خوف و ہراس

مزید نمایاں کیا جائے۔

کس طرح؟

اس بار لشکر اسلام کے سپہ سالار کو موت کے گھاٹ اتار دیں گے تا کہ پچھلے دو سپہ سالاروں کی طرح وہ میدان کارزار سے زندہ بچ کر بھاگنے نہ پائے۔

سچ کہتے ہو! اگر پہلے سے ہی ایسا کیا ہوتا تو مسلمانان تیسری بار ہم پر حملہ کرنے کی ہرگز جرأت نہیں کرتے۔ایک یہودی قلعوں کے سپہ سالار سے سوال کرتا ہے:

تم لشکر اسلام کے سردار کو کیسے خاک وخون میں غلطان کر سکتے ہو؟

''مرحب'' کو اس کی طرف بھیجوں گا۔ یہ شجاع اور بے باک طاقتور پہلوان قلعہ سے باہر آ کر لشکر اسلام کے سپہ سالار کو تن بہ تن جنگ کی دعوت دیگا اور اس کے بعد...

اس کے بعد بہت دیر نہی ہوگی جب مسلمان اپنے سردار کی موت کی خبر سنیں گے...

ٹھیک ہے! کون ہے جو ''مرحب'' کے سامنے مقابلے کی تاب لاسکتا ہے قلعہ سے یہودیوں کے قہقہے کے ساتھ ہنسنے کی آوازیں قلعوں کے شوروغل پر بھی چھا جاتی ہیں۔

''مرحب'' قلعہ سے باہر آتا ہے، مسلمان خوف وہراس کے ساتھ پھٹی پھٹی آنکھوں سے اسے دیکھتے ہیں۔

مرحب کو ایک خاص ذرہ پہنائی گئی ہے جس سے اس کا وسیع الجسہ اور طاقت ور بدن ڈھکا ہوا ہے۔

سر پر ایک آہنی کلاہ ہے اس کے بیچ میں ایک شفاف اور چمکیلا پتھر ہے، ایک ہاتھ میں ایک لمبی برچھی ہے۔

وہ نعرے بلند کرتا ہوا اور رجز پڑھتا ہوا آگے بڑھتا ہے اور اپنے اردگرد گردو غبار اڑاتا ہے۔

''یہ خیبر کی دیواریں گواہ ہیں کہ میں مرحب ہوں! میں ایک تجربہ کار و آزمودہ پہلوان

ہوں، جنگی سلاح سے آراستہ ہوں! اگر زمانہ فاتح ہے تو میں بھی فاتح ہوں! جو بھی پہلوان میرے مقابلہ میں آیا اپنے خون میں نہا گیا ہے!''

علی علیہ السلام ''مرحب'' کا جواب دینے کیلئے اپنے لشکر سے نکلتے ہیں اور رجز پڑھتے ہیں:

''میں وہ ہوں جس کی ماں نے اس کا نام حیدر (شیر) رکھا ہے! میں ایک دلاور اور بہادر مرد اور کچھار کا شیر ہوں، میرے بازو طاقتور اور میری گردن قوی ہے میں میدان کارزار میں شیر کی مانند گرجتا ہوں اور خوف و وحشت پھیلاتا ہوں!''

علی علیہ السلام کا کلام تمام ہوتا ہے اور دو سورما ایک دوسرے پر حملہ آور ہوتے ہیں۔

برچھیوں اور تلواروں کی ایک دوسرے سے ٹکرانے کی آواز سے قلعوں پر طاری خاموشی ٹوٹ جاتی ہے۔

یہودی، جنھوں نے اس سے پہلے دو سپہ سالاروں کے بھاگنے کا منظر دیکھا تھا، حیرت اور تعجب کے ساتھ اس منظر کو دیکھتے ہیں اور آپسمیں سرگوشی کرتے ہیں:

یہ کون ہے جس نے مرحب سے مقابلے کی جرأت اور شہامت پیدا کی ہے؟

یا تو دیوانہ ہے یا اپنی جان سے سیر ہو گیا ہے!

اچانک مسلمانوں کی ایک تعداد فریاد بلند کرتی ہے:

دیکھو مرحب کا نیزہ علیؑ کے ہاتھ میں خم ہو گیا!

علی علیہ السلام نے خم شدہ نیزہ کو دور پھینکتے ہوئے اپنی تلوار کو بلند کیا اور مرحب کے سر پر ایک کاری ضربت لگائی جس کے نتیجہ میں اس کے سر پر موجود آہنی کلاہ اور پتھر دو حصوں میں تقسیم ہو گئے اور مرحب زمین پر گر کر تڑپنے لگا۔

قلعوں کے محافظ جو دروازوں کے سامنے کھڑے حیرت اور تعجب سے اس منظرہ کا مشاہدہ کر رہے تھے، سب کچھ بھول گئے بے اختیار اپنی ذمہ داری کو چھوڑ کر میدان کارزار میں اتر آئے۔

علی علیہ السلام کی سرداری میں شدّت کی جنگ شروع ہو جاتی ہے۔ دشمن اپنی حیرت انگیز استقامت کو بہت جلد کھو دیتا ہے اور بھاگ کھڑا ہوتا ہے۔

علی علیہ السلام بھاگتے ہوئے یہودیوں کا قلع کی دیوار تے پیچھا کرتے ہیں۔

اس کشمکش اور جنگ و گریز کے دوران بھاگتے ہوئے ایک یہودی نے پیچھے مڑ کر علی علیہ السلام پر تلوار ماری۔ اس حملے کی شدت اتنی تھی کہ علی علیہ السلام کے ہاتھ سے سپر گر گئی اور سپاھیوں کے ہجوم میں گم ہوگئی۔ علی علیہ السلام کی نظر خیبر کے بڑے قلعے پر پڑتی ہے۔ ''مجھے ایسا کام کرنا چاہئے تاکہ یہودیوں کے مقابلے کے حوصلے پست ہو جائیں اور ان کی ہمت ٹوٹ جائے! اور وہ میرے ہاتھوں سے ایمان کی حیرت انگیز طاقت کا مظاہرہ کریں۔!''

آپؑ قلعہ کی طرف بڑھتے ہیں اور اس کے دروازے کو اُکھاڑ لیتے ہیں اور جنگ کے خاتمہ تک یہ بڑا دروازہ سپر کے طور پر اسلام کے سپہ سالار کے طاقتور ہاتھوں میں رہتا ہے تاکہ یہودیوں کو خوف و وحشت کے ذریعہ گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کر دیں۔

مسلمان قلعے کے اندر داخل ہو کر اور مال غنیمت جمع کرنے اور یہودی سپاھیوں کو اسیر کرنے میں مصروف ہوتے ہیں، اور اس طرح خیبر پر قبضہ ہو جاتا ہے...

جی ہاں! علی علیہ السلام ان تمام میدانوں اور ایسے ہی سیکڑوں دیگر میدانوں میں ایک جاں نثار و فداکار جنگجو کے مانند اسلام اور پیغمبرؐ کی خدمت میں جہاد کرتے ہیں اور مشرکین اور منافقین کی ہر سازش کو نیست و نابود کر کے اسلام اور مسلمانوں کی عزت و آبرو کو چار چاند لگاتے ہیں[1]۔

۱۔ کتاب ''نماز عشق'' اور تاریخ کی دیگر کتابوں کی طرف رجوع کریں۔

۸۔ مظلوم! وہ بھی کیسا مظلوم!

پیغمبر اسلامؐ نے علی علیہ السلام کے بارے میں فرمایا:

"یاعلیؑ! انّ الامّۃ ستغدر بک"(۱)

''اے علیؑ! جلدی ہی یہ اُمت تمہارے ساتھ مکر وحیلہ کرے گی۔''

"الی اللّٰہ اشکو لظالمیک من امتی"(۲)

"میں اپنی امت کے ان لوگوں کے بارے میں خدا کے پاس شکایت کروں گا جنہوں نے اے علیؑ! تم پر ظلم کیا۔"

''یاعلی ! انت المظلوم بعدی'' (۳)

''اے علیؑ! تم میرے بعد مظلوم ہوں گے!''

۱۔ تاریخ کبیر: ۱/۱۷۴

۲۔ بحارالانوار: ۲۸/۷۶

۳۔ بحارالانوار: ۲۸/۷۶

''یاعلی ! اتق الضغائن التی فی صدور من لایظھر ھاالا بعد موتی''.(۱)

''اے علیؑ! ہوشیار ہو ان کینوں سے جو سینوں میں چُھپے ہیں اور میری وفات کے بعد ظاہر ہوں گے۔''

''اخبر نی جبرئیل انّھم یظلمونه ویمنعون حقّه...''.(۲)

''جبرئیل نے مجھے خبر دی کہ لوگ علیؑ پر ظلم کریں گے اور اُس کا حق چھین لیں گے۔''

علی علیہ اسلام نے فرمایا:

''لقد ظلمت عدد المدَر''(۳)

''ریگستان کی ریت کے برابر مجھ پر ظلم کیا گیا۔''

''فرأیت انّ الصبر علی ھا تا أحجی ،فصبر ت وفی العین قذی و فی الحلق شجی.''(۴)

''بالآخر میں نے مصلحت کے تحت صبر کا دامن پکڑا اگر چہ یہ میرے لئے سخت تھا: کیونکہ میری حالت اس شخص کی جیسی تھی جس کی آنکھ میں کانٹا اور گلے میں ہڈی پھسی ہو۔''

فلمّا نھضت بالأ مر نکثت طا ئفة و مر قت اخری و قسط آخرون''(۵)

''جب میں نے حکومت ہاتھ میں لے لی، تو ایک گروہ نے عہد شکنی کی اور دوسرا گروہ دین سے خارج ہوا اور ایک گروہ...''

۱۔ بحار الانوار:۸/۴۵

۲۔ بحار الانوار:۸/۴۵

۳۔ مستدرک حاکم:۳/۱۴۲۔

۴۔ نہج البلاغہ، خ۳،ص۴۸،صبحی صالح۔

۵۔ نہج البلاغہ، خ۳،ص۴۹،صبحی صالح

امام ہادی علیہ السلام نے فرمایا:

''اشھد انک انت اوّل مظلوم و اوّل من غصب حقہ(۱)''

''میں گواہی دیتا ہوں کہ قطعاً آپ (یا علیؑ!) پہلے مظلوم اور پہلے شخص ہیں جس کا حق غصب کیا گیا۔''

معاویہ نے علی علیہ السلام کو اس طرح لکھا:

''حتی حملت الیہ قھراً تساق بخزائم الإقتسار کما یساق الجمل المخشوش''

''یہاں تک کہ خلافت سقیفہ والے تمہیں سرکش اونٹ کے مانند اور زبردستی بیعت کرنے کے لئے مسجد لے گئے۔''

حضرت علی علیہ السلام نے معاویہ کے جواب میں لکھا:

''تم نے لکھا تھا کہ مجھے سرکش اونٹ کی طرح بیعت کے لئے مسجد لے جایا گیا۔ اس جملہ کے ذریعہ تم نے میری ملامت کرنا چاہی ہے لیکن حقیقت میں میری ستائش کی ہے، کیونکہ ایک مسلمان کے لئے کوئی عجیب نہیں کہ مظلوم واقع ہو جب تک وہ اپنے دین میں شک نہ کرے اور اپنے یقین میں متزلزل نہ ہو۔''

اموی خلیفہ عمر ابن عبدالعزیز کہتا ہے:

''میں بچپن میں عتبہ بن مسعود نامی ایک خداشناس و متدین معلم سے پڑھتا تھا۔ ایک روز اپنے ہم سن بچوں کے ساتھ کھیلنے میں مشغول تھا اور حسب معمول تمام بچوں کی زبان پر تکیہ کلام کے طور پر لعن علیؑ ابن ابیطالب جاری تھا، میں بھی ان کے ساتھ متفق و ہم آواز تھا، اسی اثناء میں میرا معلم وہاں سے گذرا اور اس نے مجھے حضرت علیؑ کو لعن کرتے ہوئے سُنا، اس وقت تو وہ کچھ

۱۔ مفاتیح الجنان زیارت امیرالمؤمنین

نہ بولا اور میرے پاس سے گذر کر مسجد میں داخل ہوگیا۔ رفتہ رفتہ پڑھنے کا وقت نزدیک آیا۔ میں مسجد میں معلم کے پاس سبق پڑھنے گیا۔ لیکن جوں ہی اس نے مجھے دیکھا فوراً اٹھ کر نماز میں مشغول ہوگیا۔ اس نے نماز میں بہت دیر لگائی اور میں نے محسوس کیا کہ یہ نماز ایک بہانہ ہے در اصل بات کچھ اور ہے۔ جو بھی ہے وہ مجھ سے خفا ہے۔ میں نے صبر کیا بالاخر میرا معلم نماز سے فارغ ہوا۔ اس نے نماز ختم کر کے میری طرف ایک غصہ بھری نظر ڈالی۔ میں نے کہا: کیا یہ ممکن ہے کہ آپ اپنے غصہ کی وجہ بیان کریں؟

اس نے کہا: بیٹا! کیا تم ہی تھے جو آج علی علیہ السلام کو برا بھلا کہہ رہے تھے؟

میں نے کہا: جی ہاں۔

اس نے پوچھا: یہ تمہیں کب معلوم ہوا ہے کہ خداوند عالم اہل بدر سے راضی ہونے کے بعد پھر ان پر غضبناک ہوا ہے اور وہ لعن وسب وشتم کے مستحق ہوئے ہیں؟

میں نے پوچھا: کیا علیؑ بھی اہل بدر میں سے تھے؟

اس نے جواب دیا: افسوس ہے تم پر! کیا بدر اور اس کے اعزازات علیؑ کے علاوہ کسی اور سے متعلق ہیں؟

میں نے کہا: میں عہد کرتا ہوں کہ اس عمل کو پھر سے نہیں دہراؤں گا اور حضرتؑ کو برا بھلا نہیں کہوں گا۔

اس نے کہا: قسم کھاؤ پھر کبھی ایسا نہیں کرو گے۔

میں نے کہا: جی ہاں! خدا کی قسم پھر ایسا کام ہرگز نہ کروں گا۔

یہ واقعہ عمر ابن عبدالعزیز کیلئے ایک چنگاری کے مانند تھا جو باعث بنا کہ عمر ابن عبدالعزیز علی علیہ السلام پر لعن نہ کرے۔ اس نے اپنے وعدے کو اچھی طرح نبھایا اور اپنے استاد کی منطقی نصیحت کو دل میں اتار لیا۔ اس دن کے بعد وہ کبھی علیؑ پر لعن کو زبان پر نہ لایا لیکن کوچوں میں، منبروں سے

اورنماز جمعہ کے خطبوں سے مسلسل اس کے کانوں میں علیؑ پر لعن کرنے کی آواز آتی رہتی تھی.

کچھ عرصہ گذرنے کے بعد ایک اور واقعہ رونما ہوا جس کی وجہ سے اس نے عہد کرلیا کہ اگر کبھی کسی عہدے پر فائز ہوا تو علی علیہ السلام پر لعن کو ممنوع قرار دے دے گا۔ قصہ اس طرح ہے کہ:

اس کا باپ مدینہ کا گورنر تھا۔ وہ ایک فصیح و بلیغ مقرر تھا۔ معمول کے مطابق وہ نماز جمعہ پڑھاتا تھا اور امویوں کی رسم کے مطابق نماز جمعہ کے خطبوں کو علی علیہ السلام پر لعن کے ساتھ ختم کرتا تھا۔

عمر ابن عبدالعزیز کہتا ہے:

''ایک دن میں متوجہ ہوا کہ میرا باپ خطبہ کے دوران جس موضوع کو بھی اٹھاتا ہے پوری فصاحت و بلاغت کے ساتھ مقصد کو بیان کرتا ہے، لیکن جوں ہی علیؑ کو لعن کرنے پر پہنچتا ہے تو اس کی زبان میں لکنت آجاتی ہے اور اس کی زبان لڑکھڑانے لگتی ہے، یہ واقعہ میرے لئے انتہائی تعجب خیز تھا۔ میں نے محسوس کیا کہ میرے والد کی روح و قلب کی گہرائیوں میں کچھ چیزیں ہیں جنھیں وہ زبان پر نہیں لاسکتا ہے۔ ایک دن میں نے یہ موضوع اپنے والد سے چھیڑا اور کہا: میں یہ نہیں سمجھ سکا کہ آپ نماز جمعہ کے خطبوں میں ہر موضوع پر بولتے وقت فصاحت و بلاغت کے جوہر دکھاتے ہیں، لیکن جب علیؑ پر لعن کرنے کی نوبت آتی ہے تو آپ سے قدرت بیان سلب کیوں ہوجاتی ہے اور زبان میں لکنت آجاتی ہے؟!''

میرے والد نے کہا کہ: بیٹے! تم نے صحیح سمجھا ہے، لیکن یہ بات جان لو کہ یہ لوگ جو ہمارے ممبر کے نیچے بیٹھے ہیں، حضرت علیؑ کی فضیلت کے بارے میں جو کچھ تیرا باپ جانتا ہے، اگر اس سے آگاہ ہوجائیں تو ہرگز ہماری اطاعت نہیں کریں گے بلکہ حضرتؑ کے فرزندوں کے پیچھے دوڑیں گے۔''

عمر ابن عبدالعزیز، جو بچپن میں اپنے استاد سے سنی بات کو ذہن نشین کیے ہوئے تھا اور جب اس نے اس امر کا باضابطہ اعتراف اپنے باپ سے بھی سنا تو متزلزل ہوا گیا اور اس نے اپنے خدا سے عہد کیا کہ اگر کسی دن اقتدار پر قابض ہوا تو اس بری اور منحوس رسم کو ــ جو معاویہ کے سیاہ تاریخ دنوں کی یادگار ہے ــ ختم کر کے رہے گا۔

۹۹ھ قمری میں سلیمان بن عبدالملک خلیفہ تھا، وہ بیمار ہوا۔ اگرچہ سلیمان نے اپنے بھائی یزید بن عبدالعزیز کو ولی عہد مقرر کیا تھا لیکن اس نے کچھ مصلحتوں کے پیش نظر عمر ابن عبدالعزیز کو اپنا خلیفہ مقرر کیا اور اسے اپنے وصیت نامہ میں تحریر کیا، جوں ہی سلیمان مرا، اس کا وصیت نامہ مسجد میں پڑھا گیا اور تمام لوگوں کے لئے باعث تعجب بنا۔

عمر ابن عبدالعزیز مسجد کے آخری سرے پر بیٹھا تھا۔ جب اس نے دیکھا کہ وصیت اس کے نام کی گئی تو فوراً آیہ ﴿ انا للہ و انا الیہ راجعون ﴾ پڑھی۔ اس کے بعد لوگوں نے اسے اٹھا کر ممبر پر بٹھا دیا اور اپنی مرضی سے اس کی بیعت کی۔ اس نے بھی بچپن میں اپنے استاد سے کئے ہوئے وعدہ پر عمل کرتے ہوئے اسی وقت حضرت علیؑ پر لعن کی ممانعت کا حکم صادر کیا اور حکم جاری کیا کہ آج کے بعد کوئی شخص حضرت علی علیہ السلام کی شان میں گستاخی نہ کرے۔ (۱)

۱۔ شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید معتزلی، کامل ابن اثیر اور تجلی امامت کی طرف رجوع کریں۔

۹۔ بے مثال عظمت!

یہاں پر ایسے مفکر و مصنف ہم سے گفتگو کا آغاز کرتے ہیں، جن کی علمی وفکری شخصیت ہر خاص و عام کی نگاہ میں محترم ہے۔ جب ہم ان حضرات کی گفتگو پر کان دھرتے ہیں تو اس نکتہ تک پہنچتے ہیں کہ موضوع کے بارے میں اس گفتگو کے ماوریٰ ایک عمیق احساس بھی موجود ہے جس کو یہ لفظیں بیان سے قاصر ہیں۔ جیسے مصنف بعض اوقات چند نقطوں کی مدد سے قاری کو اپنے تصورات کے ذریعہ ایک وسیع وادی میں پہنچا دیتا ہے، ان مصنفوں نے بھی اپنے ہر جملے کو چند نقطوں کے مانند قرار دیا ہے تا کہ معنویت، بزرگی، انصاف، فضیلت اور انسان دوستی اور... کی ایک لامتناہی دنیا کی طرف راہنمائی کریں

جی ہاں، وہ کوشش کرتے ہیں تا کہ شاید اس گہرے سمندر کے اسرار پر سے پردہ اٹھا سکیں جس میں وہ خود غوطہ زن ہوئے ہیں، اس سلسلے میں بہترین الفاظ و عبارتوں کا سہارا لیتے ہیں تا کہ اپنے اندرونی جذبات و جوش و خروش کا اظہار کرتے ہوئے اس بلند و بالا روح کی عظمت کو بیان کریں جو اسرار خلقت کے مانند تمام چیزوں پر احاطہ کئے ہوئے ہے۔ اگر چہ قدرتِ گفتار اور بلاغت کی زیبائی ان کی تعبیرات سے واضح ہیں، پھر بھی جس چیز نے ان کے افکار میں ہلچل مچا رکھی ہے اور جن پاکیزہ جذبوں نے ان کی روحوں کو گہرائی تک مسخر کر رکھا ہے ابھی وہ الفاظ کا جامہ نہیں

پہنچ سکے ہیں اور خود یہ اہل بیان وقلم خواہ انہوں نے امامؑ کے بارے میں کچھ کہا ہو یا آپؑ کے کلام کے بارے میں پھر بھی جو کچھ انہوں نے سمجھا ہے اس کے مقابل اپنے بیان سے مطمئن نہیں ہیں۔ اس کے باوجود مصنفین اور عظیم دانشوروں نے ہمارے دوسرے معصوم پیشوا حضرت علی علیہ السلام کی بے کراں عظمت کے بارے میں جو کچھ بیان کیا ہے وہ ان کی عظمت وجلالت کا بہت مختصر اور حقیر نمونہ ہے۔

اگر چہ ان کلمات میں سے ہر ایک کلمہ تاریخ بشریت کی عظیم ترین شخصیت کے تعارف کے لئے کافی ہے، لیکن ہمارا مقصد ان کلمات سے حضرت علیؑ کی عظمت کی نشاندہی کرنا نہیں ہے کیونکہ علی علیہ السلام کی شخصیت دوسروں کی گفتار وافکار کی محتاج اور آپؑ کی عظمت کسی بھی قسم کے سہارے کی رہین منت نہیں ہے۔

حضرت علیؑ کی ذات، وجود عقل کے مانند ہے کہ ہر ایک چیز کو اسی سے تولا جاتا ہے اور اسی کے ذریعہ ہر شیئے کی قدر وقیمت کا اندازہ لگایا جاتا ہے۔ انھیں پہچاننے کیلئے خود ان سے اور ان کی ذات کے نور سے استفادہ کرنا چاہئے۔ روشن افکار اور غیر معمولی شخصیتیں اسی کے ذریعہ پہنچانی جاتی ہیں. اور ہر فضیلت، فکر ونظر، ومکتب کو حضرت علیؑ کے فضائل ولافانی مکتب فکر پر تولا جاتا ہے تا کہ عظمتوں کے اس پیمانے سے ان کی قدر وقیمت کا اندازہ کیا جاسکے۔ آخر کن گفتار وافکار کے ذریعہ ایسی شخصیت کی عظمت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے، جو صرف اس احتمال پر کہ کہیں یمانہ کے بیابانوں کے کنارے کوئی بچہ بھوکا نہ ہو، اپنے کھانے سے چشم پوشی کرتا ہے اور اس اُمید پر کہ ایک لونڈی خوشحالی کے ساتھ اپنے گھر لوٹے، روزمرہ کے مسائل ومشکلات کے درمیان ہر ممکن کوشش کرتا ہے۔ راتوں کو یتیموں کے لئے کھانا لیجاتا ہے اور دن کو ضعیفوں کے حقوق کا پوری قدرت کے ساتھ دفاع کرتا ہے۔ نہ اپنی جھونپڑے کے تاریک گوشے میں پڑی ایک ضعیفہ اس کی محبت آمیز نظروں سے محروم رہ سکتی ہے اور نہ مسلمانوں کے ناموس کی طرف نگاہ اٹھانے والا

گستاخ جوان آپؑ کے زوردار طماچہ سے بچ سکتا ہے....

جو ہر رات، شب بیداری کی حالت میں آنکھوں سے اشکوں کے سیلاب بہاتے ہوئے اپنے پروردگار سے راز و نیاز میں مشغول ہوتا ہے اور سراپا حقیقت سے لبریز دل سے نکلنے والے خدا پرستی کے نغموں کی گنگناھٹ اور ذکر و تسبیح کے زمزموں سے کائنات کے تار و پود کو رونق بخشتا ہے۔ جو دن کو اپنے بیدار ضمیر کے ساتھ لوگوں کے دکھ درد کو دور کرنے اور لوگوں کی تعلیم و تربیت کی طرف توجہ کرتا ہے اور ہر ایک کے چھوٹے سے چھوٹے حق کے تحفظ کا پابند ہے اور اس سلسلے میں ہرگز کوتاہی نہیں کرتا۔

ایسا سراپا آتش وجود؟! اتنے فضائل سے بھرپور زندگی؟! ایسی تلاطم خیز روح؟! ہمیشہ منور اور روشن ضمیر بیدار دماغ! وجود کے عالی ترین معیاروں سے براہ راست ارتباط رکھنے والا دل، ایسے جذبات جو انسان سے محبت اور اس کی قدر و منزلت کے اعتقاد و یقین کے سوا کوئی اور آمیزہ نہیں رکھتے، ایسی آنکھ جو کائنات کو اس کے خالق کے تناظر میں انکساری اور فروتنی سے دیکھتی ہے تاکہ اس کے اسرار کے زاویوں کو دیکھ سکے، ایسا ہاتھ جو کبھی تلوار کے دستہ کو مضبوطی سے پکڑتا ہے اور کبھی یتیموں کے سروں پر نوازش کے ساتھ پھرتا ہے، ایسی نگاہ جسکی شعاع میں ہستی کے تمام موجودات مجسم ہیں، مختصر یہ کہ وہ ایک ایسا انسان ہے جو پوری کائنات ہے اور پوری کائنات ایک انسان کی صورت میں ہے، یعنی علی ابن ابیطالب جو علم و انصاف، پرہیزگاری، پاکدامنی و آزادی، دانائی و سخنوری، توانائی و زہد و تقویٰ، عفو و بخشش، جاں نثاری، آزادمردی، درگذشت، تعلیم و تربیت اور اصلاح و نجات بخشی کا سرچشمہ ہے۔

یہ شخصیت اور یہ انسان جو صفات خداوندی کا آئینہ ہے، درحقیقت ان اظہارات کے علاوہ جنھیں خدا اور رسول نے ان کی قدر و منزلت کی نشاندہی کے لئے بیان کیا ہے کسی اور معرف کا محتاج نہیں ہے۔

علی علیہ السلام ایک ایسا وجود ہیں جن کی بزرگی وعظمت کے اوصاف بیان کرنا انسان کی قدر سے خارج ہے اور انسان کی محدود فکر آپؑ کی لامتناہی حقیقت کو درک کرنے سے قاصر ہے۔ بقول فردوسی:

''در اندیشه سخته کی گنجد او!''

علی علیہ السلام ایک لامتناہی سمندر ہیں کہ اس کے علم وفضائل کے خزانوں کی گہرائیوں تک پہنچنا کسی پیراک یا غوطہ خور کے بس میں نہیں اور ایسا کوئی پیمانہ ہی نہیں جو ان کی قدر منزلت کا اندازہ لگا سکے۔

اس کے باوجود ہمیں کوشش کرنی چاہئے کہ اس مقدس انسان ـــ جس نے اپنی زندگی کا لمحہ لمحہ انتہائی درخشاں منصوبوں کے پر صرف کیا ہے ـــ کی زندگی کی راہ ورسم کو صحیح طور سے پہچانیں تا کہ وہ، ان کا طریقۂ فکر وعمل ہماری روح میں مجسم ہو جائے اور ہمیں ہمیشہ ان کی پیروی وتقلید پر آمادہ کرے اور ان کے فضائل وکمالات ہمارے اندر بھی فضائل ومحامد کی پیدائش کا سبب بنیں۔

اسی لئے ہم یہاں مختلف ذرائع اور وسائل کے ذریعہ اس سمندر تک پہنچنا چاہتے ہیں۔اور اس حیرت انگیز وجود کو پہچاننے کے لئے دوسروں کی فکری قوت سے مدد لینا چاہتے ہیں تا کہ ان کے روشن افکار کے ذریعہ اس تابناک آفتاب سے بیشتر آشنا ہو سکیں۔ یہاں خصوصی طور پر ہماری توجہ تعلیم یافتہ جوان طبقہ کی طرف ہے جو گونا گون گفتار اور افکار سے سروکار رکھتے ہیں۔

حضرت علی علیہ السلام کے بارے میں مختلف مذاہب ومکاتیب فکر سے تعلق رکھنے والے ماضی وحال کی شخصیات کے یہ اظہارات، ان ہی کے لئے باعث سربلندی وافتخار ہیں کہ ان میں سے ہر ایک نے اپنے امکان کے بقدر اس لامتناہی روح کو پہچاننے کی کوشش کی ہے اور اس لافانی نور کو اپنی بصیرت کی آنکھوں سے دیکھا ہے اور اس آسمانی کرن کا پسندیدہ نگاہ اور حقیقت شناسی سے مشاہدہ کیا ہے، عقل واحساسات کے چراغ سے تاریخ کے تاریک گوشوں میں اس نورانی

انسان کو پانے کے لئے جستجو کی ہے، وہ تاریخ جس نے طرح طرح سے یہ کوشش کی تھی کہ اس روشنی کو کم کر دے اور کالے بادلوں کی اوٹ میں اسے چھپا دے۔

لیکن حقیقت کی حیرت انگیز چمک دمک نے اپنے پھیلاؤ اور اثر و نفوذ کو جاری رکھا اور عظیم اور آزاد انسانوں اور دانشوروں کے بلند افکار کو اپنی طرف کھینچا تا کہ وہ تاریخ کے ظلمات میں انسانیت کو بقا بخشنے والے سرچشمہ فضائل تک رسائی حاصل کر سکیں۔

۱۰۔علیؑ، نامور عالمی شخصیتوں کی نظر میں

۱۔"ابن سینا": طبیب اور اسلامی فلسفی۔

"عَلِيٌّ بَيۡنَ النَّاسِ كَالۡمَعۡقُولِ بَيۡنَ الۡمَحۡسُوسِ"[۱]

"علی علیہ السلام کی مثال انسانوں میں ویسی ہی تھی جیسے محسوس کے درمیان ایک معقول ہے۔"

۲۔"خواجہ نصیر الدین طوسی": عظیم ریاضی دان اور اسلامی فلسفی۔

"علی علیہ السلام تمام لوگوں سے کہیں زیادہ عالم ودانا تھے۔آپؑ زبردست دور اندیشی کے مالک تھے اور ہمیشہ پیغمبرؐ کے ساتھ رہا کرتے تھے۔سب سے زیادہ عفوو بخشش کرنے والے تھے۔پیغمبر اکرمؐ کے بعد لوگوں میں سب سے زیادہ متقی، عابد اور صاحب فضل تھے۔آپؑ کا ایمان سب پر مقدم تھا، آپؑ کا کلام سب سے زیادہ فصیح اور آپکی رائے سب سے قوی تھی۔قرآن مجید کی حفاظت اور اس کے احکام کے نفاذ میں سب سے زیادہ توجہ دیتے تھے۔آپؑ کی دوستی ومحبت واجب ہے اور مقام ومنزلت کے لحاظ سے آپؑ پیغمبروں کے مساوی ہیں۔آپؑ فیاضی

۱۔حاشیہ شفا، الٰہیات کے آخر پر، معراج نامہ تألیف ابن سینا۔

کیا سرچشمہ تھے اسی لئے دانشوروں نے اپنے علم کو آپؑ سے مستند کیا ہے''۔[۱]

۳۔ ''شریف رضی'': اخلاق وانسانیت کا بہترین نمونہ، حافظ ومفسر قرآن، علوی سادات کے سردار اور جامع نہج البلاغہ:

''میں نے جو نہج البلاغہ کو جمع کیا، تو یہ صرف اس مقصد کے پیش نظر تھا کہ کلام و بلاغت میں امیرالمؤمنین کے مقام کو اُجاگر کروں۔ اگر چہ آپؑ بے شمار نیکیوں اور فضیلتوں کے مالک تھے اور ان میں کمال کے آخری درجہ پر فائز تھے اور آپ سے پہلے جن تمام عظیم شخصیتوں نے جو بھی حکمت آمیر باتیں کہی ہیں، آپؑ ان سب سے آگے بڑھ گئے...''[۲]

۴۔ ''خلیل ابن احمد فراھیدی'': علم نحو کا عظیم عالم، علم عروض کا موجد اور لغت لکھنے والوں کا پیش رو:

''اِستِغناؤہ عن الکل و احتیاج الکل الیہ، دلیل علی انّہ امام الکل''

آپؑ کا سب سے بے نیاز ہونا اور سب کا آپ کی طرف نیاز مند ہونا اس امر کی دلیل ہے کہ آپ سب کے امام تھے۔''[۳]

۵۔ ''شیخ بھاءالدین عاملی''، علم وفن کا عظیم عالم اور عالم اسلام کی ایک نادر علمی شخصیت:

''وہ ایسے جوانمرد تھے کہ ان کی عظمت کے بارے میں جو کچھ چاہو کہہ سکتے ہو بس وہ نہ کہو جو عیسائیوں نے حضرت مسیح کے بارے میں کہا۔ وہ، وہی تھے جنھیں پیغمبر اسلامؐ نے خدا کے حکم سے غدیر کے دن لوگوں کی امامت اور قیادت کے لئے مقرر کیا اور اس امر پر تاکید

۱۔ تجریدالاعتقاد، مبحث پنجم (خلاصہ کے ساتھ)

۲۔ نہج البلاغہ کے شروع سے۔

۳۔ تاسیس الشیعہ، ص ۱۵۰

فرمائی۔ وہ معزز ترین مخلوق اور مقدس ترین انسان تھے۔ وہ نسب اور خاندان کے لحاظ سے پاکیزہ ترین فرزند تھے جو خاندان قریش کے دامن میں پلے تھے وہ کشتی نوح کا راز، آتش کلیم کی شعاع اور تخت سلیمان کا بھید تھے''۔[1]

۶۔ ''محمد ابن ادریس'' شافعی مذہب کے امام:

علی حُبّہ جُنہ امام الناسِ والجنۃ
وصّی المصطفیٰ حقاً قسیم النار والجنّۃ[2]

''علی کی دوستی آتش جہنم کی سپر ہے۔ وہ جن وانس کے امام ہیں۔ وہ مصطفیٰؐ کے حقیقی وصّی ہیں اور جہنم وجنت کو تقسیم کرنیوالے ہیں۔''

۷۔ ''احمد ابن حنبل شیبانی'': حنبلی مذہب کے امام ؛

''علی ابن ابیطالب کے جتنے فضائل تھے اور نقل ہوئے ہیں، رسولؐ کے کسی بھی صحابی کے لئے اتنے فضائل نقل نہیں ہوئے ہیں''۔[3]

۸۔ ''زمخشری'': شہرہ آفاق عالم، ادیب، مفسّر تفسیر کشّاف اور مؤلف اساس البلاغہ وغیرہ:

''میں ایک ایسے مرد کے بارے میں کیا کہوں کہ دشمنوں نے کینہ وحسد کی وجہ سے ان کے فضائل سے انکار کیا اور دوستوں نے ڈر کے مارے ان کے فضائل چھپائے۔ پھر بھی اُن کے فضائل اتنے پھیلے ہوئے ہیں کہ مشرق ومغرب کو گھیرے ہوئے ہیں''۔[4]

۹۔ ''ابن ابی الحدید معتزلی''، تاریخ دان اور شارح نہج البلاغہ:

''عالم بالا وفضائے ملکوت وہی تربت پاک ہے جس نے آپؐ کے مقدس بدن کو آغوش میں

۱۔ الغدیر ج ۱۱/ص ۲۴۹۔۲۲۸۔

۲۔ دیوان شافعی، چاپ مصر، ص ۳۲۔

۳۔ الرابعات، ص ۲۸۱، چاپ سوم۔

۴۔ زندگانی امیر المؤمنین ص ۵۔

لیا ہے۔ اگر آپ کے وجود میں آثارِ حدوث واضح نہ ہوتے تو میں یہ کہتا کہ آپؑ جسموں کو روح بخشنے والے اور زندہ موجودات کی جان لینے والے ہیں۔ اگر طبیعی موت آپ کے وجود پر اثر انداز نہ ہوتی تو میں کہتا کہ: آپ سب کو روزی دینے والے ہیں اور آپ ہی کم یا زیادہ جتنا جسے چاہیں بخشنے والے ہیں!

بس میں تو یہی جانتا ہوں کہ اس میں اب کوئی چارہ نہیں کہ آپ کے فرزند مہدی تشریف لائیں اور تمام کائنات پر دین وعدل وانصاف کا پرچم لہرائیں، میں اس دن کی تمنا اور آرزو میں ہوں کہ جب مطلق عدل وانصاف کی حکومت دنیا میں قائم ہوگی...''[۱]

۱۰۔ ''فخر رازی''، باکمال دانشور، تفسیر مفاتیح الغیب کے مصنف اور اشارات ابن سینا کے شارح:

''جو کوئی دین کے معاملے میں علی ابن ابیطالبؑ کو اپنا امام قرار دے، بیشک وہ کامیاب ہے، کیونکہ پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا ہے: ''خداوندا! علیؑ جیسا بھی ہو، حق کو اُس کے وجود کے گرد گھمانا''[۲]

۱۱۔ ''خطیب خوارزمی''، حنفی مسلک کے فقیہ، حافظ اور مشہور خطیب:

''کیا ابوتراب جیسا کوئی اور جوانمرد ہے؟ کیا اُن جیسا مقدس امام روے زمین پر پایا جاتا ہے؟ جب کبھی میری آنکھوں میں درد محسوس ہوتا ہے تو اس کے مرہم کے لئے وہ خاک توتیا بنتی ہے جس پر آپؑ کے قدم مبارک پڑے ہوں۔

علی، وہ ہیں جو راتوں کو محراب عبادت میں روتے اور گریہ وزاری کرتے تھے اور دن کو ہنستے ہوئے میدان کارزار کے گرد وغبار میں گم ہو جاتے تھے۔ اُن کے ہاتھ بیت المال کے درہم ودینار سے خالی تھے۔ وہ وہی بت شکن تھے، جنہوں نے دوش پیامبر قدم رکھے تو گویا تمام لوگ چھلکے کے مانند ہیں اور ہمارے مولا علی مغز وگودہ کے مانند ہیں..[۳]

۱۔ القصائد الشیخ العلوتات، ص ۴۳۔۴۴ (طبع بیروت)

۲۔ فخر رازی، التفسیر الکبیر/ ج ۱ ص ۱۱۱، الغدیر/ ج ۳، ص ۱۷۹۔

۳۔ الغدیر، ج ۴، ص ۳۸۵۔

۱۲۔ ''شیخ محمد عبدہ''، نامور عالم اور مصری فکری تحریک کے ایک علمبردار:

''...جب میں نہج البلاغہ کی چند عبارتوں کا دقت وتوجہ کے ساتھ مطالعہ کر رہا تھا، ایسے مناظر میری نظروں کے سامنے تجسّم ہوتے تھے جو فصاحت وبلاغت کی طاقت کی کامیابی کے زندہ گواہ تھے، جہاں برہانِ حقائق سے دل محزوج ہو جاتے تھے اور سخنوری کا لشکر باطل کو تہس نہس کرنے اور حق کی نصرت کرنے کے لئے ایسے اٹھ کھڑا ہوتا تھا گویا ہر شک اور باطل کو نابود کر کے رکھدیتا تھا۔

اس میدان کارزار کا سورما جس نے اس کامیابی کے پرچم کو لہرایا تھا امیر المؤمنین علی ابن ابیطالبؑ تھے۔

میں جب بھی اس کتاب کے مطالعہ کے دوران ایک فصل سے دوسری فصل تک پہنچتا تھا، تو محسوس کرتا تھا کہ کلام وبیان کے پردے تبدیل ہو رہے ہیں پند اور نصائح کی تربیت گاہ بدلتی جارہی ہے۔ کبھی اپنے آپ کو ایک ایسی دنیا میں پاتا تھا جہاں معانی کی بلند وبالا ارواح عبارتوں کے نورانی وتابناک زیورات سے مزین انھیں آباد کئے ہوئے ہیں۔ یہ بلند مفاہیم ومعانی پاک وپاکیزہ نفوس اور نورانی دلوں کے گرد طواف کرتے ہیں تاکہ ان کو کامیابی کی نوید دیدیں اور انھیں بلند مقاصد تک پہنچادیں اور لغزشوں سے بچا کر فضیلت وکمال کی شاہراہ پر گامزن کردیں۔

اور کبھی یہ پاتا تھا کہ ایک نورانی عقل جو جسم ومادیات سے کسی قسم کی مشابہت نہیں رکھتی، عالم الوہیت جدا ہو کر انسانی روح سے پیوست ہوگئی ہے اور اسے طبیعت کے پردوں سے نکال کر ملکوت اعلی کی فضا میں پہنچا کر تخلیق کی نورانی شعاعوں کے عالم شہود سے ملحق کر رہی ہے''۔[1]

۱۳۔ ''محمد فرید وجدی'': ایک نامور مصری عالم اور دائرۃ المعارف کے مؤلف:

''حضرت علی علیہ السلام کی ذات میں ایسے صفات جمع تھے جو دوسرے خلفاء میں نہیں تھے۔

۱۔ عبدہ، مقدمہ شرح نہج البلاغہ (خلاصہ کے ساتھ)۔

آپؑ اتھاہ علم، بلند شجاعت اور درخشاں فصاحت کے مالک تھے۔ یہ صفات ان کی اخلاقی نیکیوں اور ذاتی شرافتوں کے ساتھ ممزوج ہو چکے تھے۔ ایسی مثالیں انسان کامل کے علاوہ کسی اور میں نہیں پائی جاتی ہیں"۔ [۱]

۱۴۔ "نائل مرصفی"، ادبیات عالی کے ایک مصری پروفیسر:

"خداوند عالم نے نہج البلاغہ کو ایک ایسی واضح دلیل قرار دیا ہے جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ بے شک علی علیہ السلام نور، فلسفہ، علم، رہنمائی اور قرآن کے اعجاز و فصاحت کا ایک زندہ و جاوید نمونہ ہیں۔ علیؑ کی اس کتاب میں اتنے قابل قدر و عاقلانہ اقوال، صحیح سیاست کے قواعد، واضح نصیحتیں اور رسا براہان و دلائل موجود ہیں کہ عظیم حکماء، بے نظیر فلاسفہ اور نامور خداشناس بھی ایسا کام نہیں کر سکے ہیں۔ علی علیہ السلام اس کتاب میں علم، سیاست اور دین کے سمندر میں غوطہ زن ہوئے ہیں اور ان تمام مسائل میں ایک غیر معمولی ممتاز شخصیت کے حامل نظر آتے ہیں۔

اس کتاب کو علمی لحاظ سے پہچاننے کے بعد اگر آپ اس کے ادبی مقام و منزلت کو بھی پہچاننا چاہتے ہیں تو اس سلسلے میں اتنا کہنا کافی ہے کہ یہ بات ایک زبردست قلم کار، بلیغ خطیب اور عظیم شاعر کی قدرت و توانائی سے خارج ہے کہ وہ کما حقہ اس کی توصیف و تعریف بیان کر سکے۔ اور ہم اسی پر اکتفا کرتے ہیں کہ آپؑ کی یہ کتاب تہذیب و تمدن کی زیبائی اور صحرانشینوں کی فطری فصاحت کا سنگھم ہے۔ اور حق ــــ جو ہر زبان میں اپنا مفہوم کھو چکا تھا ــــ کی تنہا منزل مقصود، جسے پانے کے بعد اطمینان و سکون کے ساتھ اس نے اسے اپنا مسکن بنا لیا، آپ ہیؑ کا کلام ہے"۔ [۲]

۱۵۔ "عباس بن محمود عقاد": مصر کی ایک نامور علمی اور سماجی شخصیت:

"انسانی روح کے ہر گوشہ و کنار کا علی ابن ابیطالبؑ کی زندگی سے واسطہ ہے، کیونکہ تاریخ کی تمام

۱۔ دائرۃ المعارف، ج۶ ص۶۵۹۔

۲۔ علامہ شہیر سید ھبۃ الدین شہرستانی، ماھو نھج البلاغہ، ص ۵۔

عظیم شخصیتوں اور بہادروں کی زندگی میں صرف آپؑ کی زندگی ہے جو عالم انسانیت کو ہر پہلو سے اپنے بلیغ کلام کے ذریعہ مخاطب قرار دیتی ہے اور قوی ورترین محبتیں، نصیحت حاصل کرنے کے اسباب اور افکار و اندیشے جو پوری تاریخ بشریت میں ممکن ہے انسانی روح کو شعلہ ور کرسکیں، آپؑ کی حیات کے صفحات میں موجود ہیں.

فرزند ابو طالب کی زندگی مہر ومحبت اور شرف وعظمت سے بھر پور جزبات واحساسات سے سرشار ہے، کیونکہ آپ خود بھی شہید ہیں اور شہیدوں کے باپ بھی ہیں۔علی علیہ السلام اور ان کے فرزندوں کی تاریخ سلسلۂ شہادت اور فتح وکامرانی کے طولانی میدانوں پر مشتمل ہے جو اس کے متلاشیوں کیلئے یکے بعد دیگرے نمایاں ہوتے جاتے ہیں۔کبھی عمر رسیدہ اور مسن افراد کی شکل میں ،جن کے چہروں پر بوڑھاپے کا وقار اور سنجیدگی نمایاں ہے اور بے باک تلواروں نے ان کے جلال میں اضافہ کردیا ہے اور کبھی جوانواں کی شکل میں جن کے ساتھ زمانہ نے جلد بازی کی اور ابھی وہ جوانی کی بہار میں تھے کہ ان کے اور ان کی زندگی کے درمیان حائل ہوگیا اور کبھی ان کے زادراہ اور پانی پر بھی پابندی لگائی گئی اور انہوں نے تشنہ لبی کی حالت میں موت کے گھاٹ پر قدم رکھا اور نزدیک ہے کہ ان کی شہادت کے ساتھ ان کے خون سے طبیعت کے مظاہر لالہ گوں ہوجائیں'' [۱]

۱۶۔''**عبدالفتاح عبدالمقصود**'': اسکندریہ یونیورسٹی کے پروفیسر، مصر کے ایک نامور مصنف اور ۹ جلد پر مشتمل کتاب 'امام علی ابن ابیطالب' کے مؤلف:

''میں ہمیشہ اخلاق، الطاف الٰہی اور شخصیت کو تشکیل دینے والے اوصاف کو کسی انسان کی عظمت کا معیار اور پیمانہ قرار دیتا ہوں اس لحاظ سے میں نے ان پاکیزہ فرزندوں کے سوا حضرت علیؑ جیسا کسی اور کو نہ پایا جو اس قابل ہو کہ حضرت محمدؐ کے بعد قرار پائے۔میں اس کلام میں شیعیت کی طرفداری پر مجبور نہیں ہوا ہوں بلکہ یہ وہ نظریہ ہے کہ تاریخ کے حقائق جس کے گواہ ہیں۔

۱۔عبقریۃ الامام، ص۳۔

امامؑ، وہ افضل ترین مرد ہیں کہ زمانہ اپنی عمر کی آخری سانس تک آن کا ثانی پیدا نہیں کرسکتا۔ آپؑ وہ شخصیت ہیں کہ اگر ہدایت چاہنے والے آپ کی احادیث اور بیانات کی تلاش میں نکلیں تو ہر حدیث سے ان کے لئے ایک شعاع چمکتی نظر آئے گی۔ سچ ہے! آپؑ بشریّت کے سانچے میں ڈھلے ہوئے کمال وفضیلت کے ایک مجسمہ ہیں۔''[۱]

۱۷۔ ''ابو العلاء معرّی'': عرب دنیا کے ایک نامور فلسفی وشاعر:

''زمانے کے دامن میں، دو شہیدوں ـــ علی اور ان کے بیٹے ـــ کے خون کے دو گواہ رہتی دنیا تک باقی رہیں گے: ایک وہ صبح جس نے رات کے آخری لمحات میں مشرق کے تاریک سینہ میں شگاف ڈالدیا ہے اور دوسری وہ سرخ فام شفق جس نے غروب کے وقت مغرب کے افق کو اپنے خون سے رنگین کردیا۔

خون کے یہ دو دھبّے، زمانے کے پیراہن پر ہمیشہ کے لئے باقی ہیں اور قیامت کے دن خداوند رحمان کے حضور پہنچ کر ظلم کے خلاف شکایت کریں گے...''[۲]

۱۸۔ ''شبلی شمیّل'': مشرق کے ایک مشہور عالم اور نظریہ تکامل کے شارح:

''الامام علی بن ابی طالب عظیم العظماء، نسخة مفردة لم یر لها الشرق ولا غرب صورةً طبق الاصل لاقدیماً و لا حدیثا''

''امام علی بن ابی طالبؑ، بزرگوں کے بزرگ اور ایک ایسا منفرد نسخہ ہیں کہ مشرق و مغرب نے ماضی وحال میں کوئی ایسی تصویر نہیں دیکھی جو اس کے مطابق یا مشابہ ہو۔''[۳]

۱۔ تقریظ الغدیر، ج ۶، تقریظ دوم، ص، ذ

۲۔ ابی العلاء، دیوان، از شرح التنویر علی سقط الزند، ص ۹۳ چاپ قاہرہ۔

۳۔ زندگانی امیر المؤمنین، ص ۴، از چاپ سوم، مبداء اعلیٰ ص ۱۶۱۔

۱۹۔ **''جرجی زیدان''**: محنت کش اور با اثر تاریخ دان اور قلم کار و مدیر مجلّہ الھلال، مصر:

''کیا علی، پیغمبرؐ کے چچیرے بھائی، جانشین اور داماد نہ تھے؟

کیا وہ متقی و پرہیزگار عالم اور عادل نہ تھے؟

کیا وہ وہی با اخلاص و باغیرت شخص نہ تھے جن کی شجاعت اور غیرت کی بدولت اسلام و مسلمانوں نے عزّت پائی؟''[1]

۲۰۔ **''تامس کارلایل''**: ایک مشہور انگریزی فلسفی مصنف:

''جہاں تک علیؑ کا تعلق ہے تو اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ ہم اُن سے الفت و محبت کریں کیونکہ وہ ایک بلند پایہ اور عظیم انسان تھے۔ اُن کے سرچشمۂ ضمیر سے نیکی اور مہر و محبت کے سیلاب پھوٹتے تھے۔ اُن کے دل سے بہادری اور شجاعت کے شعلے بھڑکتے تھے۔ وہ غضبناک شیر سے زیادہ شجاع تھے، لیکن ان کی شجاعت مہربانی، محبت، عنایت، کرم اور نرم دلی سے آمیختہ تھی۔

وہ کوفہ میں اچانک فریب اور دھوکہ کے تحت مارے گئے اور انکی شدت عدل و انصاف اس جرم کا باعث بنی کیونکہ وہ ہر ایک کو اپنے جیسا عادل سمجھتے تھے. جب اُن کے قاتل کے بارے میں گفتگو چلی تو آپؑ نے اپنے بیٹوں سے فرمایا: اگر میں زندہ بچ گیا تو خود جانتا ہوں کیا کروں گا اور اگر وفات پا گیا تو یہ امر تمہارے سپرد ہے۔ اگر قصاص لینا چاہو تو، تلوار کی ایک ضربت سے سزا دینا۔ اور اگر بخش دو گے تو یہ بات تقویٰ کے قریب ہے.....''[2]

۲۱۔ **''جبران خلیل جبران''**: ایک مسیحی مفکر و زبردست مصنّف:

''میرے عقیدہ کے مطابق، فرزند ابو طالب عرب دنیا کے وہ پہلے شخص تھے جنھوں نے تمام دنیا کی روح سے رابطہ قائم کیا اور اس کے ساتھ ہم نشیں ہوئے اور راتوں کو اس کے ہمدرد و ہمراز

۱۔ ۱۷، رمضان، ص۱۱۶۔

۲۔ صوت العدالۃ ج ۵ ص ۱۲۲۹۔

بنے۔ وہ پہلے شخص تھے جن کے لبوں نے اس روح کے نغموں کی موسیقی کو ایسے لوگوں کے کانوں تک پہنچایا جو اس سے پہلے ایسے نغمے نہ سن پائے تھے۔

اس بنا پر وہ اُن کے روشن بیانات کی راہوں اور اپنی سابقہ تاریکیوں کے درمیان سرگرداں ہوئے۔ لہذا جو کوئی ان نغموں کا شیدا اور فریفتہ ہوا اسکی فریفتگی مطابق فطرت ہے اور جس نے اُن سے دشمنی مول لی وہ، جاہلیت کی اولاد میں سے ہے۔

علیؑ اپنی عظمت پر قربان ہو کر اس حالت میں اس دنیا سے گئے کہ نماز سے ان کے لبہائے مبارک اور شوق پروردگار سے ان کا دل لبریز تھا۔ عرب دنیا، علیؑ کے حقیقی مقام اور قدر و منزلت کو نہ پہچان سکی۔ لیکن اُن کی ہمسائگی میں فارس کے کچھ لوگ اٹھ کھڑے ہوئے اور انہوں نے موتی اور کنکریوں میں فرق ظاہر کر دیا۔

علیؑ نے ابھی اپنے پیغام کو مکمل طور پوری دنیا تک نہیں پہنچایا تھا کہ ملکوت اعلی کی طرف کوچ کر گئے۔ لیکن میں دیکھ رہا ہوں کہ اس سے قبل کہ وہ اس عالم خاکی سے آنکھ بند کریں، خوشی و مسرت کا تبسّم اُن کے رخ پر نمودار تھا۔

علی کی موت، روشن ضمیر انبیاء کی موت جیسی تھی، وہی انبیاء جو ایک شہر کی طرف مبعوث ہوتے تھے یا ایک ایسے زمانے کے لوگوں میں زندگی بسر کرتے تھے جو ان کے لائق نہ تھے۔ اور بے وطنی و تنہائی سے دچار ہوتے تھے..."[1]

۲۲۔ **"ایلیا پاولویچ پطروشفکی"**: روس کے ایک تاریخ دان اور مشرق شناس اور لینن گراڈ سرکاری یونیورسٹی کے پروفیسر:

"علیؑ محمدؐ کے تربیت یافتہ اور شدّت کے ساتھ آپؐ اور اسلام کے وفادار تھے۔ علیؑ شوق اور عشق کی حد تک دین کے پابند تھے۔ صادق اور سچے تھے۔ اخلاقی امور میں بہت باریک بین تھے۔

۱۔ صوت العدالۃ، ج ۵، ص ۱۲۲۲۔

بہادر بھی تھے اور شاعر بھی اور اولیاء اللہ کے تمام صفات اُن کے وجود میں جمع تھے...''

٢٣۔ **''ڈاکٹر طہٰ حسین''** نامور مصری عالم اور مصنف:

علیؑ بازار سے گذرتے ہوئے لوگوں کو تقوی و پرہیز گاری کی دعوت دیتے تھے۔ قیامت کے دن کی یاد دلاتے تھے اور خرید و فروش کے سلسلے میں اہل بازار پر چوکسی کے ساتھ نظر رکھتے تھے۔ وہ تقویٰ و پرہیز گاری کے سرمایہ سے سرشار تھے، جب کسی چیز کو اپنے لئے خریدنا چاہتے تھے تو بازار میں اتنا گھومتے پھرتے تھے تاکہ کسی ایسے شخص کو دریافت کرلیں جو انھیں پہچانتا نہ ہو۔ اسلئے کہ وہ یہ پسند نہیں کرتے تھے کہ دوکاندار انھیں پہچان لے اور اُن کے حق میں کسی قسم کی رعایت کرے۔

علیؑ اپنے لئے خوش نہیں ہوتے تھے بلکہ ان پر خوشی اس وقت طاری ہوتی تھی جب وہ سماج اور لوگوں کا حق ادا کر دیتے تھے، یعنی لوگوں کے لئے نماز ادا کرتے، اپنی رفتار و گفتار سے لوگوں کی تربیت کرتے اور راتوں کی تاریکی میں فقیروں اور محتاجوں کو کھانا پہنچاتے اور حاجتمندوں کی حاجت روائی کرتے تھے۔ یہ سب فرائض انجام دینے کے بعد راتوں کو اپنے پروردگار سے خلوت میں راز و نیاز کرتے تھے، نماز پڑھتے تھے، قیام کی حالت میں عبادت کرتے تھے۔ تھوڑی دیر سونے کے بعد سحر کے وقت اٹھ کر پھر سے مسجد کی طرف روانہ ہوتے تھے اور لوگوں کو نماز کیلئے بلاتے تھے۔

علیؑ شب و روز کے دوران ایک لحہ کے لئے بھی خدا کو فراموش نہیں کرتے تھے۔ تنہائی میں یا لوگوں کے درمیان ان کے مسائل کو حل کرتے ہوئے بھی خدا کو ہمیشہ یاد کیا کرتے تھے۔ وہ لوگوں کو بہت زیادہ آمادہ کرتے تھے کہ دینی امور کے بارے میں ان سے سوال کریں۔

علیؑ لوگوں کو اپنے کردار و اخلاق سے موعظہ کرتے تھے۔ سچ ہے، وہ اُن کے امام بھی تھے اور معلّم بھی...''[1]

١۔ علی و نبوہ، ص ١٥٨۔١٥٩، طبع مصر

۲۴۔ "میخائیل نعیمہ" ایک عرب عیسائی اور نامور ادیب و مصنف:

"علیؑ ہر زمان و مکان میں روح وفکر و بیان کی سر بفلک چوٹیوں میں سے ہیں۔..."[1]

بزرگوں کی زندگی، ہمارے لئے حقیقت یابی، نصیحت، ایمان اور اُمید کا ایک ایسا سرچشمہ ہے جس کا بہاؤ کبھی کم نہیں ہوتا۔ بزرگ ہستیاں بلند و بالا چوٹیوں کے مانند ہیں کہ ہم ان کی طرف شوق و حسرت سے نگاہ اٹھاتے ہیں تاکہ ان کی بلندی کے دور ترین نقطہ کو دیکھ سکیں اور وہ ایسی روشن مشعل ہیں کہ زندگی کی تاریکیوں کو ہمارے راستے اور نگاہوں سے ہٹاتے ہیں۔ یہ وہی عظیم شخصیتیں ہیں جو امید واطمینان کو ہماری زندگی کے مقاصد میں سعادتمندی کے ساتھ تازگی اور قوت بخشتے ہیں۔ اور اگر وہ نہ ہوتے تو ہم نامشخص اور مجہول مستقبل سے دوچار ہو کر یاس و نا اُمیدی میں غرق ہو جاتے اور زمانے کی مدد سے شکست کا سفید جھنڈا لہراتے اور موت سے کہتے: "اے موت! ہم تیرے اسیر اور بندے ہیں، پس ہمارے ساتھ جو چاہے کر!"

لیکن ہم نے نا اُمیدی کے سامنے ہرگز ہتھیار نہیں ڈالے اور ہرگز ایسا نہیں کریں گے کیونکہ کامیابی اور نصرت ہمارے ساتھ ہے، اس امر کے گواہ وہی لوگ ہیں جو ہم میں سے فاتح و کامیاب ہوئے ہیں اور فرزند ابو طالب انہی میں سے ہیں۔ یہ لوگ ہمیشہ ہمارے ساتھ ہیں اگرچہ زمان و مکان کے دور دراز فاصلے بھی ہمارے اور ان کے درمیان ہوں کیونکہ نہ زمان ان کی آواز کو ہمارے کانوں سے دور رکھ سکتا ہے اور نہ مکان ان کی صورتوں کو ہمارے ذہنوں سے محو کر سکتا ہے۔"[2]

۲۵۔ "نرسیسیان" ایک مسیحی عالم دین اور بغداد میں سفارت برطانیہ کے فسٹ سیکریٹری:

"اگر یہ عظیم خطیب (علیؑ) آج ہمارے زمانے میں مسجد کوفہ کے منبر پر قدم رکھتے، تو

۱۔ صوت العدالہ، ج ۵، ص ۱۲۲۴۔

۲۔ صوت العدالہ، ج ۲۱ طبع بیروت مطبعۃ الجہاد

دیکھتے کہ مسجد کوفہ اپنی وسعت کے ساتھ یورپی لوگوں سے کچھا کھچ بھر جاتی، یورپی لوگ آتے اور اس علم و دانش کے اتھاسمندر سے اپنی روحوں کو سیراب کرتے''۔[۱]

۲۶۔ ''امین نخلہ'' لبنان کے معروف مسیحی عالم و فاضل:

''تم نے مجھ سے تقاضا کیا کہ عربی کے عالی ترین صاحب بلاغت شخصیت ابوالحسن کے پُر بلاغت کلمات میں سے سو کلمات کا انتخاب کروں...

میں گیا اور نہج البلاغہ کی مسلسل ورق گردانی کرتا رہا، لیکن خدا کی قسم مجھے سمجھ نہیں آتا تھا کہ سیکڑوں کلمات میں سے ایک سو کلمہ کا بلکہ ان کلمات میں سے کسی ایک کلمہ کا کیسے انتخاب کروں، فقط یہ ممکن تھا کہ یاقوت کے یکساں دانوں میں سے ان ہی جیسا ایک دانہ اٹھالوں اور میں نے یہی کام کیا، جب میں اپنا ہاتھ یاقوت کے دانوں پر پھیر رہا تھا، میری آنکھیں ان کی چمک کی گہرائی پر جمی ہوئی تھیں۔ اس انتخاب میں جس حیرت اور تعجب سے میں دوچار ہوا تھا، اس کے پیش نظر یہ تصور نہیں کر پا رہا تھا کہ اس مرکز بلاغت سے اپنے آپ کو باہر لا سکوں گا۔

بہر حال، ان ایک سو کلمات کو لے لیا اور یاد رکھو کہ یہ مرکز نور کی چند شعاعیں اور شگوفوں سے بھری ٹہنی کی چند کلیاں ہیں....

بلاشبہ، ادبیات عرب اور ان لوگوں کے لئے جو اس سے آشنا ہیں نہج البلاغہ میں سو کلمات سے کہیں زیادہ نعمت الٰہی موجود ہے...''[۲]

۲۷۔ ''بولس سلامہ'':

''وہ راتیں جب میں بیدار تھا، اور انھیں درد و الم کے ساتھ بسر کرتا تھا۔ افکار و تصورات نے مجھے گذرے ہوئے زمانے کی طرف کھینچ لیا، مجھے عظیم المرتب شہید امام علیؑ اور اس کے بعد امام حسینؑ کی

۱۔ ماھو نہج البلاغہ؟ ص۳۔

۲۔ ما ھو نہج البلاغہ؟ ص۴

یاد آئی۔ میں بہت دیر تک روتا رہا پھر میں نے علیؑ اور حسینؑ پر اشعار لکھے.....[1]

ہاں میں عیسائی ضرور ہوں، لیکن میری آنکھیں کھلی ہیں اور تنگ نظر نہیں ہوں۔ میں ایک عیسائی ہوں اور ایک عظیم شخصیت کے بارے میں باتیں کر رہا ہوں کہ مسلمان ان کے بارے میں کہتے ہیں: خدا ان سے راضی ہے، پاکی اور صفا ان کے ساتھ ہے شائد خدا بھی اُس کا احترام کرتا ہے.

عیسائی اپنے اجتماعات میں اُن کے بارے میں گفتگو کرتے ہیں اور ان کی تعلیمات سے استفادہ کرتے ہیں اور ان کی دینداری کی پیروی کرتے ہیں۔ خدا پرست کوشش کرتے ہیں کہ ان کی طرح ایک خدا کی پرستش کریں اور ان کی راہ پر قدم بہ قدم چلیں تا کہ نفس کشی اور ریاضت کے اس مقام تک پہنچیں، جہاں تک وہ پہنچے ہیں۔ علیؑ ایک ایسے مقام پر فائز ہوئے ہیں کہ ایک دانش ور اُنھیں آسمان علم و ادب کے چمکتے ہوئے ستارہ کی صورت میں دیکھتا ہے اور ایک باکمال مصنف و قلمکار اُن کے طریقہ نگارش کی پیروی کرتا ہے اور ایک فقیہ ہمیشہ اُن کے آراء و نظریات پر انحصار کرتا ہے۔

تاریخ کے آئینہ میں پاک و منزہ اور نفس کُش افراد بخوبی نظر آتے ہیں، علیؑ کو ان سب میں عالی ترین مقام پر پہچانا جا سکتا ہے۔ علیؑ اپنے فیصلوں میں کسی قسم کے امتیاز اور استثناء کے قائل نہیں تھے اور مساوی صورت میں جو کچھ لوگوں کو دینا چاہئے تھا، دیتے تھے اور مالک اور غلام میں فرق نہیں کرتے تھے۔

وہ یتیموں اور فقرا کی رقت بار حالت سے اس قدر متاثر و غمگین ہوتے تھے کہ ان کی حالت

۱۔ جن اشعار کی طرف یہاں اشارہ ہوا ہے، عرب کی مذہبی ادبیات میں ایک شاہکار ہے اور یہ ۳۷ مدحت اور ۲۳۰ ابیات پر مشتمل ہے۔ ان اشعار نے زبان عرب اور عالم اسلام میں تہلکہ مچایا ہے اور عرب دانشوروں کی طرف سے مورد تحسین و تقریظ قرار پائے ہیں..... کتاب ''امام علی مجاہد بزرگ'' ص ۵۶۔۶۳ ملاحظہ ہو۔

وحشتناک ہوجاتی تھی۔ وہ اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کرتے تھے کہ لوگ زندگی کی ظاہری رنگینیوں کے شیدائی ہیں .وہ اپنی آنکھوں سے دیکھتے تھے کہ لوگ دنیاوی سراب کے پیچھے دوڑتے ہیں۔اس حقیقت کا مشاہدہ کررہے تھے کہ دنیا جس چیز کی فکر میں ہے وہ سراب کے علاوہ کچھ نہیں اور لوگ دنیا کے دکھ درد کو شعر کی ہماہنگی کی مانند محسوس کررہے ہیں۔

بہت کم ایسے لوگ ہیں جو حقیقت و معنویت کی روح کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور بہت سے لوگ ہمیشہ مادیات کے پیچھے بھاگتے جاتے ہیں۔(حضرت علیؑ کی شہادت کی تشریح کے بعد شاعر اس زیبا بیان کے ساتھ ماتم کرتا ہے:)

"ای دامادِ پیغمبر تیری شخصیت ستاروں سے بلند تر ہے۔یہ نور کی خاصیت ہے کہ پاک و منزہ باقی رہتا ہے. گرد و غبار اس کو داغدار اور کثیف نہیں بنا سکتے۔جو شخصیت کی حیثیت سے ثروتمند ہو وہ ہرگز فقر نہیں ہوسکتا۔اس کی نجابت و شرافت دوسروں کے غموں کے ساتھ عالی تر اور باعظمت ہوگئی ہے۔ دینداری و ایمان کی راہ میں شہید ہونے والا مسکراہٹ اور رضامندی کے ساتھ درد و مشقت کو قبول کرتا ہے۔اے ادب و سخن کے استاد تیری گفتار کا طریقہ کار ایک سمندر کے مانند ہے کہ اسکی بے پناہ وسعتوں میں ارواح آپس میں ملتی ہیں اور ایک دوسرے سے ملحق ہوتی ہیں.....[1]"

۱۔ داستان غدیر، انتشارات آفاق، ص ۲۴۱ سے

۲۸۔ محمد حسین شہریار؛ ایران کے نامور شاعرِ معاصر:

علی آن شیر خدا شاه عرب　　الفتی داشت بااین دل شب
شب زاسرار علی آگاه است　　دل شب محرم سرّالله است
شب شنفته است مناجات علی　　جو شش چشمهٔ عشق ازلی
شاه رادیده به نوشینی خواب　　روی بر سینهٔ دیوار خراب
قلعه بانی که به قصر افلاك　　سر دهد نالهٔ زندانی خاك
اشکباری که چو شمع بیزار　　می فشاند زر و می گرید زار
در د مندی که چو لب بگشاید　　درو دیوار به زنهار آید
کلماتی چو درّ ، آویزهٔ گوش　　مسجد کوفه هنوزش مدهوش
فجر تا سینهٔ آفاق شکافت　　چشم بیدار علی خفته نیافت
روزه داری که به مهر اسحار　　بشکند نان جوین افطار
ناشناسی که به تاریکی شب　　می برد شام یتیمان عرب
پادشاهی که به شب برقع پوش　　می کشد بار گدایان بر دوش
شاهبازی که به بال و پر راز　　می کند در ابدیت پرواز
آن دم صبح قیامت تاثیر　　حلقهٔ در شد از او دامنگیر [1]

۱۔ دیوان شہریار۔ ج ۳۔ ص ۱۵۔

۱۱۔ابن ابی الحدید کے حیرت انگیز اعترافات.

جہاں تک علی علیہ السلام کے فضائل کا تعلق ہے، تو وہ اپنی عظمت اور شان و شوکت، پھیلاؤ اور شہرت کے لحاظ سے اس مقام تک پہنچے ہوئے ہیں کہ اس سلسلے میں مزید کچھ کہنا اور تفصیلات بیان کرنا کسی خاص اہمیت اور جاذبیت کا حامل نہیں ہے اور یہ ابی العیناء کی بات کے مانند ہے جو اس نے متوکل اور معتمد کے وزیر عبیداللہ ابن یحییٰ بن خاقان سے کہی تھی:

''آپ کے فضل و کرم کی تعریف و توصیف میں ایسا محسوس کر رہا ہوں کہ ایک آدمی آفتاب کی روشنی اور چاند کی درخشندگی کی خبر دیتا ہے جو کسی دیکھنے والے کی نظر سے پوشیدہ و پنہاں نہیں ہے۔

پس مجھے یقین ہوا کہ آپ کے اوصاف بیان کرنے سے عاجز اور اپنے مقصد و مراد تک پہنچنے میں ناکام ہوں۔

لہٰذا بجائے اس کے آپ پر درود بھیجوں، آپ کے لئے دعا کرتا ہوں اور آپ کی توصیف بیان کرنے کو اس امر پر چھوڑتا ہوں کہ آپ کے بارے میں لوگ کیا کہتے ہیں۔''

میں ایسے شخص کے بارے میں کیا کہوں جس کے دشمن اور بدخواہ رقیبوں نے بھی اُس کے فضل و کرم کا اعتراف کیا ہے اور اس کے مناقب کے انکار کی طاقت اور فضائل کو چھپانے کی

قدرت نہیں رکھتے تھے۔

اس میں کسی قسم کا شک وشبہ نہیں کہ بنی امیہ نے عالم اسلام کے شرق وغرب پر اپنی پادشاہی اور حکومت کا سکہ جمایا تھا اور ہر ممکن چال بازی اور حیلوں سے آپؑ کے نور کو بجھانے کی کوشش کی تھی اور اس نور کو بجھا دینے کے لئے لوگوں کو لالچ اور رغبت دلاتے تھے۔

آپؑ کیلئے عیب اور برائیاں گھڑتے تھے۔ تمام منبروں سے آپؑ پر لعن کرتے تھے اور آپؑ کی تعریف کرنے والوں کو ڈراتے دھمکاتے تھے بلکہ جیل بھیجتے یا قتل کر دیتے تھے اور ہر ایسی روایت کو نقل کرنے سے منع کرتے تھے جو آپؑ کی فضیلت پر مشتمل ہوتی یا آپؑ کی عظمت بیان کرتی تھی لوگوں کو آپؑ کا نام رکھنے سے بھی منع کرتے تھے۔

ان معاندانہ اقدامات کا بجز اس کے کوئی اثر نہ ہوا کہ آپؑ کے مرتبہ، مقام ومنزلت، سرفرازی اور شہرت میں روز افزوں اضافہ ہوتا گیا۔

یہ فضائل حقیقت میں مشک کے مانند ہیں کہ جس قدر اسے چھپانے اور پوشیدہ رکھنے کی کوشش کی جاتی ہے، اس کی خوشبو زیادہ سے زیادہ پھیلتی ہے اور آفتاب کی طرح تند ہواؤں سے نہیں چھپتی اور دن کی روشنی کی طرح کہ اگر ایک آنکھ اسے دیکھنے سے محجوب رہے تو دوسری بے شمار آنکھیں اسے دیکھتی ہیں۔

میں ایسے انسان کے بارے میں کیا کہوں کہ تمام فضائل اسی سے منصوب ہیں اور ہر فرقہ اسی پر منتہی ہے اور ہر طائفہ اور قبیلہ اسی میں مسحور اور فانی ہو چکا ہے۔ وہ امام، منبع، تمام فضائل کا مجموعہ، بے نظیر اور کمالات کے مقابلوں کا فاتح ہے۔

جس کسی نے فضائل میں غیر معمولی مرتبہ وشائستگی پائی ہے، اسے آپؑ ہی سے یہ فضیلت حاصل ہوئی ہے اور اس نے آپ کے ہی طریقہ کار کو اپنایا ہے۔

سب جانتے ہیں کہ تمام علوم میں شریف ترین علم ''علم الٰہی'' ہے، کیونکہ ہر علم کی شرافت

اس علم کے موضوع کی فضیلت پر منحصر ہے اور علم الٰہی کا موضوع، یعنی ذات حضرت احدیت تمام موجودات سے اشرف ہے۔ اور تمام علم الٰہی کلام علی علیہ السلام سے اخذ ہوا ہے، انہی سے شروع ہوتا اور ان ہی پر منتہی ہوتا ہے۔ کیونکہ معتزلہ ––– جو اہل توحید وعدل اور صاحب نظر ہیں اور دوسروں نے ان سے یہ علم اخذ کیا ہے ––– آپ کے شاگرد واصحاب ہیں، کیونکہ ان کا امام واصل بن عطاء ہے جو ابو ہاشم عبداللہ بن محمد حنفیہ کے شاگرد تھے اور وہ اپنے والد علی ابن ابی طالبؑ کے تربیت یافتہ تھے۔

اسی طرح اشاعرہ، جو ابوالحسن اشعری سے منسوب ہیں اور وہ ابو علی جبائی کے شاگرد تھے جو مشائخ معتزلہ میں سے تھے، پس اس طرح اشاعرہ بھی بالاخر حضرت علی علیہ السلام پر منتہی ہوتے ہیں.

اب رہے امامیہ اور زیدیہ تو، ان کا حضرت علی علیہ السلام سے منسوب ہونا واضح ہے اور مزید وضاحت وبیان کی ضرورت ہی نہیں۔

علم فقہ کے بارے میں یہ واضح ہے کہ علیؑ اس کی اصل وبنیاد ہیں اور ہر فقیہ اس امر میں جو کچھ کمال رکھتا ہے اس نے یہ علی علیہ السلام سے حاصل کیا ہوا ہے۔

اصحاب ابوحنفیہ، مثل ابو یوسف ومحمد وغیرہ نے بھی سب کچھ ابوحنیفہ سے لیا ہے۔

اسی طرح شافعی نے محمد ابن حسن سے درس پڑھا ہے جو فقہ میں ابوحنیفہ کے شاگرد تھے۔ اور احمد ابن حنبل نے بھی شافعی سے درس پڑھا ہے جس کا سلسلہ ابوحنیفہ تک پہنچتا ہے۔ لہذا یہ سب ابوحنیفہ پر منتہی ہوتے ہیں۔

اور خود ابوحنیفہ نے حضرت جعفر ابن محمد علیہما السلام کی شاگردی کی ہے اور حضرت صادق علیہ السلام نے اس علم کو اپنے باپ سے اور اسی طرح سلسلہ وار حضرت علی علیہ السلام سے حاصل کیا ہے۔

اسی طرح مالک بن انس نے ربیعہ سے درس پڑھا ہے جو اکرمہ کے شاگرد تھے اور اکرمہ عبداللہ بن عباس کے شاگرد تھے اور ابن عباس حضرت علی علیہ السلام کے شاگرد تھے۔

اس بنا پر مذاہب اربعہ کے اماموں کی فقہ حضرت علی علیہ السلام پر منتہی ہوتی ہے۔

شیعوں کی فقہ کا حضرت علیؑ سے منسوب ہونا واضح ہے اور صحابہ کے فقہا دو شخص، عمر بن خطاب اور ابن عباس تھے اور ان دونوں نے فقہ کو حضرت علیؑ سے حاصل کیا ہے۔ ابن عباس کا حضرت علیؑ سے فقہ کا حاصل کرنا واضح ہے۔ لیکن حضرت عمر کے بارے میں سب جانتے ہیں کہ جب کبھی وہ مشکلات اور مسائل سے دوچار ہوتے تھے، حضرت علیؑ کی طرف رجوع کرتے تھے اور مکرر کہتے تھے۔ "لو لا علی لهلک عمر" "اگر علیؑ نہ ہوتے تو عمر ہلاک ہو جاتا"۔ اس کے علاوہ کہتے تھے:

لا بقیت لمعضلة لیس لها ابو الحسن

ابوالحسن کے ذریعہ ہر قسم کی مشکل حل ہو جاتی ہے۔

اسی طرح عمر نے صراحت کے ساتھ کہا ہے: "جب علیؑ مسجد میں موجود ہوں تو کسی کو فتویٰ دینے کا حق نہیں ہے۔" اس طرح فقہ کا حضرت علیؑ سے منصوب ہونا واضح ہو جاتا ہے۔

اور بے شک شیعہ و سنی دونوں نے رسولؐ خدا سے یہ روایت نقل کی ہے کہ آپؐ نے فرمایا: "اقضاکم علی" تمہارے درمیان بہترین قضاوت کرنیوالا (فیصلہ و فتویٰ دینے والا) علیؑ ہیں۔ "قضاوت کرنا" بذات خود "فقہ" ہے۔ اس کے علاوہ سبھوں نے روایت کی ہے کہ پیغمبر اسلامؐ نے جب علیؑ کو قاضی بنا کر یمن کی طرف روانہ کیا تو فرمایا: "اے خدا اس کے دل کو ہدایت فرما اور اسکی زبان کو مستحکم اور ثابت قرار دے۔"

حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا: (پیغمبر اسلامؐ کی) اس دعا کے بعد کبھی میں نے دو آمیوں کے درمیان فیصلہ کرنے میں شک نہ کیا۔

علیؑ، وہ تھے جنہوں نے ایک ایسی عورت کے بارے میں فتویٰ دیا، جس نے چھ ماھہ بچے کو جنم دیا تھا۔

علیؑ، وہ تھے جنہوں نے ایک ایسی عورت کے بارے میں فتویٰ دیا، جو زنا کے ذریعہ حاملہ ہوئی تھی۔

علیؑ، وہ تھے جنھوں نے مسئلہ منبریہ میں فرمایا: اس عورت کا آٹھواں حصہ ۹/۱ ہوتا ہے۔

کہ اگر ارث کے اقسام و فرائض سے آگاہ کوئی شخص ایک طولانی غور و فکر کے بعد بھی یہ جواب دیتا تو بیشک اس کی ستائش کی جاتی، پس اُس شخص کے بارے میں کیا کہا جا سکتا ہے جو کسی تاخیر و روکاوٹ کے بغیر فوراً ایسے مسئلے کا جواب دیں؟

اس کے علاوہ دوسرے علوم میں ''علم تفسیر ہے'' کہ اس علم کا سرچشمہ بھی حضرت علی علیہ السلام ہیں، چونکہ تفسیر کی کتابوں کا مطالعہ کرنے کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ تفسیر کے سلسلے میں اغلب روایتیں آپؑ اور ابن عباس سے نقل کی گئی ہیں۔ اور ابن عباس کے حالات اور اُن کا حضرت علیؑ کا شاگرد ہونا کسی سے پوشیدہ نہیں۔

ایک دن ابن عباس سے پوچھا گیا کہ آپ کے علم کو آپ کے چچازاد بھائی علیؑ سے کیا نسبت ہے؟ انہوں نے جواب میں کہا:

''میرا علم ان کے علم کے مقابل گویا ایک وسیع سمندر کے مقابلے میں بارش کے ایک قطرہ کے مانند ہے۔''

علم ''طریقت و حقیقت'' اس سلسلے میں بھی تمام اہل سلوک، مانند شبلی، جنید، سرّی، ابوزید بسطامی، کرخی اور دیگر لوگ اپنے مسلک کو آپؑ سے منسوب کرتے ہیں۔

''علم نحو اور عربی ادب''، یہ بات کسی سے پوشیدہ نہیں کہ امام علی علیہ السلام نے ابوالاسود دئلی کو اس علم کے اصول پڑھائے ہیں اور آپؑ اس علم کے موجد تھے۔''

اس کے بعد ابن ابی الحدید معتزلی حضرتؑ کے فضائل اور اخلاقیات کے بارے میں یوں بیان

کرتے ہیں:

''آپؑ اخلاقی خصوصیات اور فضائل کا منبع اور مخزن تھے، شجاعت و دلیری کے اعتبار سے آپؑ نے گذشتہ تمام پہلوانوں کو تحت الشعاع میں ڈال دیا اور ان کی نام آوری و شہرت کو فراموشی کے سپرد کر دیا اور آپؑ کے جنگی کارنامے لوگوں کے لئے قیامت تک ضرب المثل بن چکے ہیں۔ آپؑ نے کبھی فرار نہیں کیا اور دشمن سے کبھی نہیں ڈرتے تھے۔ آپؑ نے کبھی ایسی ضرب نہ لگائی کہ دوسری کی بھی ضرورت پڑے۔

حدیث میں آیا ہے کہ حضرت علیؑ کی ضرب منفرد ہوا کرتی تھی۔ جب آپؑ نے معاویہ کو تن بہ تن جنگ کی دعوت دی تاکہ دو میں سے ایک کا کام تمام ہونے کے بعد لوگ آرام کا سانس لیں، تو عمرو عاص نے کہا: یہی انصاف کا تقاضا ہے۔ معاویہ نے جواب میں کہا: تم نے میرے ساتھ صلاح مشورہ میں آج تک کبھی غدّاری نہیں کی تھی، لیکن آج اس کے مرتکب ہو رہے ہو۔ کیا مجھے ابوالحسن سے لڑنے کے لئے میدان جنگ بھیج رہے ہو؟ جب کہ تم بخوبی جانتے ہو کہ شجاعت میں کوئی علیؑ کا ثانی نہیں ہے۔ عرب کے پہلوان جنگ میں علیؑ کے مقابل ہونے پر فخر کرتے تھے حتیٰ علیؑ کے ذریعہ جنگ میں قتل ہونے والوں کے رشتہ دار اس بات پر فخر کرتے تھے کہ قتل ہونے والا علیؑ کے ہاتھوں قتل ہوا ہے۔ مثلاً عمرو بن عبدود کی بہن۔

ایک دن معاویہ نیند سے بیدار ہوا، اس نے عبداللہ ابن زبیر کو دیکھا کہ وہ اس کے پیروں کی طرف تخت پر بیٹھا ہے، یہ دیکھتے ہی وہ اٹھ کر بیٹھ گیا۔

عبداللہ نے مذاق کی حالت میں معاویہ سے کہا: ''اے امیر المؤمنین اگر میں چاہتا! تو تمہیں قتل کر سکتا تھا''

معاویہ نے کہا: ''ہمارے بعد سورما بن گئے ہو، اے ابا بکر (عبداللہ بن زبیر کی کنیت)؟''

عبداللہ نے کہا: ''میری بہادری کے بارے میں کون سی چیز انکار کا باعث بنی ہے جب کہ

میں وہ شخص ہوں جس نے میدان جنگ میں علی ابن ابیطالب سے مقابلہ کیا ہے؟''

معاویہ نے کہا: ''اس میں کیا شک ہے! وہ (علیؑ) تجھے اور تیرے باپ کو ایک ساتھ بائیں ہاتھ سے موت کے گھاٹ اتار سکتے تھے جب کہ ان کا دایاں ہاتھ کسی اور کو قتل کرنے کیلئے فارغ ہوتا!!''

مختصر یہ کہ دنیا کی ہر شجاعت علیؑ پر تمام ہوتی ہے اور دنیا کا ہر پہلوان صرف علیؑ کا نام لیتا ہے علی علیہ السلام کی طاقت اور قوت بازو لوگوں میں ضرب المثل بن گئی ہے۔

آپؑ وہ تھے جنہوں نے خیبر کے دروازے کو اکیلے اکھاڑ کر ہاتھ پر بلند کیا جبکہ پہلوانوں کی ایک جماعت اسے صرف ایک طرف سے دوسری طرف پلٹنا چاہتی لیکن وہ ایسا نہیں کر سکے۔

آپؑ وہ تھے جنہوں نے ہبل نامی بت کو۔ جو بہت بڑا تھا۔ کعبہ کے اوپر والے حصے سے اکھاڑ کر نیچے پھینک دیا۔

آپؑ وہ تھے جنہوں نے اپنی خلافت کے دوران اپنے ہاتھوں سے ایک بڑے پتھر کو اپنی جگہ سے ہٹا دیا اور اس کے نیچے سے پانی کا چشمہ ابلا، جبکہ پورا لشکر اس پتھر کو اپنی جگہ سے اکھاڑنے سے عاجز تھا۔

علی علیہ السلام کی ''سخاوت و فیاضی' محتاج بیان نہیں۔ آپؑ روزہ رکھتے تھے اور بھوک سے تڑپتے تھے اس کے باوجود اپنا کھانا اوروں کو دیدیتے تھے، اسی لئے آیہ ﴿وَيُطْعِمُونَ الطَّعَامَ عَلٰى حبه...﴾[1] آپؑ کی شأن میں نازل ہوئی۔

مفسرین نے روایت کی ہے کہ آپؑ کے پاس چار درہم تھے، ایک کو شب میں دوسرے کو دن میں تیسرے کو مخفی طور سے چوتھے درہم کو علانیہ راہ خدا میں خرچ کیا تو آیہ ﴿الذین ینفقون اموالھم باللیل و النّھار سرًا و علانیۃ﴾[2] آپؑ کے بارے میں نازل ہوئی۔

۱۔ سورۂ انسان آیت ۸۔

۲۔ سورہ بقرہ/۲۷۴۔

روایت ہے کہ آپؑ مدینہ کے یہودیوں کے کھجور کے باغات کی آبیاری کرتے تھے۔ آپؑ کے ہاتھوں میں آبلے پڑ جاتے تھے اور اس محنت و مزدوری سے کمایا ہوا پیسہ بھی آپ راہ خدا میں بطور صدقہ خرچ کر دیتے تھے۔

معاویہ، جو ہمیشہ حضرت علیؑ کے کسی عیب کی تلاش میں رہا کرتا تھا، جب ''محفن ضبی'' اس کے پاس آیا تو اس سے پوچھا: کہاں سے آ رہے ہو؟ اس نے جواب میں کہا: میں بخیل ترین شخص یعنی علیؑ کے پاس سے آ رہا ہوں۔!

تو معاویہ نے کہا: ''وائے ہو تجھ پر! ایسا کیوں کہتا ہے؟ اگر علیؑ کے پاس ایک سونے سے بھرا ہوا گھر اور دوسرا گھاس پھوس سے بھرا ہوا گھر ہوتا تو وہ پہلے سونے کے گھر کو راہ خدا میں بخش دیتے۔''

علیؑ وہ ہیں جو بیت المال کو جھاڑو دیکر وہاں نماز ادا کرتے تھے اور وہ وہی شخص ہیں جو دنیا کو یوں خطاب فرماتے تھے: ''اے دنیا کے درہم و دینار! جاؤ، میرے علاوہ کسی اور کو فریب دو۔''

علیؑ، وہ ہیں جنہوں نے کوئی وراثت نہ چھوڑی، باوجودیکہ تمام دنیائے اسلام شام کے علاوہ۔ آپ کے ہاتھ میں اور اختیار میں تھی۔

علیؑ کا حلم و بردباری

آپؑ سب سے زیادہ بردبار تھے اور دوسروں کی بنسبت جلدی ہی لوگوں کی خطا ولغزشوں سے چشم پوشی کرتے تھے۔ جنگ جمل میں جب آپ نے مروان بن حکم پر غلبہ پایا تو آپؑ کے جانی دشمن ہونے کے باوجود اسے معاف کر دیا۔

''عبداللہ ابن زبیر'' کھلم کھلا علیؑ کو برا بھلا کہتا تھا اور شہر بصرہ میں خطبے کے دوران آپؑ کی

تو ہین کی تھی، لیکن علیؑ نے کئی بار یہ کہا: ''زبیر ہمیشہ ہم اہل بیتؑ کے ساتھ تھے۔'' عبداللہ بڑا ہوا اور جنگ جمل میں علیؑ کے سپاہیوں کے ہاتھوں قیدی بنا۔ اسے آپؑ کے پاس لایا گیا، علیؑ نے اسے بخش دیا اور فرمایا: ''چلے جاؤ اور اب دوبارہ میں تمہیں نہ دیکھوں!''

اس کے علاوہ اُسے اور کچھ نہ کہا۔

کسی سے پوشیدہ نہیں کہ عائشہ نے آپؑ کے ساتھ کیا برتاؤ کیا؟ اس کے باوجود جب علی علیہ السلام نے جنگ جمل میں ان پر غلبہ پایا، تو ان کو احترام کے ساتھ عبدالقیس کی بیس ۲۰ عورتوں کے ساتھ۔۔جو مردانہ لباس میں تھیں۔۔مدینہ روانہ کیا۔ عائشہ نے راستے میں علیؑ کے خلاف شکوہ و شکایت کی کہ انہوں نے کیوں حرم پیامبرؐ کو مردوں کے ساتھ مدینہ روانہ کیا ہے؟

لیکن جب وہ مدینہ پہنچیں تو اُن عورتوں نے اپنے مردانہ لباس اور تلواریں اتار دیں اس طرح معلوم ہوا کہ سب کی سب عورتیں تھیں۔

جنگ صفین میں معاویہ کی فوج نے فرات کا محاصرہ کیا، شام کے سپہ سالاروں نے کہا کہ علیؑ اور اُن کے ساتھیوں کو پیاسا مارڈالنا چاہیے اسلئے پانی پر ایسا پہرہ بٹھا دیا کہ ایک قطرہ بھی علیؑ اور ان کے ساتھیوں تک نہ پہنچنے پائے۔ لیکن جب علیؑ کی لشکر نے حملہ کر کے معاویہ کی فوج کو پسپا کر کے فرات پر دوبارہ قبضہ کیا اور بعض لوگوں نے یہ تجویز پیش کی کہ معاویہ کی فوج کو پانی نہ دیا جائے تو علیؑ نے فرمایا:

''خدا کی قسم میں ہرگز اس کے جیسا عمل نہیں کروں گا۔ اُن کے لئے راستہ کھول دو تا کہ وہ آ کر پانی سے استفادہ کریں۔''

جہادِ علی

دوست اور دشمن اس امر کے معترف ہیں کہ آپؑ راہ خدا میں جہاد کرنے کے سردار تھے۔ کیا

''جہاد'' اپنے پورے مفہوم کے ساتھ علی علیہ السلام کے علاوہ کسی اور پر صادق آ سکتا ہے؟

معلوم ہے کہ سب سے اہم جنگ جو پیغمبر اسلامؐ نے مشرکین کے ساتھ لڑی، وہ جنگ بدر کبریٰ تھی کہ جسمیں ستر (۷۰) مشرکین مارے گئے ان میں سے نصف کو حضرت علیؑ نے اکیلے اور باقی نصف کو مسلمانوں نے فرشتوں کی مدد سے قتل کیا۔

اگر آپ ابن عمر واقدی کی کتاب ''جنگہای محمدؐ'' اور احمد بن یحییٰ بن جابر بلاذری کی کتاب ''تاریخ الاشراف'' وغیرہ کا مطالعہ کریں تو جو کچھ ہم نے اوپر نقل کیا ہے، اس کی یقیناً تصدیق ہو جائے گی۔ اس جنگ کے علاوہ دوسری جنگوں جیسے احد، خندق و... میں علیؑ کے ہاتھوں مارے گئے مشرکین جدا ہیں۔ اس باب کو طولانی بنانے کی ضرورت ہی نہیں ہے کیونکہ یہ اظہر من الشمس اور بیان و وضاحت سے بے نیاز ہے۔

علی کی فصاحت و بلاغت

آپؑ فصاحت و بلاغت کے سید و سالار اور امام ہیں۔ آپؑ اہل فصاحت کے قائد اور اہل بلاغت کے استاد ہیں۔ آپؑ کے کلام کے بارے میں کہا گیا ہے کہ ''کلام خالق سے نیچے اور کلام مخلوق سے بالاتر ہے''۔ فن خطابت و کتابت آپؑ سے سیکھا گیا ہے۔

''عبدالحمید بن یحییٰ'' کا بیان ہے: میں نے حضرت علیؑ کے ستر خطبے حفظ کئے اور روزانہ ان کی تعداد میں اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔''

ابن نباتہ کہتے ہیں: ''میں نے آپؑ کے خطبوں سے ایک خزانہ کو پایا ہے اور جتنا اس میں سے انفاق کرتا ہوں اس میں اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔ میں نے حضرتؑ کے موعظوں میں سے ایک سو باب حفظ کئے ہیں''

جب ''محفن بن ابی محفن'' نے معاویہ سے کہا: میں ایک ایسے شخص کے پاس سے

تیری ملاقات کے لئے آیا ہوں جو سخن وری میں سب سے عاجز فرد ہے۔ تو معاویہ نے کہا: ''وائے ہو تجھ پر! یہ کیسے ممکن ہے کہ علیؑ سخن وری میں سب سے عاجز و ناتوان شخص ہو! خدا کی قسم علیؑ کے سوا کسی نے فصاحت و بلاغت کے میدان میں قریش کو پائداری و جاودانگی نہیں بخشی ہے۔''

جس کتاب کی شرح و تفسیر میں ہم اس وقت مشغول ہیں، اس امر کی بیّن دلیل ہے کہ فصاحت و بلاغت کے میدان میں علیؑ سے کوئی آگے نہ بڑھ سکا، بس اتنا کہنا کافی ہے کہ جتنا کچھ آج تک حضرت علی علیہ السلام کے بارے میں لکھا گیا ہے، اس کا دسواں بلکہ بیسواں حصہ بھی دیگر صحابہ میں سے کسی ایک کے بارے میں نہیں لکھا گیا ہے۔

ابو عثمان جاحظ نے جو کچھ حضرت حضرت علی علیہ السلام کی مدح و ستائش میں اپنی کتاب ''البیان والتبیین'' اور اپنی دیگر کتابوں میں لکھا ہے، اگر آپ اس کا مطالعہ فرمائیں تو اس باب کے بارے میں اس کی تحریر کافی ہے۔

آپؑ، نرم مزاجی، حسن اخلاق، خندہ پیشانی اور دائمی مسکراہٹ جیسے اوصاف میں اپنی زندگی میں نمونہ اور ضرب المثل تھے، حتی دشمن و مخالفین بھی آپ کے ان اوصاف میں عیب جوئی نہیں کرتے تھے۔

عمرو ابن عاص شام کے لوگوں سے کہتا تھا: ''علیؑ انتہائی مزاحیہ طبیعت کے ہیں'' اس لئے حضرت علی علیہ السلام نے ایک گفتگو کے ضمن میں فرمایا:

''اس نابغہ کے بیٹے سے تعجب کرتا ہوں کہ اہل شام کو ایسا تاثر دیتا ہے کہ میں مذاق اور شوخ طبیعت کا آدمی ہوں، مذاق کرتا ہوں، اور اس کو جاری رکھنے کی کوشش کرتا ہوں۔''

عمرو ابن عاص نے اس مطلب کو عمر ابن خطاب سے حاصل کیا تھا: کیونکہ جب عمر نے طے کیا کہ حضرت علیؑ کو اپنا جانشین مقرر کریں تو آپؑ سے کہا: خدا آپ کے والد پر رحمت نازل کرے! اگر آپؑ مزاحیہ طبیعت کے نہ ہوتے تو میں آپ کو اپنی جانشینی کے لئے مقرر کرتا۔ عمر نے

اسی حد تک اکتفا کی تھی۔ عمرو ابن عاص نے اس پر اضافہ کر کے اسے بدصورت اور ناپسندیدہ بنا دیا۔

صعصعہ بن صوحان اور امیر المؤمنین کے دیگر اصحاب اور شیعوں نے کہا ہے:

علی علیہ السلام ہمارے درمیان بے تکلف ہوا کرتے تھے اور انتہائی مہربانی؛ تواضع، حلم اور نرمی سے پیش آتے تھے؛ لیکن اس کے باوجود ہم اُن کے سامنے ہاتھ پاؤں باندھے ہوئے قیدی کی حالت میں ہوتے تھے جس کے سر پر کوئی شخص گویا ننگی تلوار لئے ہوئے کھڑا ہو، ہم آپؑ سے ڈرتے تھے۔

معاویہ نے قیس بن سعد سے کہا: "ابوالحسنؑ پر رحمتِ خدا ہو، بیشک وہ ایک خوش اخلاق، شادمان اور شوخ طبع انسان تھے۔"

قیس نے جواب میں کہا: "ہاں، رسول خداؐ ہمیشہ اپنے اصحاب کے ساتھ خندہ پیشانی سے پیش آتے تھے اور اُن سے مزاح کرتے تھے.....

اے معاویہ! تیرا مقصد اور نیت یہ ہے کہ ایسا کہہ کر حضرت علیؑ کی ملامت و مذمت کرے، خدا کی قسم حضرت علیؑ اس قدر خوش اخلاق و خندہ پیشانی کے باوجود کچھار کے بھوکے شیر سے بھی زیادہ ہیبتناک تھے اور یہ ہیبت، تقویٰ اور خوف خدا کی علامت ہے ایسے نہیں کہ جیسے شام کے ذلیل اور کمینے تم سے ڈرتے ہیں۔"

اس اخلاق کی حقیقت ابھی تک وراثت کے طور پر آپؑ کے دوستوں اور پیروں میں منتقل ہوتی رہی ہے اور اسی طرح ظلم، سختی، تشدد، اور کمینہ پن آپؑ کے دشمنوں میں باقی رہا ہے اور جو کوئی بھی لوگوں کے اخلاق و عادات سے تھوڑی سی بھی آشنائی رکھتا ہو اس حقیقت کو آسانی کے ساتھ درک کر سکتا ہے۔

علیؑ کا زھد

علی علیہ السلام زاھدوں کے سید وسالار تھے۔ وہ کبھی پیٹ بھر کر کھانا تناول نہیں فرماتے تھے۔ کھر درا لباس پہنتے تھے اور سادہ غذا کھاتے تھے۔

علی ابن رافع کہتے ہیں: ''ہم عید کے دن آپؑ کے پاس تھے۔ آپؑ ایک سر بمہر زنبیل لائے، میں نے دیکھا اس میں بھوسی ملی ہوئی جو کی روٹی ہے حضرت علیؑ نے اسے تناول کرنا شروع کیا۔ میں نے سوال کیا: آپ نے زنبیل کو مہر کیوں لگا رکھی ہے؟''

فرمایا: ''ڈرتا ہوں کہ کہیں میرے فرزندان روٹیوں پر روغن نہ لگا دیں''.

آپ کا لباس کھجور کی چھال کا بنا ہوتا تھا، آپؑ موٹے کھر درے کپڑے کا پیراھن زیب تن کرتے تھے۔ آپؑ کا سالن سرکہ اور نمک تھا۔ کبھی اس پر سبزی کا اضافہ فرماتے تھے، گوشت کم کھاتے تھے اور فرماتے تھے: ''اپنی شکموں کو حیوانوں کا قبرستان نہ بناؤ''

اس کے باوجود آپؑ دنیا کے سب سے قوی پہلوان تھے۔ بھوک آپ کی توانائی و طاقت پر کسی قسم کا اثر نہیں ڈالتی تھی اور کوئی چیز آپ کی طاقت میں کمی نہیں لاتی تھی۔

آپؑ، وہ تھے جس نے دنیا کو طلاق دیدی تھی اور اسے رہا کر دیا تھا دیا تھا، جبکہ شام کے علاوہ تمام عالم اسلام سے جمع کیا ہوا مال آپؑ کی خدمت پہنچتا تھا، اور آپؑ اسے مناسب جگہوں پر صرف کرتے تھے اور لوگوں میں تقسیم کر کے یہ ابیات پڑھتے تھے:

''یہ ہے میرے میوہ چننے کا طریقہ کہ اچھے اور بہترین دانے ہاتھ لگائے بغیر اپنی جگہ پر موجود ہیں جبکہ ہر میوہ چننے والے کا ہاتھ اس کے منہ کی طرف بڑھا ہوا ہے۔''

علیؑ کی عبادت

آپؑ لوگوں کے درمیان عابدترین فرد تھے۔ سب سے زیادہ نماز پڑھتے تھے اور دن کو روزہ

رکھتے تھے۔ لوگ آپؑ سے نمازِ شب سیکھتے تھے۔ ایسے شخص کے بارے میں کیا کہا جائے جو "لیلۃ الحریر صفین" میں جانماز بچھا کر نماز پڑھنے کھڑا ہوا، جبکہ دشمن کے تیراُن کے سامنے آ کر گزر رہے تھے اور آپؑ کے کانوں کے پاس سے گذر رہے تھے لیکن آپؑ پر کسی قسم کا خوف و ہراس طاری نہیں ہوتا تھا۔

ایسے شخص کے بارے کیا کہا جائے جسکی پیشانی پر کثرت سجدوں کے آثار نمودار تھے۔ اگر آپؑ کی دعاؤں اور مناجات اور خداوند کریم کی ھیبت وجلال کے سامنے آپؑ کے خضوع وخشوع اور انکساری پر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ آپ کی دعاؤں اور مناجات میں کس قدر حقیقت و اخلاص موجود ہے۔ اور معلوم ہو جائے گا کہ یہ درخواستین، التجائیں اور اظہار عبودیت کی آوازیں کس دل سے اٹھتی ہیں اور کس زبان پر جاری ہوتی ہیں۔

علی ابن حسین علیہ السلام — جو عبادت میں درجہ کمال تک پہنچے ہوئے تھے — سے پوچھا گیا:

"آپؑ کی عبادت کو آپؑ کے جد کی عبادت سے کس طرح کا موازنہ کیا جا سکتا ہے؟"

آپؑ نے فرمایا: "میری عبادت میرے جد کی عبادت کے مقابلے میں ویسی ہی ہے جیسی اُن کی عبادت پیغمبرؐ خدا کی عبادت کے مقابلے میں تھی۔"

قرآن مجید سے دلی لگاؤ اور اس کے لئے اہتمام

حضرت علی علیہ السلام رسول اللہؐ کے زمانے میں ہی پورا قرآن مجید حفظ کر چکے تھے اور اس زمانے میں آپؑ کے سوا کوئی اور نہیں تھا جس نے قرآن حفظ کیا ہوا آپ قرآن کو اکٹھا کرنے والے پہلے شخص تھے۔

آپ کی سیاست (نظام حکومت اور حدود الٰہی کا جاری کرنا)

آپؑ اس سلسلے میں انتہائی سخت گیر تھے اور احکام خدا سے مربوط امور پر سختی سے عمل کرنے والے تھے۔ اپنے چچیرے بھائی (ابن عباس) کے ساتھ جن کو بعض ذمہ داریاں سونپی تھیں، کسی قسم کا لحاظ اور رعایت نہیں کرتے تھے۔ آپ نے اپنے بھائی عقیل کی بے جا درخواست کو مسترد کرنے میں ذرہ برابر بھی لحاظ نہ کیا۔ کچھ لوگوں کو آگ میں جلا دیا اور مصقلہ بن جبیرؒ اور حریر بن عبداللہ کے گھروں کو مسمار کر ڈالا، ایک گروہ کے ہاتھ کاٹ ڈالے اور کچھ لوگوں کو پھانسی دیدی۔ آپؑ کی جملہ سیاست میں آپ کی خلافت کے دوران لڑی گئی جنگیں جمل، صفین اور نہروان آپکی سیاست کا نمونہ تھیں۔

شجاعت، قدرت اور انتقام کے جو ہر آپؑ نے ان جنگوں میں دکھائے، اس کے دسویں حصے تک بھی دنیا کا کوئی سیاستمدار نہیں پہنچ سکتا۔

یہ سب ایک انسان کے قابل تحسین و تعریف محاسن اور طریقہ کار ہوتے ہیں اور ہم نے واضح کر دیا کہ حضرت علیؑ ان محاسن اور خوبیوں کے سلسلے میں سید سردار و امام ہیں، ان کے کردار کی پیروی اور کارناموں کی تقلید کرنا چاہیے۔[1]

جی ہاں، علیؑ، ان تمام صلاحیتوں، لیاقتوں، اور ایسے ایمان، جہاد اور جاں نثاریوں کے مالک تھے کہ آپؑ کے یہ اوصاف زبان زد خاص وعام تھے۔ اور اگر چہ مختلف مواقع اور مقامات پر جیسے بعثت کے باضابطہ اعلان کے دن، نماز میں رکوع کی حالت میں صدقہ دیتے وقت، غزوہ خیبر و تبوک وغیرہ کے دوران بارہا اور مکرر وصی اور خلیفہ رسولؐ کے عنوان سے آپؑ کا تعارف کرایا گیا تھا اور تاریخ جگہ جگہ پر اس امر کی گواہ ہے، لیکن افسوس کہ اس کے باوجود آپؑ منافقوں اور کینہ توزوں کے بغض و کینہ اور ظلم کا شکار ہوئے۔

پیغمبر اسلامؐ کی زندگی میں ہی یہ لوگ آپؑ کی مخالفت پر اُتر آتے ہیں، یہاں تک کہ پیغمبر

۱۔ ابن ابی الحدید کے شرح نہج البلاغہ کا مقدمہ ملاحظہ ہو۔

خدا بھی آپؐ کی ولایت وصایت کا دوبارہ اعلان کرنے میں عرصہ حیات تنگ اور ماحول ناسازگار پاتے ہیں، لیکن پروردگار عالم کا پیغام رسان جبرئیل امین ایک نازک وقت پر اور لوگوں کے ایک عظیم اجتماع میں آنحضرتؐ پر نازل ہوتا ہے اور خداوند قادر ومنّان کی طرف سے یہ واضح، فیصلہ کن، قطعی اور ساتھ ہی اطمینان بخش خطاب پہنچاتا ہے:

﴿ یاایها الرّسول بلّغ ماانزل الیک من ربک... ﴾ (مائدہ/۶۷)

۱۲۔ غدیر کا واقعہ

اب ہم مولائے کائنات حضرت علی علیہ السلام کے ایک مخلص فداکار اور عاشق ولایت' علامہ امینی کی گراں بہا تصنیف "الغدیر" سے غدیر کی کہانی کی تفصیل بیان کرتے ہیں۔

علامہ امینی نے غدیر کے واقعہ کا صدی بصدی جائزہ لیا ہے، اس کا گہرا مطالعہ فرمایا ہے اور اس سے استدلال کرتے ہوئے کینہ توزوں اور آلودہ قلم کاروں کی تہمتوں اور دشمنیوں کو بے بنیاد، ظالمانہ اور اختلاف انگیز ثابت کر کے رکھ دیا ہے اور امت اسلامیہ کے اتحاد و یکجہتی کا راستہ، "حبل اللہ" یعنی کتاب خدا اور عترت رسول اللہ بیان کیا ہے۔

۱۳۷۹ ہجری شمسی میں ایک سال کے اندر دو عید غدیر واقع ہونے کی وجہ سے ایران کے اسلامی انقلاب کے قائد حضرت آیت اللہ العظمیٰ خامنہ ای (دام ظلہ الوارف) جو خود بھی اس حیات بخش مکتب ولایت کے شیدا و مروّج ہیں، نے فرصت کو غنیمت شمار کرتے ہوئے اس سال کو "سالِ امام علی علیہ السلام" اعلان فرمایا تاکہ اسلامی نظام کے منتظمین، ایران کے شریف عوام، تنظیمیں، ادارے اور اسلامی ثقافت کے دلدادہ افراد الٰہی تعلیمات اور امیر المومنینؑ کی زندگی سے زیادہ سے زیادہ استفادہ کر کے اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی میں حتی الامکان اس سے فائدہ اٹھائیں۔

اس سے قبل کہ ہم ''الغدیر'' کے عمیق سمندر میں غوطہ زن ہوں، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس مردخدا اور ولایت امیرالمؤمنینؑ کے عظیم حامی یعنی الغدیر کے مؤلف کی قدردانی اور تجلیل کے طور پر اُن کی سوانح حیات پر تھوڑی روشنی ڈالی جائے کہ یہ امر یقیناً بارگاہ خداوند اور ولی وجانشین رسول خداؐ کے ہاں خوشنودی کا باعث ہوگا۔

حوزۂ علمیہ۔ قم۔
ابوالفضل اسلامی

علامہ امینی (۱۳۲۰ھ—۱۳۹۰ھ.ق)

شیخ عبدالحسین امینی، معروف بہ ''علامہ امینی'' اور صاحب الغدیر ۱۳۲۰ھ ہجری قمری کو شہر تبریز میں پیدا ہوئے۔ ابتداء میں اپنے والد بزرگوار— جو اپنے زمانے کے نامور علماء سے تھے— سے تربیت پائی اور اس علاقہ کے مدرسوں میں علوم کے مقدمات پڑھے۔ اس کے بعد تعلیم و تربیت کے دیگر مراحل طے کرنے کی غرض سے چند علماء کے حضور زانوئے ادب تہ کیا، جن میں سید محمد مولانا[1] سید مرتضی خسروشاہی[2] اور شیخ حسین[3] قابل ذکر ہیں. اس کے بعد اپنے وطن سے رخت سفر باندھ کر راہی نجف ہوئے۔ وہاں بڑے اساتید کی خدمت میں مزید تعلیم حاصل کرنے کی غرض سے شرف تلمذ حاصل کیا، جن میں سید محمد باقر فیروزآبادی (وفات ۱۳۴۵ھ.ق) اور سید ابوتراب خوانساری (وفات ۱۳۴۶ھ.ق) قابل ذکر ہیں۔ ان دو اساتید کی وفات کے بعد دیگر علماء اعلام کی خدمت میں حاضر ہوئے۔

۱۔ مصباح السالکین ''طبع تبریز'' کے مؤلف

۲۔ (معنی حدیث الغدیر'' طبع نجف'' ثارات الکواکب علی خیارات الکاسب ''طبع تبریز'' اور هدایة الامة الی زیارة الائمة (طبع مشهد) کے مؤلف۔

۳۔ هدیة الانام ''طبع تبریز'' کے مولف۔

آپ جوانی میں ہی بلند علمی مرتبہ پر فائز ہو چکے تھے اور وقت کے عالی مرتبہ مراجع عظام جیسے سید ابوالحسن اصفہانی (وفات ۱۳۶۴ھ.ق)، میرزا محمد حسین نائینی (وفات ۱۳۵۵ھ.ق)، شیخ عبدالکریم حائری یزدی (وفات ۱۳۵۵ھ.ق) اور شیخ محمد حسین کمپانی اصفہانی (وفات ۱۳۶۱ھ.ق) سے ان کے اپنے دستخط مبارک سے تحریر کیے گئے اجتہاد کے اجازت نامے حاصل کر چکے تھے اور دیگر علماء سے روایت نقل کرنے کے اجازے بھی حاصل کر چکے تھے اور ان اجازوں میں ہر ایک شخصیت نے آپ کی علمی صلاحیت، اور دینی وسماجی منزلت کا ذکر کر کے آپ کو سراہا ہے۔

اس کے بعد آپ وطن لوٹے۔ ایک مدت تک تبریز میں رہے اور اپنے علمی کام میں مشغول رہے۔ آپ معاشرے میں جس مقام ومنزلت کے حامل تھے (اپنی علمی حیثیت سے اور علمی خاندان سے تعلق رکھنے کی وجہ سے) اس کے پیش نظر لوگوں میں خصوصی شہرت اور اہمیت کے حامل تھے۔ لیکن آپ پھر بھی اپنی زندگی کے ان حالات سے مطمئن نہیں تھے۔ اسلئے سب کچھ چھوڑ کر اپنے مراد قلب یعنی علی علیہ السلام سے انقلابی محبت اور عشق کے وجہ سے دوبارہ نجف اشرف تشریف لے گئے تاکہ اپنے مولاؑ کی زیارت سے فیضیاب ہوں۔ لیکن اس بار جب نجف پہنچے تو واپس لوٹنے کا ارادہ ترک کر دیا اور تألیف وتحقیق کے ذریعہ اپنے مقاصد کو عملی جامہ پہنانے کے لئے نجف میں ہی مقیم ہو گئے۔

علامہ کا خاندان

علامہ امینی کے والد، حجۃ الاسلام حاج میرزا احمد امینی (۱۲۸۷-۱۳۷۰ھ.ق) تبریز کے نامور اور فاضل علماء میں شمار ہوتے تھے اور اُن کی علمی حیثیت کی تائید، آیت اللہ میرزا علی آقای شیرازی اور حاج میرزا علی ایروانی (شاگرد میرزا محمد تقی شیرازی وفات ۱۳۳۸ھ.ق) جیسے فقہاء کی

طرف سے ہو چکی تھی۔ وہ ایک نامور شخصیت تھے اور حسن سیرت، تقوی اور پرہیزگاری میں عمر گذاری تھی۔ علامہ حاج شیخ آقابزرگ تہرانی اپنی کتاب ''طبقات اعلام الشیعہ'' (نقباء البشر۔ ج۱/۱۲۴) میں اُن کی زندگی کے حالات درج کرتے ہوئے یوں بیان کرتے ہیں:

"هوالشيخ الميرزااحمد بن المولى نجفعلى الامينى التبريزى عالم فاضل وله تعليقة على المكاسب .كان مولعاً بالكتابه و الاستنساخ، كتب بخطه كتاباً كثيرة من تأليف القدماء مثل صفات الشيعه للصدق ...وكان جميل الصورة حسن الخلق ... ذكره الشيخ محمد خليل الزين فى مقدمة شهداء الفضيلة وهو والدالعلامة الشيخ عبدالحسين الامينى،صاحب الغديروغيره".

علامہ امینی کے نانا مولا نجف علی معروف بہ امین الشرع (۱۲۵۷-۱۳۴۰ ھ.ق) بھی تبریز کی فاضل اور متقی و پرہیزگار علمی شخصیتوں میں سے تھے۔ ان کو ائمہ اطہارؑ کے اقوال جمع کرنے کا زبردست شوق تھا اور آپ اس سے متعلق چند مجموعے درست کر چکے تھے۔ فارسی اور ترکی زبان میں شعر بھی کہتے تھے۔ اس خاندان کا ''امینی'' لقب سے منسوب ہونا بھی ان کے ان ہی نانا ''امین الشرع'' کی وجہ سے تھا۔ اس لحاظ سے علامہ امینی کا پورا خاندان صاحب علم، فضل، تقوی و اخلاق تھا اور عرصہ سے دینی خدمات انجام دے رہا تھا۔

معنوی تربیت

ایک روحانی شخصیت اور عالم ربانی کے لئے سب سے اہم اور ضروری چیز، معنوی تربیت، اخلاقی عادات اور باطنی پاکیزگی ہے تاکہ وہ اپنے نفسانی خواہشات پر قابو پا کر انسانیت کے

کمال پر پہنچ جائے۔ایسی سعادت کم ہی لوگوں کو نصیب ہوتی ہے۔لیکن علامہ امینی خاندانی وراثت اور عنایات الٰہی کی وجہ سے، ضمیر کی پاکیزگی، باطنی فطرت اور عمل صالح کے لحاظ سے اپنے اسلاف کی طرح اپنی مثال آپ تھے، اسی وجہ سے علمی حیثیت سے حق بجانب ''علامہ'' کے عنوان سے معروف ہوئے۔

عمل و اخلاق اسلامی اور نفس کی پاکیزگی کے لحاظ سے بھی وہ ایک با اخلاق اور صاحب کرامت عالم دین تھے۔اسلئے ایک مصنف کے ان کی زندگی کے بارے میں لکھے گئے ذیل کے حالات مبالغہ نہیں ہیں:

''...وہ اعمال صالح، دعا و نیائش، زیاراتِ ماثورہ میں تفکر کی وجہ سے حقیقت کے ایک ایسے مقام پر پہنچے تھے جو نہ سالکوں کے لئے قابل درک ہے نہ قابل بیان۔اسی وجہ سے انہوں نے وصی خاتم الانبیاء کے پائمال شدہ حقوق کے دفاع کیلئے کمر ہمت باندھی اور اس مقصد میں کامیابی حاصل کرنے کے لئے انتہائی خلوص کے ساتھ صاحب حق یعنی آپؑ کے فرزند، صاحب الامر (عج) سے نصرت کی درخواست کی اور اُنکی یہ درخواست منظور ہوئی...نتیجہ کے طور پر آیت اللہ امینی، ایک کامل روحانی کی حیثیت سے اُبھرے اور اُن میں شرعی عقل کا نور بہتر صورت میں چمکا۔ جی ہاں، شیعہ اور ائمہ اطہارؑ کے پیرو اس قدر جانتے ہیں کہ ''العقل ما عبد به الرحمٰن'' اور وہ جان چکے تھے اور اپنے مولاؑ کی زیارت میں پڑھ چکے تھے ''وبکم عبداللّٰہ'' نتیجہ کے طور پر یہ امر قابل تصدیق ہے کہ آیت اللہ امینی نے سب سے بہتر صورت میں عبادت کے راستے کو پایا اور دوسرے لوگوں کو بھی اس کی نشاندہی کی تھی۔اور یہ کام ایک ایسے فرد سے ہی ممکن ہے جس میں عقل شرعی کا نور روشن ہو کر مشعل ہدایت بن گیا ہو۔''

صفات اور خصوصیات

مذکورہ مصنف کے مطابق:

''یہ عظیم انسان، متعدد پہلوؤں سے، جیسے بلند مزاجی، عالی ظرفی، حکومت و ریاست سے بے اعتنائی، صراحت لہجہ، حق گو زبان، رسا و فصیح قلم اور بیان، دلکش شکل و صورت، خوشگوار چہرہ، مناسب بدن، اور دیگر عظیم صفات جیسے توکل، ادبی شجاعت، حق کے مقابل تسلیم ہونا، مخالف سے ڈٹ کر مقابلہ کرنا، حقیقت کا دفاع اور اسطرح کے دیگر اوصاف میں اپنے ہمعصروں میں کم نظیر و ممتاز اور منفرد تھے۔ ان کی ممتاز اور عالی صفات میں، خاندان نبوّت کے تئیں اُن کی مکمل محبت اور ارادت تھی جوان کی تمام خوبیوں کا سرچشمہ تھی۔ اسی لئے امینی کو عصر حاضر میں ولایت کے اتھاہ سمندر کا منفرد غواص کہنا چاہیے۔ وہ اس بحر بیکراں میں اسقدر غوطہ زن ہوئے کہ اس کے علاوہ ان کا دوسرا کوئی تصور اور مقصد نہ رہا۔ حقیقت میں یہ آزاد مرد مولائے کائناتؑ کی عنایت کی شعاؤں کی بدولت ائمہ اطہارؑ کی محبت کے نور سے سرتاپا منور ہو گیا تھا اور اُن کی فکر و ذکر، اٹھنا بیٹھنا، سونا جاگنا سب کچھ عشق ولایت اہل بیتؑ تھا۔''

علمی حیثیت

علامہ امینی کی علمی حیثیت و علمی اور اجتماعی میدانوں میں اُن کی غیر معمولی ذہنیت اور اخلاص کے بارے میں اس علمی چہرے کے طلوع کے ابتدائی دنوں میں ہی باخبر لوگوں کو پتہ لگ چکا تھا۔ اس بات کا اندازہ لگانے کے لئے — جو بذات خود علم کے جویا افراد کی تربیت میں بڑے پیمانے پر موثر ہوتا ہے — درج ذیل امر قابل توجہ ہے:

علامہ امینی نے اپنی پہلی تالیف یعنی کتاب ''شہداء الفضیلہ'' کو ۱۳۵۵ھ.ق میں نجف اشرف کے ایک بڑے علمی مرکز سے شائع کیا۔ اس وقت اُن کی عمر ۳۵ سال تھی۔

لیکن اسی ۳۵ سالہ جوان عالم کے حق میں علمی و دینی شخصیتوں کی طرف سے ایسی تعریف اور تجلیل ہوئی ہے کہ جو بڑی بڑی علمی شخصیتوں کے شایان شان ہوا کرتی ہے۔

عالم تشیع کے مرجع تقلید مرحوم آیت ا... سید ابوالحسن اصفہانی اُن کے بارے میں یوں تعریف کرتے ہیں:

''العلامةالا مين الا مينی ، علم العلم والادب ،رجل الرعاية الدينية......فحياه الله تعالٰی من مجاهد دون مناجح امته ومناضل عن شرف قومه....فالی المولی ابتهل فی ان يعضده و يشدازره فی نشر صالح الامة ،وبث مآثر الطائفة ويوفقه عوناً للشريعه والشيعة''[1]

فقیہ مجاہد آیت اللہ حاج آقا حسین طباطبائی قمی یوں تحریر فرماتے ہیں:

''العالم العلم ،البارع المتبحر ،الكامل...''[2]

شیخ آقا بزرگ تہرانی ۔مؤلف ''الذریعة الی تصانیف ا لشیعه'' اور ''طبقات اعلام الشیعه'' جو خود بھی ایک بڑے شیعی کتاب شناس اور علمائے شیعہ کے حالات سے آگاہ اہل خبرہ تھے ، کتاب ''شھداء الفضیلة'' کی اشاعت سے قبل اس کی تقریظ میں ۱۳۵۳ھ.ق. میں عید غدیر کے دن، جب علامہ صرف ۳۳ سال کے تھے۔یوں رقمطراز ہیں:

''العلامة البارع،علم علم اليقين ،جمال الملة و الدين''

حاج شیخ محمد حسین غروی کمپانی اصفہانی — نامور فلسفی اور فقیہ — اُن کے بارے میں اسی سن وسال میں یوں فرماتے ہیں:

۱۔شھداء الفضیلة ،مقدمہ

۲۔شھداء الفضیلة ،مقدمہ

''...انه من افذاذ الدهر وحسنات العصر ورجالات الامة ...''[۱]

استاد محمد خلیل الزین عاملی — کتاب ''تاریخ جبل عام'' کے مصنف — اُسی زمانے میں ان کی یوں تعریف کرتے ہیں:

''العلامة الحجة، علم العلم، مثال الحقيقة، رجل الدعاية الدينية...''[۲]

اور اسی طرح نجف کے ایک نامور عالم و ادیب، میرزا محمد علی اردوبادی (وفات ۱۳۸۰ھ.ق) نے ۱۳۵۲ھ.ق میں۔ جبکہ صاحب ''الغدیر'' ابھی ۳۲ سال کے تھے۔ان کی تعریف میں ۳۲ ابیات پر مشتمل ایک قصیدہ لکھ ڈالا، جسمیں اُن کے علم، تقوی، بلند مقام اور عظمت کی ستائش کی۔

اور یہ سب، جیسا کہ واضح ہے، اس زمانے کی بات ہے جب تقریباً ''الغدیر'' کا ابھی ذکر بھی نہ تھا۔ اب ذرا تصور کیجئے کہ یہ جواں سال اپنی عمر کے اور چالیس سال گزارنے کے بعد۔ اپنی بے مثال قوت، بے نظیر ثابت قدمی اور عمیق اخلاص کے نتیجہ میں، تحقیق و تلاش کے میدان میں قدم رکھ کر جب اپنی عظیم کتاب کو پیش کریں تو علم و ادب کے کس مقام و منزلت پر پہنچ چکے ہوں گے؟ جب کہ انہوں نے بالاتفاق اس سے پہلے ہی ''علامہ'' کا لقب پایا تھا۔

اس طرح ''الغدیر'' کے بارے میں نقاد، محققین، مصلحین، مصنفین، دینی علماء، واعظین، شعراء اور اساتید وغیرہ نے اتفاق رائے سے تعریفیں کی ہیں اور اس امر کی ترغیب دلائی ہے کہ اسلامی معاشرہ اس کتاب سے استفادہ کرے اور اس کتاب کا تعارف ایک علمی و اصلاحی کتاب کے عنوان سے کرایا ہے اور اسے مسلمانوں کے اتحاد کے لئے ایک عظیم سند جانا ہے۔ اس کتاب کی تعریف میں سیکڑوں نظم و نثر لکھی اور شائع کی گئی ہیں۔ محققین نے اس کتاب کو اشاعت کے روز سے ہی اپنے لئے مرجع و منبع میں شمار کیا ہے۔

۱۔ شهداء الفضيلة: مقدمہ

۲۔ شهداء الفضيلة: مقدمہ

حقیقت میں اس عظیم اسلامی و دینی شخصیت کی زندگی میں ایک تیسرا جلوہ (تحقیق) بھی موجود ہے۔ لیکن افسوس کہ اُن کی زندگی میں یہ کتاب شائع نہ ہو سکی۔ اور یہ تحقیق ان کی عظیم تحقیق یعنی ''الغدیر'' کی باقی جلدیں ہیں جو ''مسند المناقب و مرسلہا'' کے نام سے مشہور ہے۔

مسندالمناقب و مرسلها:

یہ ''الغدیر'' کی باقیماندہ چند جلدوں کا مجموعہ ہے، جسمیں کتاب ''الغدیر'' کی بحث و تحقیق کو جاری رکھا گیا ہے۔ اس کتاب کے تحقیقی مباحث میں وارد ہونے سے پہلے مصنف نے ناحق طاقتوں اور حکمرانوں کے ذریعہ شیعوں پر گزرے ظلم و ستم کی ایک مفصل داستان درج کی ہے۔ اس بحث کو علامہ امینی نے ''حکومۃ الالفاظ'' کا نام دیا ہے۔ ظالم حاکموں کے الفاظ و بیانات کے بارے میں ان کا نظریہ ہے کہ یہ الفاظ ایسے حربے ہیں جن کے ذریعہ معاشرے کو مؤثر طریقے سے فریب دیا جاتا ہے۔

البتہ اسی وسیع اور جامع تحقیق کے ضمن میں علمی روش کے تحت اسناد اور مشیخہ (صحاح ستہ) پر علمی اعتبار سے جرح و تعدیل کی گئی ہے اور ان کتابوں کی بہت سی روایتوں کے اسناد کی از سر نو جانچ پڑتال کی گئی ہے۔

تألیفات

صاحب ''الغدیر'' کی چند اور مطبوعہ اور غیر مطبوعہ تالیفات ہیں۔ ان کی مکمل فہرست حسب ذیل ہے:

مطبوعہ تالیفات:

۱. شهداء الفضيله

۲. كامل الزيارات ابن قولويه (تحقيق و تعليق)

۳. ادب الزائر لمن یمم الحائر

۴. الغدیر فی الکتاب والسنۃ والادب

۵. سیرتنا وسنتنا سیرۃ نبینا وسنتہ

غیر مطبوعہ تالیفات:

۱. اعلام الانام فی معرفۃ الملک العلام. (در توحید) فارسی زبان میں

۲۔ تفسیر آیہ:''قالو ربنا امتنا اثنین ...''

۳۔ تفسیر آیہ:''واذ اخذ ربک من بنی آدم...''

۴۔ تفسیر آیہ:''وکنتم ازواجاً ثلاثۃ ...''

۵۔ تفسیر آیہ:''وللہ الاسماء الحسنیٰ''

۶۔ تفسیر سورۂ حمد.

۷. ثمرات الاسفار (دوجلدوں میں)

۸۔ شیخ انصاری کی ''رسائل'' پر حاشیہ

۹۔ شیخ انصاری کی ''مکاسب'' پر حاشیہ

۱۰۔ زیارات کی حقیقت پر ایک تحقیقی مقالہ (علمائے پاکستان کے جواب میں)

۱۱۔ علم ''درایہ'' پر ایک تحقیقی رسالہ

۱۲۔ ''نیت'' پر ایک تحقیقی رسالہ

۱۳۔ ریاض الانس (دوجلدوں میں۔ ہر جلد ایک ہزار صفحہ کی)

۱۴۔ العترۃ الطاہرہ فی الکتاب العزیز۔

۱۵۔ ''الغدیر'' (باقیماندہ جلدیں)

کتب خانہ امام امیر المؤمنین کی تاسیس:

ان تالیفات کے علاوہ کتاب ''الغدیر'' کی تالیف، طبع واشاعت کے سلسلے میں متواتر تلاش وکوشش میں لگے رہے۔ ایک دانشور نے اس کتاب کے بارے میں یوں اظہار خیال کیا ہے:

''گران بہا کتاب ''الغدیر'' ہمارے علامہ مجبیر، شیخ عبدالحسین امینی --- جو ایک قوی مصنف اور امین ودانا محدث تھے --- کی کاوشوں کا نتیجہ ہے جسمیں غدیر کے روپ میں حدیثوں کا ایک سمندر موج زن ہے۔ صاحبان فہم فراست سے پوچھا جا سکتا ہے کہ آیا اس کتاب میں علامہ کے مصمم ارادہ، مہارت، درایت، قوت ضبط، حوصلہ اور تحقیق کا مشاہدہ کرتے ہیں۔

اس کتاب کے مطالب کو اکٹھا کرنے کے لئے چار ہزار جلد کتابوں اور اصول کی طرف رجوع کیا گیا ہے اور یہ کتابیں اول سے آخر تک پڑھی گئی ہیں۔ حقیقت میں یہ اپنی جگہ پر ایک مکمل دورۂ دائرۃ المعارف ہے جو مشرق زمیں کے تاریک ماحول میں وسائل اور امکانات کی عدم موجودگی کے باوجود تن تنہا ایک فرد کی تلاش وکوشش کے نتیجہ میں تالیف ہوا ہے۔ اگر چہ علامہ نے اسکی نسخہ برداری؛ استخراج، مسودہ لکھنے، تصحیح، مقابلہ خوانی اور اس کو چھاپنے کی ذمہ داری تن تنہا اپنے ذمہ لی تھی جبکہ مذکورہ ہر ایک کام کو انجام دینے کے لئے جداگانہ کئی افراد پر مشتمل ایک منظم ٹیم کی ضرورت ہوتی ہے۔''

صاحب ''الغدیر'' نے اس کے علاوہ وسائل کی عدم موجودگی کے باوجود بہت سی کتابوں کی نسخہ برداری اپنے ہاتھ سے کی ہے۔ ان انتھک شب وروز تلاش، کوششوں اور مشکلات کے باوجود انہوں نے ایک اور عظیم کام انجام دیا جو ایک گراں بہا علمی کام محسوب ہوتا ہے اور وہ نجف اشرف میں ایک عظیم کتب خانہ کی تاسیس ہے۔ اس کتب خانہ کا نام ''مکتبۃ الامام امیر المؤمنین العاھد'' ہے۔ اس کتب خانہ کے بارے میں ایک عرب محقق ''جعفر الخلیلی'' کہتے ہیں:

''شیخ عبدالحسین امینی نے جب دائرۃ المعارف ''الغدیر'' تالیف کرنے کی ٹھان لی، تو انہوں نے اس بات کا احساس کیا کہ اگر کوئی محقق کسی دائرۃ المعارف یا کسی اور موضوع میں تحقیقی کام انجام دینا چاہے تو وہ مصادر، مآخذ اور مدارک کے مطبوعہ و قلمی نسخوں کی عدم موجودگی کی وجہ سے مشکلات سے دوچار ہوسکتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ نجف کے موجودہ عمومی کتب خانوں میں اس قسم کے مصادر موجود نہیں ہیں یا یہ کہ اگر ہیں بھی تو بہت کم ہیں اور ایک محقق اپنی تحقیق کے سلسلے میں کسی نسخے کو زیادہ دیر تک اپنے پاس نہیں رکھ سکتا ہے۔ یہی مسئلہ باعث بن گیا کہ وہ بہت سے اسلامی ممالک کا سفر کریں اور بہت سے کتب خانوں کا دورہ اور مشاہدہ کریں تا کہ جن کتابوں اور مصادر کا انہوں نے اپنی کتابوں اور فہرستوں میں حوالہ دیا ہے، ان کے نسخے بھی حاصل کرسکیں۔ بالاخرہ وہ ان کتابوں کو اکٹھا کرنے میں کامیاب ہوئے اور ''الغدیر'' کے لئے ان تمام کتابوں، منابع و مصادر کو جمع کر سکے۔ لیکن وہ اس کام میں آسانی کے ساتھ کامیاب نہیں ہوئے بلکہ بڑی مشکلات اور مشقتوں کے بعد۔ یہاں سے ان کے اندر عزم و ارادے کی آگ بھڑک اٹھی اور انہوں نے ایک بڑے کتب خانہ کی تاسیس کی ٹھان لی تا کہ اس کتب خانہ میں چھپی ہوئی کتابوں، قلمی نسخوں اور دیگر مصادر و منابع کی ایک بڑی تعداد اکٹھا کر کے محققین، مؤلفین اور مصنفین کے راستے سے ایک بڑی روکاوٹ کو ہٹا سکیں۔ چونکہ انھیں الغدیر کی تالیف کے دوران اس میدان میں مختلف ملکوں اور شہروں کے کتاب خانہ دیکھنے کے لئے انتہائی رنج و مشقتوں کا سامنا کرنا پڑا تھا اسلئے انہوں نے طے کیا کہ اس کتاب خانہ کی تاسیس کے ذریعہ آئندہ کسی کو ان مشکلات و مشقتوں کا سامنا نہ کرنا پڑے۔

جس چیز نے علامہ امینی کو اس مشن میں کامیابی سے ہمکنار کیا وہ ان کی اپنی

شخصیت تھی۔اس کے علاوہ ایران کے چند علماء، خیر خواہوں اور اہل دل افراد نے بھی ان کا تعاون کیا۔اُن کی اس تن تنہا کوشش وتلاش کے نتیجہ میں اس وقت نجف میں ایک عظیم کتب خانہ موجود ہے جو اپنی نوعیت کے لحاظ سے عالم اسلام کے گراں بہا کتب خانوں میں شمار ہوتا ہے[1]۔

تقریر و بیاں

صاحب الغدیر کی ذاتی صلاحیتوں میں ان کا حیرت انگیز اور ولولہ انگیز طرز بیان تھا۔حتیٰ جب وہ عام اور معمولی محفلوں میں بھی خطاب کرتے تھے؛ ان کا اخلاص، منطق کی گہرائی اور ان کی شعلہ بیانی محفل پر چھائی رہتی۔جب منبر پر جاتے تو ایک قوی اور بے مثال خطیب کی حیثیت سے گرجتے تھے۔ایک مصنف کے قول کے مطابق: ''بہادروں جیسی آواز''[2] کے مالک تھے۔ جب کوئی ان کی تقریر سنتا تھا تو ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے تاریخ اسلام کی صدیوں نے ایک ساتھ زبان کھولی ہے اور آپ سے مخاطب ہیں۔

اُن کی تقریر سننے کے لئے ہزاروں بلکہ دسیوں ہزار کا مجمع ہوا کرتا تھا۔ان کی تاریخی تقریروں میں ہمدان، اصفہان، مشہد، کرمانشاہ، تہران، کے علاوہ ہندوستان کے شہر کانپور اور حیدرآباد دکن وغیرہ میں کی گئی تقریریں ناقابل فراموش ہیں۔

تحقیقی سفر

صاحب ''الغدیر'' اپنے مقاصد کے سلسلے میں --جس میں ولائے علیؑ کی اشاعت، شیعی حقائق کا بیان اور مسلمانوں کے درمیان اصولوں اور حقیقی قربت پر مبنی اتحاد کا قیام سرفہرست تھے--آپ ہمیشہ سفر میں رہا کرتے تھے ان مسافرتوں کو انتہائی سادگی اور کفایت شعاری کے

۱۔موسوعة العتبات المقدسه، قسم النجف، ج۲، ص۲۵۶۔۲۵۷ ''طبع بغداد۔دار التعارف''۔

۲۔حماسہ الغدیر، مقالہ امین غدیر و شہید فضیلت۔

ساتھ انجام دیتے تھے۔ مختلف ملکوں اور شہروں میں ان کی امیدوں کا مرکز (عمومی وخصوصی) کتب خانے ہوتے تھے۔لوگ بھی، جوان کو جانتے تھے، گرمجوشی سے ان کا استقبال کرتے تھے اور انتہائی عشق و محبت سے اس مجاہدِ راہ علم واصلاح کا تعاون کرتے تھے۔

ان کے یہ سفر مطالعہ،نسخہ برداری ،مصادر ومآ خذ کی فراہمی ،اساتید سے ملاقاتیں و مذاکرات، اصلاح، ہدایت، راہنمائی، صحیح ولایت کی توسیع ،اہل علم میں اثر پیدا کرنا،کبھی نماز جماعت قائم کرنا اور کبھی ممبر پر جانا اور وعظ ونصیحت کرنا جیسے قابل قدر سرگرمیوں سے سرشار تھے۔جن شہروں کا انہوں نے مذکورہ امور کے ساتھ سفر کیا اُن میں درج ذیل شہر قابل ذکر ہیں:

حیدرآباد دکن، علی گڈھ، لکھنو، کانپور، جلالی، رامپور (ہندوستان)،فوعہ،معرۃ،مصرین، حلب نبل، دمشق و...ان میں سے بعض مسافرتوں کی رپورٹیں بھی شائع ہو چکی ہیں۔

ایک دینی وسماجی مصلح

اس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ صاحب ''الغدیر'' حقیقی معنوی میں ایک دینی وسماجی مصلح تھے۔ وہ اپنی تمام سرگرمیوں کے دوران اس فکر میں رہتے تھے کہ بکھرے ہوئے معاشرے کی کس طرح اصلاح کریں، خواہ یہ تباہی وبربادی سماجی ہو یا علمی۔انہوں نے اچھی طرح اس امر کو محسوس کیا تھا کہ جو ناحق اور غیر منصفانہ مطالب کتابوں میں لکھے گئے ہیں ان سے کس طرح سماج کو نقصان پہنچتا ہے اور کس طرح اذہان مشکوک ہوتے ہیں اور اسلامی معاشرہ کی اتحاد و یکجہتی کی بنیادیں کیسے متزلزل ہوتی ہیں۔اس لحاظ سے ''الغدیر'' کی تالیف سے لیکر چھوٹی سی چھوٹی تقریر تک وہ اسی ہم وغم میں رہتے تھے کہ کس طرح اس پراکندگی پر قابو پائیں اور کس طرح خائن قلم کاروں کی نشاندہی کریں اور سماج کے ذہن کو اس مسموم اور زہریلی غذا اور تفرقہ انگیز جعل و بہتان سے پُر تالیفات سے بچائیں۔ ملت اسلامیہ میں کس طرح دوبارہ صلح وصفا اور عزت وشرف کا

ماحول پیدا کریں۔ چونکہ اس راہ میں آپ مخلصانہ قدم اٹھا چکے تھے اور حق اور خدا کے سوا کسی اور چیز کو مدنظر نہیں رکھتے تھے، لہذا ''الغدیر'' کی تالیف (یعنی اتحاد اسلامی کی ایک متحرک درسگاہ اور واقعی تقرب واتحاد کی شمع فروزاں) کے ذریعہ اس امر میں کامیاب ہوئے کہ اسلامی معاشرے میں سازگار ذہنیت اور طرز و تفکر کو جنم دیں۔ اس طرح آپ نے سیکڑوں دانشوروں، نقاد، مفکروں اور اصلاح طلبوں کو اپنا ہمفکر وہمنوا بنایا اور ولائے امیر المؤمنین علی علیہ السلام کی نشرواشاعت میں-- جو اسلامی اتحاد کی بنیاد اور صحیح رہبری کا راز ہے-- بڑی کامیابی پائی۔

مقاصد

جو کچھ علامہ امینی نے انجام دیا اس کے علاوہ بھی کچھ مقاصد ان کے پیش نظر تھے کہ زندگی نے وفا نہ کی اور وہ ان مقاصد کو انجام دینے میں کامیاب نہ ہوسکے۔ ان کے یہ مقاصد حسب ذیل تھے:

۱۔ دار التألیف (خانہ مؤلفین) کی تأسیس۔

۲۔ عالم اسلام کے نشریات کی تحقیقات کا ایک مرکز تأسیس کرنا۔

۳۔ سرداری کی رسم کا احیاء

۴۔ مرجعیت کی بنیادوں کو وسعت واستحکام بخشنے کی تجویز۔

۵۔ علمائے اسلام کی ان کتابوں کی اشاعت جو ابھی تک قلمی نسخوں کی صورت میں موجود ہیں۔

۶۔ دینی طلاب کے طرز و تفکر کو شکوفائی بخشنے اور انھیں دنیا کے دور دراز علاقوں کا سفر کر کے زندگی کے حقیقی حالات اور عالم اسلام کے مسائل سے آگاہ ہونے اور مروجہ علوم حاصل کرنے کی ترغیب۔

۷۔مذہبی کتابوں کی تصحیح وتطبیق اور وسیع ودقیق دیکھ بھال اور جانچ پڑتال کرنا تا کہ آہستہ آہستہ صرف ایسے افراد مذہبی امور سے متعلق کتابیں لکھیں جو موضوع سے متعلق کافی اطلاعات رکھتے ہوں اور ماہر ہوں ہر کوئی اس کام میں دخل اندازی نہ کرے۔

۸۔مذھبی مجالس اور محافل کے طریقہ کار میں اصلاح کرنا اور جو کچھ ان مجلسوں میں لوگوں کو سکھایا جاتا ہے اس پر نظر رکھنا۔

وفات:

بالآخر صاحب ''الغدیر'' رحلت کر گئے! ﴿انا للّٰہ وانا الیہ راجعون﴾۔وہ انتھک اور بے رحم پُر کاری کی وجہ سے بیماری کا شکار ہوئے اور ان کے انتہائی قوی ورشید جسم کو صدمہ پہنچا اور وہ بیمار ہو گئے۔آپ نے چار سال تک اس بیماری کی طرف کوئی خاص توجہ نہ دی اور کام کرتے رہے۔رفتہ رفتہ بیماری زور پکڑتی گئی اور انھیں کام سے بالکل روک دیا، کتابوں کو ان سے دور کر دیا اور تاب وتوان ان کے ہاتھ سے چھین لی۔علاج کرانے کے لئے تہران کا سفر کیا۔اس شہر میں اپنے اعزہ اور عقید تمندوں کے ذریعہ علاج شروع ہوا۔دو سال مسلسل بیمار رہے اور ٹھیک نہ ہوئے۔ سرانجام ۲۸ ربیع الاول ۱۳۹۰ھ.ق کو جمعہ کے دن ظہر کے نزدیک اس دار فانی سے رخصت ہو کر اپنے مالک حقیقی سے جا ملے۔

دوسرے دن ــــ سنیچر کی صبح کو ــــ تہران میں ان کی تشییع جنازہ ہوئی اور چند دنوں کے بعد ان کا جنازہ نجف اشرف منتقل کیا گیا اور وہاں پر ایک پر شکوہ تشییع جنازہ کے بعد کتب خانہ امیر المومنینؑ میں سپرد خاک کیے گئے[1]

---

[1]۔علامہ کی زندگی کے حالات کا یہ حصہ، کتاب یادنامہ علامہ امینی سے نقل کیا گیا ہے۔

''الغدیر'' کے بارے میں:

کتاب ''الغدیر'' کی اشاعت کے بعد عالم اسلام کے نامور علماء اور محققین نے اسے ایک باعظمت اور عالی کتاب پایا۔ دسیوں بلکہ سیکڑوں ادیب، شاعر، عالم، محقق، مورخوں اور مفسروں نے اس کتاب پر تقریظات لکھے، شعر کہے اور پیغام لکھے۔ قاہرہ سے لبنان تک، بغداد سے ٹیونس تک، تہران سے دہلی تک اور اسلام آباد سے شام تک دنیا کے بہت سے علمی اور تحقیقاتی مراکز کی طرف سے اس کتاب کی تعریف و تمجید ہوئی، اگر ان سب کو لکھنے بیٹھیں تو یقیناً چند جلد کتاب کی صورت اختیار کر جائے گی۔ لہذا ہم یہاں پر صرف عصر حاضر کے مشہور ایک کتاب شناس — جو خود بھی عالم اسلام کی ایک نامور شخصیت ہیں — کا نظریہ پیش کرنے پر اکتفا کرتے ہیں:

علامہ نامور آقا بزرگ تہرانی، صاحب ''الذریعہ'' یوں رقمطراز ہیں:

''میں اس عظیم کتاب کے اوصاف بیان کرنے سے قاصر ہوں اور ''الغدیر'' کا مقام اس سے بالاتر ہے کہ اس کی تعریف کی جائے۔ تنہا کام جو حقیر اس سلسلے میں انجام دے سکتا ہے وہ یہ ہے کہ خداوند متعال سے دعا کرتا ہوں کہ اس کتاب کے مؤلف کی عمر دراز ہو اور ان کی عاقبت بخیر ہو اور خلوص نیت کے ساتھ خدا سے چاہتا ہوں کہ میری باقیماندہ زندگی کو بھی مؤلف کی عمر شریف میں اضافہ فرمائے''

آپ علامہ کی تعریف میں فرماتے ہیں:

''علامہ کی خصوصیات میں اہل بیت اطہار علیہم السلام کے تئیں ان کی والہانہ محبت و عقیدت ہے جو زبان زد خاص و عام ہے اور وثوق سے کہا جا سکتا ہے کہ ''الغدیر'' ان ہی محبتوں کے آثار میں سے ایک اثر ہے۔ اور اہل بیت اطہارؑ سے محبت و عقیدت کا ہی نتیجہ ہے کہ وہ امام حسین علیہ السلام

اوران کے اصحاب کا ذکر مصیبت سننے کے انتہائی شائق رہتے ہیں۔اورامام حسین علیہ السلام کے مصائب پر بلند آواز میں زاروقطار گریہ کرتے ہیں اور خطیب و حاضرین مشاہدہ کرتے ہیں ذکر مصیبت کے دوران کی حالت دگرگوں ہوجاتی ہے اوران کی گریہ وزاری سے سب متاثر ہوتے ہیں اوران کے گریہ کی وجہ سے گریہ کرنے لگتے ہیں۔یہ یقین سے کہا جاسکتا ہے کہ جس مجلس میں وہ ہوتے ہیں اور ذکر مصیبت بیان ہوتا ہے گویا آل محمدؐ میں سے کوئی شخصیت اس مجلس میں بذات خود حاضر ہوتی ہے۔اوران پر اس گریہ وزاری کا عالم اس وقت اپنی انتہا کو پہنچ جاتا ہے جب خطیب حضرت صدیقہ کبریٰؑ کے مصائب بیان کرتا ہے، اُس وقت ان کا چہرہ لال ہوجاتا ہے اور وہ ایک ایسے فرد کی طرح زارزار گریہ کرتے ہیں جس کی ناموس کی توہین کی گئی ہو.....[۱]

۱۔علامہ امینی جرعہ نوش غدیر،ص ۷۰

مطالعہ "الغدیر" کا خاکہ

جب میں نے کتاب "الغدیر" پر ایک نظر ڈالی تو میں نے اس کے جزء جزء میں تاریخ وتفسیر، حدیث وکلام، رجال ودرایت، انتقاد واصلاح، برہان واستدلال، اسناد واقوال کی تحقیق، شک وفریب کا ازالہ، گویا ہر پہلو سے اسے عترت رسولؐ کی مرکزی حیثیت حضرت علی علیہ السلام کی چودہ صدیوں کی مظلومیت، اور امیر المؤمنینؑ کی حقانیت کا ثبوت پایا۔ اس لئے قارئین کرام کے لئے حسب ذیل موضوعات کا انتخاب کر رہا ہوں تا کہ صاحب الغدیر کا کچھ حق ادا کر سکوں:

پہلی فصل .... غدیر کی تاریخی اہمیت

دوسری فصل .... غدیر کا واقعہ

تیسری فصل .... غدیر پر خدا کی توجہ

چوتھی فصل .... اسلام کی غدیر پر توجہ

پانچویں فصل .... صحابی اور غدیر

چھٹی فصل .... غدیر اور تابعین

ساتویں فصل .... مختلف صدیوں کے علماء اور غدیر

آٹھویں فصل .... غدیر پر علماء کے تألیفات

نویں فصل .... غدیر اور ادباء و شعراء

دسویں فصل .... واقعہ غدیر سے استدلال و احتجاج

گیارہویں فصل .... حدیث غدیر کی سند کا صحیح ہونا

بارہویں فصل .... غدیر اور کتابیں

پہلی فصل:

غدیر کی تاریخی اہمیت

کوئی عقلمند اس سے انکار نہیں کرسکتا کہ ہر چیز کی قدر و قیمت کا دارومدار اس کے مقصد اور نتیجہ پر ہوتا ہے۔ اس لحاظ سے اہم تاریخی موضوعات میں جو موضوع عالی ترین اور اہم ترین نتائج کا حامل ہے، وہ موضوع ہے جس پر خدا کا دین اور انسانوں کا آئین زندگی استوار ہے اور جس کی بنیاد پر قومیں، حکومتیں اور معاشروں کی حیثیتیں بنتی ہیں۔

اس لئے ہم دیکھتے ہیں کہ مؤرخین ابتدائی واقعات، ادیان کی تعلیمات اہم واقعات و حوادث، جیسے جنگوں، ادیان کی پیدائش، دعوت اور ان کی حکومت جن کو لمبا عرصہ بلکہ صدیاں گذر گئی ہیں ان سب کو ضبط و ثبت کرنے کے سلسلے میں کتنی تکلیفیں اٹھاتے تھے۔

البتہ یہ واضح ہے کہ اگر کوئی تاریخ داں اتنی فداکاری نہ کرے اور واقعات کو ضبط کرنے میں باریک بینی سے کام نہ لے اور غفلت اور بے خیالی برتے تو چارو ناچار اس کی کتاب تاریخ ناقص اور حقائق سے عاری ہوگی اور اس خلا کو کوئی اور چیز پر نہیں کرپائے گی بسا اوقات قاری اس کے اول و آخر کو تشخیص نہ دیتے ہوئے جہل و پریشانی سے دوچار ہوجائے۔

غدیر خم کا واقعہ حقیقت میں تاریخ کا بہت اہم اور عظیم ترین واقعہ ہے۔ کیوں کہ اس واقعہ کی بنیاد اہل بیت رسولؐ کے ماننے والوں کے مذہبی استدلال و برہان پر مستحکم ہے جن کی تعداد دسیوں

لاکھ ہے اور جن میں ثقافت، ادب اور علمی ذخائر سے مالا مال نامور علماء، فلاسفہ، عظیم شخصیتیں، بادشاہ، سیاست دان، سپہ سالار اور رہبروں کی بڑی تعداد موجود ہے۔

اگر تاریخ نگار اہل بیتؑ کے ماننے والوں میں سے بھی نہ ہو پھر بھی اس کے لئے ضروری ہے کہ اس جیسی عظیم امت کی تاریخ ثبت کرنے کا حق ادا کرے۔ چاہے وہ اس واقعہ کے جزئیات کی تفصیل اور پوری وضاحت نہ کرے اور قومی جذبات اور نفسانی خواہشات کے زیر اثر دوسری باتون کو چھپا کر بیان کرے تو بھی وہ ایسا کرنے پر مجبور ہے، کیونکہ اس واقعہ کی اصل اور اس کی سند میں تو کوئی شبہہ ہی نہیں کہ رسول خداؐ نے کافی رنج و تکلیف اٹھائی ہے اور اس امر کی کوشش کی ہے کہ غدیر کے دن یہ حقیقت امت تک پہچادیں۔ اور پوری تاریخ میں ایسے دو آدمی بھی نہیں مل سکتے جو اصل واقعہ سے اختلاف رکھتے ہوں، اگرچہ بعض افراد نے اس کے مدلول و مفاد میں بعض اغراض کے تحت اختلاف کیا ہے جو آگاہ افراد کی نگاہوں سے پوشیدہ نہیں ہیں۔

اس لحاظ سے واقعہ غدیر خم کوئی ایسا واقعہ نہیں ہے کہ مورخ پیرو اہلبیتؑ نہ ہونے کی صورت میں اس سے چشم پوشی کر جائے۔ ذیل میں ہم چند ایسے مورخین کے نام ذکر کرتے ہیں جنہوں نے اس واقعہ کو ثبت کیا ہے:

۱۔ بلاذری (وفات ۲۷۹ ہجری) نے ''انساب الاشراف'' میں
۲۔ ابن قتیبہ (وفات ۲۷۶ ہجری) نے کتاب ''المعارف والامامۃ والسیاسۃ'' میں
۳۔ طبری (وفات ۳۱۰ ھ) نے کتاب ''مفرد'' میں۔
۴۔ ابن زولاق لیثی مصری (وفات ۳۸۷ ھ) نے ''تاریخ بغداد'' میں
۵۔ خطیب بغدادی (وفات ۴۶۳ ھ) نے ''تاریخ بغداد'' میں۔
۶۔ ابن عبدالبر (وفات ۴۶۳ ھ) نے ''الاستیعاب'' میں۔
۷۔ شہرستانی (وفات ۵۴۸ ھ) نے الملل والنحل میں۔

۸۔ابن عساکر (وفات ۵۷۱ھ) نے اپنی تاریخ ''تاریخ دمشق'' میں۔

۹۔یاقوت حموی (وفات ۶۲۶ھ) نے ''معجم الادباء'' میں۔

۱۰۔ابن اثیر (وفات ۶۳۰ھ) نے ''اسد الغابہ'' میں۔

۱۱۔ابن ابی الحدید (وفات ۶۵۶ھ) نے ''شرح نہج البلاغہ'' میں۔

۱۲۔ابن خلکان (وفات ۶۸۱ھ) نے اپنی تاریخ ''وفیات الاعیان'' میں۔

۱۳۔یافعی (وفات ۷۶۸ھ) نے ''مرآۃ الجنان'' میں۔

۱۴۔ابن شیخ بلوی (وفات تقریباً ۶۰۵ھ) نے ''الف باء'' میں۔

۱۵۔ابن کثیر شامی (وفات ۷۷۴ھ) نے ''البدایۃ والنھایۃ'' میں۔

۱۶۔ابن خلدون (وفات ۸۰۸ھ) نے ''اپنی تاریخ کے مقدمہ'' میں۔

۱۷۔شمس الدین ذہبی (وفات ۷۴۸ھ) نے ''تذکرۃ الحفاظ'' میں

۱۸۔نویری (وفات ۸۳۳ھ) نے ''نھایۃ الارب فی فنون الادب'' میں

۱۹۔ابن حجر عسقلانی (وفات ۸۵۲ھ) نے ''الاصابۃ'' اور ''تہذیب التہذیب'' میں۔

۲۰۔ابن صباغ مالکی (وفات ۸۵۵ھ) نے ''الفصول المھمہ'' میں۔

۲۱۔مقریزی (وفات ۸۴۵ھ) نے ''الخطط المقریزیہ'' میں۔

۲۲۔جلال الدین سیوطی (وفات ۹۱۰ھ) نے اپنی کئی کتابوں میں۔

۲۳۔قربانی دمشقی (وفات ۱۰۱۹ھ) نے ''اخبار الدول'' میں۔

۲۴۔نور الدین حلبی (وفات ۱۰۴۴ھ) نے ''السیرۃ الحلبیۃ'' میں

اس کے علاوہ دیگر کئی مورخین نے بھی اس واقعہ کو اپنی کتابوں میں لکھا ہے۔ یہ تھی علم تاریخ کے لحاظ سے اس واقعہ کی صورت۔ اس کے علاوہ فن حدیث میں بھی اس کی کوئی کم اہمیت نہیں ہے۔ کیونکہ جب ایک محدث اپنی وسعت نظری سے اپنے اطراف میں نظر ڈالتا ہے، صاحب

ولایت، امیر المؤمنین علی علیہ السلام کی ولایت سے مربوط مستند اور صحیح روایات کی ایک بڑی تعداد نظر آتی ہے جو حضرت علیؑ کی حقانیت کو ثابت کرتی ہیں۔ محدثین کے ہر طبقہ نے (گذشتہ طبقوں میں صحابہ رسول تک) ایسی روایتوں کو نقل کیا ہے۔ اور اگر چہ اس حدیث کو اس آسمانی چشمہ نور و ہدایت (یعنی پیغمبر اکرمؐ) سے نقل کئے ہوئے کئی نسل اور طبقے گذر چکے ہیں لیکن اب بھی اس قسم کی روایتیں آنکھوں کو خیرہ کرنے والے نور سے منور ہیں۔

لہذا اگر کسی محدث نے اپنے فریضہ پر عمل نہیں کیا تو اس نے امت کی حق تلفی کر کے اس کو رسول خداؐ کی پاک و پاکیزہ ہدایت سے محروم کیا ہے۔

اس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ محدثوں نے بھی مورخوں کی طرح واقعہ غدیر کی حدیث کو لکھا ہے یہاں پر چند ایسے محدثین کا نام ذیل میں ذکر کرتے ہیں جنہوں نے اپنی کتابوں میں اس حدیث کو ثبت کیا ہے:

۱۔ امام شافعی، ابو عبداللہ محمد ابن ادریس شافعی (وفات ۲۰۴ ھ) جیسا کہ نہایۃ ابن اثیر میں ذکر ہوا ہے۔

۲۔ حنبلیوں کے امام، احمد بن حنبل (وفات ۲۴۱ ھ) نے ''مسند'' اور اپنے ''مناقب'' میں۔

۳۔ ابن ماجہ (وفات ۲۷۳ ھ) نے اپنی ''سنن'' میں۔

۴۔ ترمذی (وفات ۲۷۹ ھ) نے اپنی ''صحیح ترمذی'' میں۔

۵۔ نسائی (وفات ۳۰۳ ھ) نے ''الخصائص'' میں۔

۶۔ ابو یعلی موصلی (وفات ۳۰۷ ھ) نے اپنی ''مسند'' میں۔

۷۔ بغوی (وفات ۳۱۷ ھ) نے ''السنن'' میں

۸۔ دولابی (وفات ۳۲۰ ھ) نے ''الکنی والاسماء'' میں۔

۹۔ الطحاوی (وفات ۳۲۱ ھ) نے ''مشکل الآثار'' میں۔

۱۰۔حاکم (وفات ۴۰۵ھ) نے ''مستدرک'' میں۔

۱۱۔ابن مغازلی شافعی (وفات ۴۸۳ھ) نے ''المناقب'' میں۔

۱۲۔ابن مندہ اصفہانی (وفات ۵۱۲ھ) نے مختلف طریقوں سے اپنی تالیفات میں۔

۱۳۔خطیب خوارزمی (وفات ۵۶۸ھ) نے ''المناقب'' اور ''مقتل الامام السبطؑ'' میں۔

۱۴۔گنجی شافعی (وفات ۶۵۸ھ) نے ''کفایۃ الطالب'' میں۔

۱۵۔محب الدین طبری (وفات ۶۹۴ھ) نے ''الریاض النضرۃ'' اور ''ذخائر العقبیٰ'' میں۔

۱۶۔حموینی شافعی (وفات ۷۲۲ھ) نے ''فرائد السمطین'' میں۔

۱۷۔ہیثمی (وفات ۸۰۷ھ) نے ''مجمع الزوائد'' میں۔

۱۸۔ذھبی (وفات ۷۴۸ھ) نے ''تلخیص'' میں۔

۱۹۔جزری (وفات ۸۳۰ھ) نے ''اسنی المطالب'' میں۔

۲۰۔ابو عباس قسطلانی (وفات ۹۲۳ھ) نے ''المواھب الادنیہ''۔میں۔

۲۱۔متقی ہندی (وفات ۹۷۵ھ) نے ''کنز العمال'' میں۔

۲۲۔ہروی قاری (وفات ۱۰۱۴ھ) نے ''المرقاۃ فی شرح المشکاۃ''۔میں۔

۲۳۔تاج الدین منادی (وفات ۱۰۳۱ھ) نے ''کنوز الحقائق فی حدیث خیر الخلائق'' اور ''فیض الغدیر'' میں

۲۴۔شیخانی قادری (وفات گیارھویں صدی ہجری) نے ''الصرط السوی فی مناقب الآل'' میں۔

۲۵۔احمد باکثیر مکی شافعی (وفات ۱۰۴۷ھ) نے ''وسیلۃ المآل فی مناقب الآل'' میں۔

۲۶۔ابو عبد اللہ زرقانی مالکی (وفات ۱۱۲۲ھ) نے ''شرح المواھب'' میں۔

۲۷۔ابن حمزہ دمشقی حنفی (وفات ۱۱۲۰ھ) نے کتاب ''البیان والتعریف'' میں۔

ان کے علاوہ دیگر محدثوں نے بھی اپنی حدیث کی کتابوں میں حدیث غدیر نقل کی ہے۔

اب ہم ایسے مفسرین قرآن کی ایک فہرست پیش کرتے ہیں، جنہوں نے تفسیر قرآن کے دوران واقعہ غدیر کے سلسلے میں نازل شدہ آیات کے شأن نزول کے بارے میں حقائق لکھنے سے چشم پوشی نہیں کی ہے، تاکہ لوگ اس سے استفادہ کرسکیں۔ کیونکہ کوئی مفسر ہرگز حاضر اور راضی نہ ہوگا کہ اس کی تفسیر کا کام ناقص اور ادھورا رہے:

۱۔ طبری (وفات ۳۱۰ھ) نے اپنی تفسیر میں۔

۲۔ ثعلبی (وفات ۴۲۷ یا ۴۳۷ھ) نے اپنی تفسیر میں۔

۳۔ واحدی (وفات ۴۶۸ھ) نے ''اسباب النزول'' میں۔

۴۔ قرطبی (فات ۵۶۷ھ) نے اپنی تفسیر میں۔

۵۔ ابومسعود (وفات ۹۸۲ھ) نے اپنی تفسیر میں۔

۶۔ فخر رازی (وفات ۶۰۶ھ) نے اپنی عظیم تفسیر ''مفاتیح الغیب'' میں۔

۷۔ ابن کثیر شامی (وفات ۷۷۴ھ) نے اپنی تفسیر میں۔

۸۔ نیشابوری (وفات آٹھویں صدی ہجری) نے اپنی تفسیر میں۔

۹۔ جلال الدین سیوطی (وفات ۹۱۱ھ) نے اپنی تفسیر ''الدر المنثور'' میں۔

۱۰۔ خطیب شربیانی (وفات ۹۷۷ھ) نے اپنی تفسیر میں۔

۱۱۔ آلوسی بغدادی (وفات ۱۲۷۰ھ) نے ''روح المعانی'' میں۔

ان کے علاوہ دیگر مفسروں نے بھی اپنی تفاسیر میں مربوطہ آیات کی مذکورہ صورت میں تفسیر کی ہے۔

متکلمین اور علم کلام کے علماء بھی جو علم کلام کے ہر مسئلے میں استدلال پیش کرتے ہیں اور جب ان کا سامنا مسئلہ امامت سے ہوتا ہے تو مدعی پر غلبہ پانے کے لئے یا اپنے مدمقابل کے سامنے

استدلال پیش کرنے کے لئے غدیر کے واقعہ کو بیان کرنے کے لئے مجبور ہو جاتے ہیں۔ اگر چہ وہ اپنے خیال میں اس کی دلالت کے سلسلہ میں مناقشہ کا سہارا لیتے ہیں۔

ذیل میں ہم چند ایے متکلمین کا نام درج کرتے ہیں جنھوں نے اپنی کتابوں میں اس واقعہ کو ثبت کیا ہے:

۱۔ قاضی ابوبکر باقلانی بصری (وفات ۴۰۳ھ) نے ''التمہید'' میں۔

۲۔ قاضی عبدالرحمن ایجی شافعی (وفات ۷۵۶ھ) نے ''المواقف'' میں۔

۳۔ سید شریف جرجانی (وفات ۸۱۶ھ) نے ''شرح المواقف'' میں۔

۴۔ بیضاوی (وفات ۶۸۵ھ) نے ''طوالع الانوار'' میں۔

۵۔ شمس الدین اصفہانی (وفات ۷۴۹ھ) نے ''مطالع الأنظار'' میں۔

۶۔ تفتازانی (وفات ۷۹۲ھ) نے ''شرح المقاصد'' میں۔

۷۔ قوشچی مولا علاء الدین (وفات ۸۷۹ھ) نے ''شرح التجرید'' میں۔

ان علماء نے واقعہ غدیر کو یوں ذکر کیا ہے:

''بیشک پیغمبر اسلامؐ حجۃ الوداع سے لوٹتے ہوئے جب جحفہ، جو کہ اور مدینہ کے راستے پر واقع ہے، پہنچے تو غدیر خم کے دن، جبکہ سخت گرمی تھی اور گرمی کا یہ عالم تھا کہ لوگ اپنی ردائیں اپنے پیروں تلے رکھتے تھے۔ آنحضرتؐ نے لوگ کو اکٹھا کیا اس کے بعد ایک بلند جگہ بنائی گئی اور آپؐ اس پر تشریف لے جا کر لوگوں سے یوں مخاطب ہوئے:

اے مسلمانو! '' أ لست اولی بکم من انفسکم؟'' آیا میں تمہارے لئے تمہارے نفوس سے زیادہ اولی و برتر نہیں ہوں؟

لوگوں نے جواب دیا: خدا کی قسم ہاں.

اس کے بعد آپؐ نے فرمایا:

"من کنت مولاہ فعلی مولاہ، اللّھم وال من والاہ وعاد من عاداہ، وانصر من نصرہ و اخذل من خذلہ"[1]

اس کے علاوہ درج ذیل متکلمین نے بھی اپنی کتابوں میں اس کا ذکر کیا ہے:

۸۔ قاضی نجم محمد شافعی (وفات ۷۸۶ھ) نے ''بدیع المعانی'' میں۔

۹۔ جلال الدین سیوطی (وفات ۹۱۱ھ) نے اپنی ''اربعین'' میں۔

۱۰۔ مفتی شام حامد بن علی عمادی (وفات ۱۱۷۱ھ) نے ''الصلوۃ الفاخرہ بالأحادیث المتواترہ'' میں

۱۱۔ آلوسی بغدادی (وفات ۱۳۲۴ھ) نے ''نثر اللآلی'' میں۔

ان کے علاوہ اور دوسرے متکلمین نے بھی اپنی تالیفات میں اس واقعہ کو لکھا ہے۔

علم لغت کے ماہرین کے لئے بھی اس کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا کہ، ''الموالی'' یا ''الخم'' ''یا الغدیر'' یا ''الولی'' جیسے الفاظ اور اصطلاحات کی وضاحت کرتے ہوئے حدیث غدیر کی طرف اشارہ کریں۔ ان میں سے چند ایک کے نام یہ ہیں:

۱۔ ابن درید محمد بن حسن (وفات ۳۲۱ھ) نے ''جمہرہ'' ج ۱ ص ۷۱ میں

۲۔ ابن اثیر (وفات ۶۰۶ھ) نے ''النہایہ'' میں۔

۳۔ حموی (وفات ۶۲۶ھ) نے ''معجم البلدان'' کے لفظ ''خم'' میں۔

۴۔ زبیدی حنفی (وفات ۱۲۰۵ھ) نے ''تاج العروس'' ج ۱۰ ص ۳۹۹ میں۔

۵۔ نبھانی (وفات چودھویں صدی ہجری) نے ''المجموعة النبھانیة'' میں۔

۱۔ یہ تعبیرات ناقلین کے عین لفظ میں جنھیں انہوں نے سند کے ذکر کے بغیر ''ارسالِ مسلّم'' کی صورت میں نقل کیا ہے۔

دوسری فصل:

غدیر خم کا واقعہ

پیغمبر اسلامؐ نے ۱۰ھ کو لوگوں میں یہ اعلان کرایا کہ مکہ کی طرف سفر اور حج بیت اللہ کے لئے آمادہ ہو جائیں۔ مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد فریضہ حج انجام دینے کی غرض سے اطراف و جوانب سے آکر مدینہ منورہ میں اکٹھا ہوئی۔

آنحضرتؐ نے ہجرت کے زمانے سے رحلت تک اس حج کے علاوہ کوئی اور حج انجام نہ دیا تھا۔ اس حج کو "حجۃ الوداع"، "حجۃ الاسلام"، "حجۃ البلاغ"، "حجۃ الکمال" اور "حجۃ التمام" کہا جاتا ہے۔

آنحضرتؐ سنیچر کے دن، ذیقعدہ کی ۲۴ یا ۲۵ تاریخ کو غسل وغیرہ کر کے اور احرام کے سادہ دو ٹکڑے لباس پہن کر مدینہ منورہ سے پیدل باہر تشریف لائے اور خواتین کو کجاوں میں سوار کر کے اپنے خاندان کے تمام افراد، مہاجرین وانصار، عرب قبائل اور علاقہ کے لوگوں کی ایک بڑی تعداد کے ہمراہ راہی سفر ہوئے۔

اتفاقاً ان دنوں چیچک یا ٹائیفائیڈ کی وبا پھیلی ہوئی تھی۔ اس وجہ سے بہت سے لوگ پیغمبرؐ کے ساتھ حج کرنے نہ جا سکے، اس کے باوجود لوگوں کی ایک بڑی جمعیت پیغمبر اکرمؐ کے ساتھ نکلی جس کی صحیح تعداد سے خدا ہی واقف ہے۔

کہا جاتا ہے کہ ۹۰ ہزار یا ایک لاکھ چودہ ہزار یا ایک لاکھ بیس ہزار یا ایک لاکھ چوبیس ہزار یا اس سے زیادہ تعداد میں مسلمان پیغمبر اکرمؐ کے ساتھ روانہ ہوئے۔ لیکن آنحضرتؐ کے ساتھ فریضۂ حج انجام دینے والوں کی تعداد اس سے کہیں زیادہ تھی، کیونکہ مکہ کے مسلمان اور جو لوگ یمن سے حضرت علیؑ اور ابوموسیٰ کے ساتھ آئے تھے، وہ بھی آنحضرتؐ سے آملے تھے۔

آنحضرتؐ اتوار کی صبح کو "یلملم" پہنچے اور غروب کو "شرف السیالہ" میں تھے اور نماز مغرب وعشا وہیں پڑھ لی اور صبح کی نماز "عرق طبیہ" میں ادا کی۔ اس کے بعد "روحاء" میں پڑاؤ ڈالا اور وہاں سے روانہ ہو کر نماز عصر "منصرف" میں اور مغرب عشا "متعشی" میں بجالائے اور اسی جگہ پر رات کا کھانا تناول فرمایا۔

اس کے بعد نماز صبح "اثابہ" میں پڑھی اور منگل کی صبح کو "عرج" پہنچے۔ اس کے بعد جحفہ کے نزدیک "لحی جمل" کے مقام پر فصد کھلوائی یعنی حجامت کروائی۔ اس کے بعد بدھ کے دن "سقیا" میں پڑاؤ ڈالا اور صبح کی نماز "ابواء" میں بجالائے وہاں سے روانہ ہو کر جمعہ کے دن "جحفہ" اور وہاں سے "قریہ" پہنچے اور سنیچر کو وہاں پر قیام فرمایا، اتوار کو "عسفان" پہنچے اور وہاں سے "غمیم" کی طرف روانہ ہوئے۔

یہ وہ جگہ ہے جہاں پیدل چلنے والوں نے تھکاوٹ کی شکایت کی۔ پیغمبر اکرمؐ نے ان سے فرمایا کہ دوڑنے کا سہارا لیں۔ انہوں نے ایسا ہی کیا تو نشاط و تازگی پیدا ہوئی۔

دوشنبہ کو "مر ظہران" پہنچے۔ غروب کو "سرف" پہنچے لیکن نماز مغرب وہاں پر نہ پڑھی جب تک مکہ کے نزدیک نہ پہنچ گئے۔ جب "ثنیتین" (مکہ سے ملے ہوئے دو پہاڑ) پہنچے تو وہاں پر پڑاؤ ڈال کر رات گذاری۔ اس کے بعد منگل کے دن مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حج کے اعمال انجام دئے۔ مدینہ لوٹتے ہوئے تمام مسلمانوں اور حجاج کے ساتھ ۱۸/ ذی الحجہ کو جحفہ کے علاقہ میں غدیر خم کے مقام پر پہنچے۔ یہ وہ جگہ تھی جہاں پر اہل مدینہ

مصر اور عراق کے راستے جدا ہوتے تھے۔ یہیں پر جبرئیل امین خداوند متعال کی طرف سے رسول اللہؐ پر نازل ہوئے اور پیغام خداوندی کو اس آیہ کریمہ کی صورت میں پہنچایا:

﴿ یاایھاالرسول بلّغ ماانُزل الیک من ربّک... ﴾

آپؐ کو حکم دیا کہ علی علیہ السلام کا تعارف امام و ولی کے عنوان سے کرائیں اور تمام لوگوں میں اعلان کریں کہ علی علیہ السلام کی اطاعت و فرمانبرداری سب پر واجب و فرض ہے۔

یہاں پر پیغمبر اسلامؐ نے حکم دیا کہ آگے بڑھے ہوئے لوگ پیچھے آئیں اور جو قافلہ سے پیچھے رہ گئے ہیں، ان کا انتظار کیا جائے۔ اس کے بعد تمام حجاج جحفہ کے علاقہ میں ''غدیر خم'' کے مقام پر جمع ہوئے... نماز ظہر کی اذان دی گئی... شدید گرمی کا دن تھا۔ گرمی کا یہ عالم تھا کہ لوگ اپنی ردا کا ایک حصہ اپنے سر پر اور دوسرا حصہ اپنے پیروں تلے رکھتے تھے... پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز تمام کرنے کے بعد اونٹوں کے پالان سے بنائے گئے منبر پر تشریف لے گئے اور لوگوں سے یوں مخاطب ہوئے کہ سب نے آپؐ کی آواز سنی۔ آپؐ نے فرمایا:

'' حمد و ستایش کا حقدار خداوند تعالیٰ ہے۔ ہم اُسی سے مدد چاہتے ہیں، اُسی پر ایمان رکھتے ہیں اور اسی پر توکل کرتے ہیں۔ اور نفس امارہ کے شر اور اپنے برے اعمال کے لئے اسی سے پناہ چاہتے۔ وہ خدا جس کے علاوہ کوئی گمراہوں کی ہدایت کرنیوالا نہیں ہے۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ خدا کا کوئی شریک اور ہمسفر نہیں ہے۔ محمدؐ اُس کا بندہ و رسول ہے۔

امابعد:

اے لوگو! خداوند علیم و مہربان نے مجھے خبر دی ہے کہ میری زندگی کے ایام جلد ہی تمام ہونے والے ہیں اور میں عنقریب اس کی دعوت کو لبیک کہنے والا ہوں۔ جبکہ میں اور تم سب مسؤل ہیں، بتاؤ کیا کہتے ہو؟

لوگوں نے کہا: ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپؐ نے رسالت الٰہی کو پہنچا دیا اور نیکی کی ہدایت کی

اور اس سلسلے میں کوشش کی۔ لہذا خداوند کریم آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے۔

پیغمبرؐ نے فرمایا: کیا تم لوگ گواہی نہیں دیتے ہو کہ خدا کے علاوہ کوئی معبود نہیں ہے اور یہ کہ محمدؐ اس کا بندہ و رسول ہے، اور بہشت و جہنم اور مرنا حق ہے اور بلاشبہ قیامت برپا ہوگی اور خدائے تعالیٰ ہر ایک کو قبروں میں سے زندہ کر کے اٹھائے گا؟

لوگوں نے کہا: ''ہم سب اس کی گواہی دیتے ہیں۔''

پیغمبر اسلامؐ نے فرمایا: خداوندا! تم شاہد رہنا!

اور اس کے بعد فرمایا: اے لوگو! کیا تم لوگ سن رہے ہو؟

لوگوں نے کہا: جی ہاں!

آپؐ نے فرمایا: میں تم لوگوں سے پہلے حوض کوثر پر پہنچوں گا اور تم لوگ حوض کوثر پر میرے پاس آؤ گے جس کی چوڑائی صنعا و صغریٰ کے درمیانی فاصلہ کے برابر ہے اور اس کے چاندی کے پیالوں کی تعداد ستاروں کے برابر ہے۔ پس دھیان رہے کہ تم میرے بعد ثقلین — ''دو گراں قدر چیزوں'' — کا کیسا خیال رکھتے ہو!

لوگوں میں سے ایک منادی نے آواز بلند کی: یا رسول اللہ! یہ ثقلین کیا ہے؟

پیغمبر اسلام نے فرمایا: ''ثقل اکبر'' خدا کی کتاب ہے کہ اس کا ایک سرا خدا کے ہاتھ میں ہے اور دوسرا سرا تمہارے ہاتھوں میں۔ لہذا اس کو پکڑے رہو تا کہ گمراہ نہ ہو اور دوسرا ''ثقل اور چھوٹا ثقل'' میری عترت ہیں۔ خداوند علیم اور مہربان نے مجھے اطلاع دی ہے کہ یہ دو ہرگز ایک دوسرے سے جدا نہیں ہوں گے یہاں تک کہ حوض کوثر کے کنارے پر مجھ سے آملیں گے اور میں نے بھی خدا سے چاہا ہے کہ ایک دوسرے سے جدا نہ ہوں۔ لہذا ان پر برتری حاصل کرنے کی کوشش نہ کرنا اور ان کے بارے میں لاپرواہی نہ برتنا ورنہ، ہلاک ہو جاؤ گے۔

اس کے بعد علی علیہ السلام کا ہاتھ پکڑ کے اتنا بلند کیا کہ دونوں کے بغل کے نیچے کی سفیدی

نمودار ہوگئی اور تمام لوگوں نے انھیں پہچان لیا، اس وقت آپ نے فرمایا:

''ایھا الناس! مَنْ اولیٰ الناس بالمؤمنین من انفسھم؟''

ای لوگو! کون مؤمنین پر ان کے اپنے نفوس سے زیادہ ولایت رکھتا ہے؟

لوگوں نے کہا: خدا اور اس کا رسولؐ بہتر جانتے ہیں۔

پیغمبرؐ نے فرمایا:

''ان اللہ مولای وانامولی المؤمنین وانااولیٰ بھم من انفسھم فمن کنت مولاہ فعلی مولاہ''

خدا میرا مولا ہے اور میں مومنین کا مولا ہوں اور ان پر ولایت رکھتا ہوں، پس جس جس کا میں مولا ہوں اس کے علیؑ بھی مولا ہیں۔

اس جملے کو آنحضرتؐ نے تین بار دہرایا۔ حنبلیوں کے امام، احمد بن حنبل کہتے ہیں کہ چار مرتبہ ارشاد فرمایا۔

اس کے بعد فرمایا:

''اللّٰھم وال من والاہ و عاد من عاداہ و احبّ من احبّہ و أبغض من ابغضہ، و انصر من نصرہ و اخذل من خذلہ و أدر الحق معہ حیث دار''

(خداوندا! جو اس کے ساتھ دوستی رکھے تو اس کا دوست ہو اور جو اس کے ساتھ دشمنی کرے تو اس کا دشمن ہو، محبت کر اس کے ساتھ جو اس سے محبت کرے، بغض رکھ اس کے ساتھ جو اس سے بغض کرے، مدد کر اس کی جو اسکی مدد کرے اور ذلیل کر اسے جو اسے ذلیل کرے، وہ جہاں کہیں ہو حق کو اسی طرف پھیر دے۔)

اس کے بعد پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا:

جو بھی یہاں پر حاضر ہے اس خبر کو ان لوگوں تک پہنچا دے جو یہاں پر موجود نہیں ہیں۔

لوگ ابھی متفرق نہیں ہوئے تھے کہ جبرئیل امین خداوند متعال کی طرف سے یہ آیت لیکر نازل ہوئے۔

﴿الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی . . . . .﴾

''آج میں نے تمہارے لئے دین کو کامل کردیا اور اپنی نعمتوں کو تم پر تمام کردیا....''[۱]

اس کے بعد لوگوں نے امیر المؤمنینؑ کو مبارکباد دینا شروع کی اور ابوبکر و عمران پہلے صحابہ میں سے تھے جنہوں نے حضرت علیؑ کو ان الفاظ میں مبارک باد پیش کی:

''بخ بخ لک یابن ابیطالب ! اصبحت و امسیت مولای و مولا کلّ مؤمن و مؤمنة''

'' مبارک ہو، مبارک ہو تم پر اے فرزند ابو طالبؑ ! آپ نے ایسی حالت میں صبح و شام کی کہ میرے اور تمام مؤمنین زن و مرد کے مولا ہو گئے۔''

اس وقت ابن عباس نے کہا: ''خدا کی قسم علیؑ کی ولایت سب پر واجب ہو گئی۔''

حسان نے کہا: اے رسول خدا! اجازت فرمائیے تو علیؑ کے بارے میں چند شعر کہوں۔

پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا: اس مبارک اور برکت الہی کی مناسبت سے کہو۔

اس پر حسان نے کھڑے ہو کر کہا:

اے قریش کے بزرگو! پیغمبر خداؐ کے حضور اس ولایت کے سلسلے میں، جو مسلّم اور حتمی ہوگئی، چند اشعار پیش کرتا ہوں. پھر یہ اشعار پڑھے :

ینادیھم یوم الغدیر نبیھم   بخم و اسمع بالرسول منادیاً

یہ تھا غدیر خم کے واقعہ کے بارے میں ایک خلاصہ جس کی مزید تفصیل آگے بیان ہوگی۔

ملّت اسلامیہ اس واقعہ پر اتفاق نظر رکھتی ہے اور پوری دنیا میں غدیر کے اس اسلامی واقعہ

۱۔ سورہ مائدہ آیہ ۳۔

کے علاوہ اور کچھ نہیں پایا جاتا، جو ذکر ہوا، یعنی جب بھی اس دن کا ذکر کیا جاتا ہے، تو اس سے اس کے سوا ذہن میں کچھ نہیں آتا جو ہم نے بیان کیا ہے۔ اور اگر اس کی جگہ اور مکان کا ذکر کیا جائے تو یہی جحفہ کا مقام ہر ایک کا جانا پہچانا ہے اور سب کے ذہن میں آجاتا ہے اور محققین و جویائے حقیقت افراد کے درمیان معروف و مشہور ہے۔

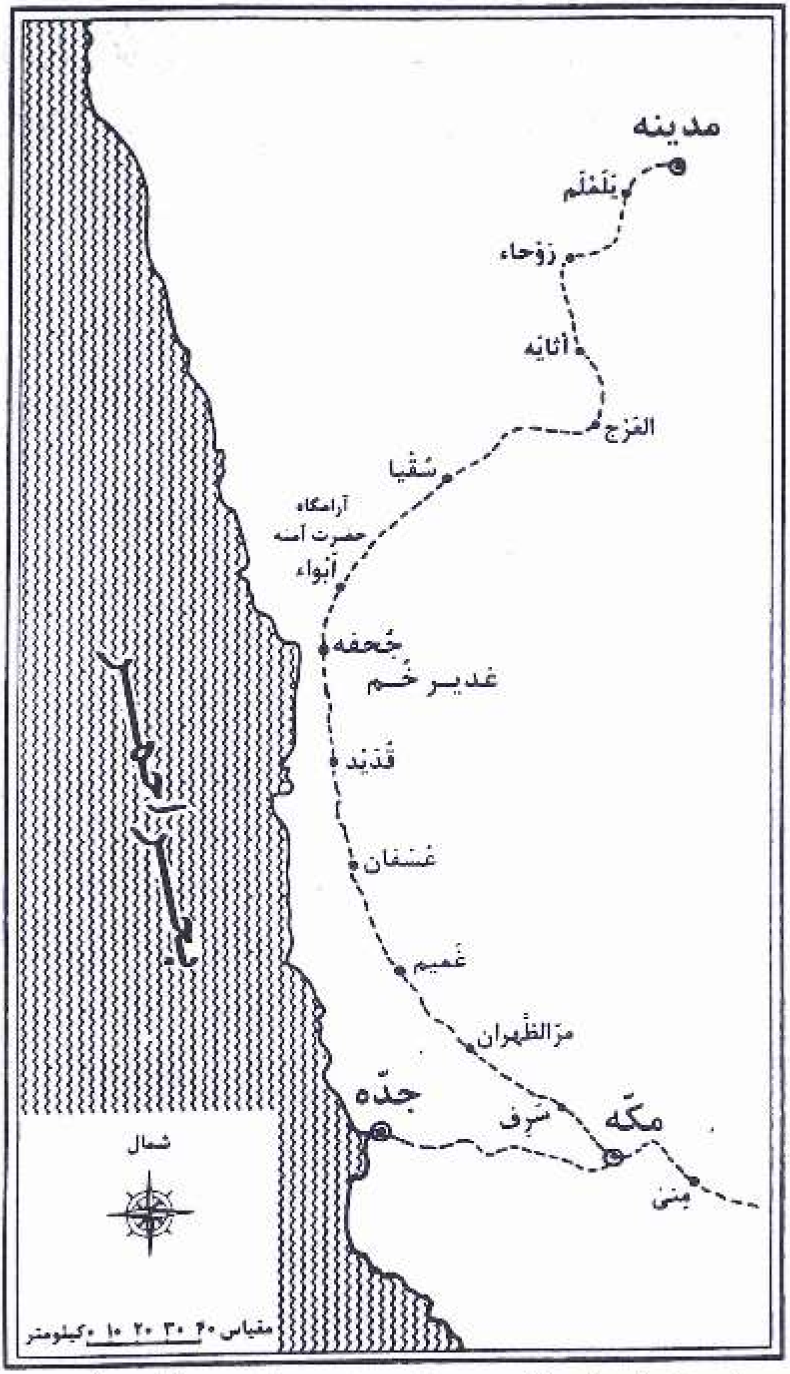

حجۃ الوداع کے موقع پر پیغمبر اسلامؐ کے مدینہ سے مکہ تک سفر کے راستے کا خاکہ اور غدیر خم کے مقام کی نشاندہی

تیسری فصل:

غدیر پر خدا کی توجہ

خداوند متعال نے خود واقعہ کی نشر واشاعت کے سلسلے میں ایک خاص توجہ وعنایت فرمائی ہے تا کہ یہ داستان عام لوگوں اور راویوں کے زبان زد ہو جائے اور دین خدا کے حامی اور امام بر حق، حضرت علیؑ کیلئے ایک قوی استدلال اور سند بن جائے، اسی لئے خداوند متعال نے اپنے پیغمبر گرامی کو ایک حساس موقع اور بہت بڑے مجمع میں، جب آپؐ حج اکبر سے واپس آ رہے تھے، حضرت علیؑ کی ولایت کا اعلان کرنے کی تاکید کی اور حکم فرمایا۔ صرف اسی پر اکتفاء نہ کی بلکہ خدا نے یہ ارادہ فرمایا کہ غدیر کی داستان ہمیشہ تر وتازہ اور شاداب رہے اور زمانہ وتاریخ اس واقعہ کو کہنہ اور فرسودہ نہ کرنے پائے۔

اس مقصد کے لئے خداوند متعال نے روشن وواضح آیات نازل فرمائیں اور مسلمان ہر روز ان کی تلاوت کرتے ہیں۔ گویا خداوند متعال چاہتا ہے کہ ان آیات کی تلاوت کرنیوالے ہر شخص کی توجہ اس امر کی طرف مرکوز کرے، اس کے دل میں یہ بات اتارے اور اس کو گوش گذار کرے کہ ان آیات اور وقائع میں مشخص شدہ مصداق اور شخص کی خلافتِ کبریٰ اور ولایت عظمیٰ الٰہی کا مطیع ہونا اس کے اہم فرائض اور واجبات میں سے ہے۔

آیات

آیۂ تبلیغ:

﴿یا ایها الرسول بلغ ما انزل الیک من ربک و ان لم تفعل فما بلّغت رسالته واللہ یعصمک من الناس﴾[1]

"اے پیغمبر! آپ اس حکم کو پہنچادیں جو آپ کے پروردگار کی طرف سے نازل کیا گیا ہے اور اگر آپ نے یہ نہ کیا تو گویا اس کی رسالت کو نہیں پہنچایا اور خدا آپ کو لوگوں کے شر سے محفوظ رکھے گا۔"

یہ آیۂ کریمہ ۱۸ ذی الحجہ کو حجۃ الوداع کے موقع پر (۱۰ ہجری) میں نازل ہوئی ہے۔ جب پیغمبر اکرمؐ مکہ سے واپس لوٹتے ہوئے غدیر خم پر پہنچے اور دن کی پانچ ساعتیں گذر چکی تھیں، جبرئیل امین اس آیت کو لے کر نازل ہوئے اور کہا:

اے محمد! خدا آپ پر سلام بھیجتا ہے اور کہتا ہے:

﴿یا ایها الرسول بلّغ ما انزل الیک من ربک ...﴾

اے ہمارے رسول! جو کچھ علیؑ کے بارے میں آپ کے پروردگار کی طرف سے نازل ہوا ہے، اسے پہنچادیں۔ اگر آپ نے ایسا نہ کیا تو گویا اس کی رسالت کو نہیں پہنچایا۔

۱۔ سورہ مائدہ/۶۷

اس فرمان الٰہی کے بعد، مسلمان ـــ جن کی تعداد ایک لاکھ سے زائد تھی ـــ بعض جحفہ پہنچ گئے تھے اور بعض ابھی غدیر خم کے علاقہ میں نہیں پہنچے تھے۔ پیغمبر اسلامؐ نے حکم دیا کہ جو آگے بڑھ گئے ہیں پیچھے آئیں اور انتظار کریں تا کہ پیچھے رہ جانے والے لوگ پہنچ جائیں۔ جب سب اس حساس اور عظیم مقام پر جمع ہو گئے، تو پیغمبر اسلامؐ نے علی علیہ السلام کا ہاتھ پکڑ کر لوگوں کو پہچوایا اور علیؑ کی ولایت کے سلسلے میں جو حکم خدا کی طرف سے آپ کو ملا تھا اسے انجام دیا۔ خدا نے اپنے پیغمبرؐ کو خبر دیدی تھی کہ وہ انہیں لوگوں کے شر سے محفوظ رکھے گا۔

غدیر کا واقعہ اسلام کے مسلّم حقائق میں سے ہے

جو کچھ اوپر بیان ہوا وہ امامیہ اور پیروان اہل بیتؑ کے مسلّمات میں سے تھا، اب اہلسنت میں سے جن لوگوں نے اس حدیث کو بیان کیا ہے ان کے نام ذیل میں درج کیے دیتا ہوں:

۱۔ طبری (وفات ۳۱۰ھ) نے '' کتاب الولایة فی طرق حدیث الغدیر '' میں۔

۲۔ حنظلی رازی (وفات ۳۲۷ھ)

۳۔ محاملی (وفات ۳۳۰ھ) نے کتاب ''امالی'' میں

۴۔ حافظ شیرازی (وفات ۴۰۷ھ) نے کتاب '' ما نزل من القرآن فی امیر المؤمنین '' میں۔

۵۔ ابن مردویہ (وفات ۴۱۶ھ)[۱]

۶۔ ثعلبی نیشابوری (وفات ۴۲۷ھ) نے ''الکشف والبیان'' میں۔

۱۔ اور عجیب ہے یہ کہ ان بزرگ نے اپنے اسناد سے ابن مسعود سے نقل کر لیا ہے کہ: ہم پیغمبر خدا کے زمانے میں ایسے پڑھتے تھے: اے خدا کے رسول! اسے پہنچا دے جو تیرے پروردگار کی طرف سے تجھ پر نازل ہوا ہے اور وہ یہ ہے کہ ''علی مومنوں کے مولا ہیں'' اس حدیث کو سیوطی نے ''الدر المنثور'' اور شوکانی نے ''فتح القدیر'' اور اربلی نے ''کشف الغمہ'' میں درج کیا ہے۔

۷۔ابونعیم اصفہانی (وفات ۴۳۰ھ) نے" ما نزل من القرآن فی علی" میں۔

۸۔واحدی نیشابوری (وفات ۴۶۸ھ) نے "اسباب النزول" میں۔

۹۔ابوسعید سجستانی (وفات ۴۷۷ھ) نے "الولایۃ" میں۔

۱۰۔حاکم حسکانی (وفات اواخر پانچویں صدی) نے "شواہد التنزیل" میں۔

۱۱۔ابن عساکر شافعی (وفات ۵۷۱ھ) نے "الدر المنثور" اور فتح القدیر" کی نقل سے۔

۱۲۔نطنزی (وفات چھٹی صدی ہجری) نے "الخصائص العلویہ" میں۔

۱۳۔فخر رازی (وفات ۶۱۶ھ) نے "التفسیر الکبیر" میں۔

۱۴۔نصیبی شافعی (وفات ۶۵۲ھ)

۱۵۔موصلی حنبلی (وفات ۶۶۱ھ) نے اپنی تفسیر میں جس کا ذکر ذہبی نے "تذکرۃ الحفاظ" ج ۴ص ۲۴۳ میں کیا ہے اور اس کی تعریف کی ہے۔

۱۶۔ابواسحاق حموینی (وفات ۷۳۲ھ) نے "فرائد السمطین" میں۔

۱۷۔سید علی ہمدانی (وفات ۷۸۶ھ) نے مودۃ القربیٰ" میں۔

۱۸۔ابن عینی حنفی (وفات ۸۵۵ھ) نے "عمدۃ القاری فی شرح صحیح البخاری ج ۸ صف ۵۸۴ میں۔

۱۹۔ابن صباغ مالکی (وفات ۸۵۵ھ) نے "الفصول المھمہ" میں۔

۲۰۔نظام الدین نیشابوری (وفات آٹھویں صدی ہجری) نے "السایر الدایر" میں۔

۲۱۔کمال الدین میبدی (وفات ۹۰۸ھ کے بعد) نے "شرح دیوان امیر المومنین" میں

۲۲۔جلال الدین سیوطی (وفات ۹۱۱ھ) نے "الدر المنثور" میں۔

۲۳۔عبدالوہاب بخاری (وفات ۹۳۲ھ) نے اپنی تفسیر میں۔

۲۴۔سید جمال الدین شیرازی (وفات ۱۰۰۰ھ) نے "اربعین" میں

۲۵۔محمد محبوب عالم (وفات گیارہوں صدی ہجری) نے ''تفسیر شاہی'' میں۔

۲۶۔قاضی شوکانی (وفات ۱۲۵۰ھ) نے ''فتح القدیر'' میں

۲۷۔آلوسی بغدادی (وفات ۱۲۷۰ھ) نے ''روح المعانی'' میں۔

۲۸۔محمد بدخشانی (وفات ۱۲ ویں صدی ہجری) نے ''مفتاح النجاۃ'' میں۔

۲۹۔قندوزی حنفی (وفات ۱۲۹۳ھ) نے ''ینابیع المودۃ'' میں۔

۳۰۔شیخ محمد عبدہ مصری (وفات ۱۳۲۳ھ) نے ''المنار'' میں۔

یہ تھے آیہ شریفہ تبلیغ کی شان نزول کے بارے میں اہل سنت کے منابع وماخذ کہ یہ آیت غدیر خم میں نازل ہوئی ہے۔

آیہ اکمال دین

وہ تمام آیات جو غدیر کے دن امیر المؤمنین حضرت علی علیہ السلام کی ولایت کی شان میں نازل ہوئیں ان میں یہ آیت بھی ہے:

﴿الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا﴾[1]

''آج میں نے تمہارے لئے دین کو کامل کردیا ہے اور اپنی نعمتوں کو تم پر تمام کردیا ہے اور تمہارے لئے دین اسلام کو پسندیدہ بنادیا ہے۔''

امامیہ اور اہل بیتؑ کے پیرو اس پر اتفاق نظر رکھتے ہیں کہ یہ آیت نص غدیر کی شکل میں اس وقت نازل ہوئی ہے جب پیغمبر اسلامؐ نے واضح اور باضابطہ طور حضرت علیؑ کی ولایت کا لوگوں میں اعلان فرمایا اور تمام اصحاب اور عربوں نے اسے اچھی طرح سمجھ لیا۔اس سلسلے میں بہت سے مفسر،

۱۔سورہ مائدہ/۳

ماہرین حدیث اور سیرت لکھنے والے سنّی علماء بھی امامیہ کے ساتھ اتفاق نظر رکھتے ہیں۔

اس مطلب کی عقلی اعتبار سے بھی تائید ہوتی ہے اور احادیث اور روایات کے لحاظ سے بھی۔ تفسیر فخر رازی میں نا قابل انکار صورت میں، حدیث اور تاریخ کے علماء کے حوالے سے اس کی تائید کی گئی ہے۔

تفسیر رازی کی ثابت اور مسلّم روایت اس طرح ہے:

"جب پیغمبر پر یہ آیت نازل ہوئی اس کے بعد آپ اکاسی ۸۱ یا بیاسی ۸۲ دن زندہ رہے۔"[1]

اور ابوالسعود نے بھی اپنی تفسیر میں —— جو تفسیر رازی کے حاشیہ میں درج ہے —— اس مدت کی تعیین وتائید کی ہے۔ اور اہل سنت کے مورخین نے لکھا ہے کہ پیغمبر اسلامؐ نے بارھویں ربیع الاول کو وفات پائی اگر تینوں مہینے (ذی الحجہ، محرم، صفر) ۲۹ دن کے حساب کیے جائیں تو ۸۲ دن ہوتے ہیں۔ اس لحاظ سے یہ پتہ چلتا ہے کہ یہ آیت غدیر کے دن نازل ہوئی ہے جو ۱۸ ذی الحجہ سال حجۃ الوداع کی تاریخ تھی۔

بہر حال اس آیت کا غدیر کے دن نازل ہونا حقیقت کے نزدیک تر ہے برعکس اس کے کہ اس کا نزول عرفہ کے دن مانیں۔ جیسا کہ صحیح بخاری و صحیح مسلم وغیرہ میں ذکر ہوا ہے۔ اگر ہم دوسری صورت فرض کریں تو اس آیت کا عرفہ کے دن نازل ہونے کا لازمہ یہ ہوگا ہے کہ آنحضرتؐ کی اس آیت کے نزول کی ذکر شدہ مدت (۸۱ یا ۸۲ دن) میں چند دنوں کا اور اضافہ کیا جائے۔

دوسرے یہ کہ اس آیت کے غدیر کے دن نازل ہونے کی دلیل کو بہت سی دیگر روایتوں کی حمایت حاصل ہے ایسی روایتیں جن کے مضمون کو تسلیم کرنے کے علاوہ کوئی چارہ ہی نہیں ہے

۱۔ تفسیر فخر رازی ۳/۳۶۹

اہل سنّت کے بزرگوں کا نظریہ:

آیۂ شریفہ ''اکمال دین'' کے بارے میں چند نامور اہل سنّت دانشوروں کے نام جنہوں نے اس آیت کے غدیر خم کے دن نازل ہونے کی تائید کی ہے، حسب ذیل ہیں:

۱۔ طبری (وفات ۳۱۰ھ) نے کتاب ''ولایۃ'' میں زید بن ارقم سے نقل کیا ہے کہ یہ آیت غدیر خم کے دن امیر المؤمنین علیہ السلام کی شان میں نازل ہوئی ہے۔

۲۔ ابن مرویہ اصفہانی (وفات ۴۱۰ھ) نے ابی ہارون سے اس سلسلہ میں ایک حدیث نقل کی ہے۔

۳۔ ابونعیم اصفہانی (وفات ۴۳۰ھ) نے اپنی کتاب ''مانزل من القران فی علی'' میں اسکا ذکر کیا ہے۔

۴۔ ابوسعید بجستانی (وفات ۴۷۷ھ) نے کتاب ''الولایۃ'' میں ذکر کیا ہے۔

۵۔ خطیب بغدادی (وفات ۴۶۳ھ) نے ''تاریخ بغداد'' میں لکھا ہے۔

۶۔ ابن مغازلی شافعی (وفات ۴۸۳ھ) نے اپنی ''مناقب'' میں روایت کی ہے۔

۷۔ حاکم حسکانی (وفات ۴۹۰ھ)

۸۔ ابن عساکر شافعی (وفات ۵۷۱ھ) سیوطی کی ''الدر المنثور'' میں اس سے روایت کی گئی ہے۔

۹۔ خطیب خوارزمی (وفات ۵۶۸ھ) نے ''مناقب'' میں ذکر کیا ہے۔

۱۰۔ ابوالفتح نطنزی (وفات چھٹی صدی ہجری) نے کتاب ''الخصائص العلویۃ'' میں ذکر کیا ہے اور اسی کتاب میں اپنی اسناد کے ذریعہ امام محمد باقر علیہ السلام اور امام جعفر صادق علیہ السلام سے نقل کرتا ہے کہ ان دونوں حضرات نے فرمایا: ''آیۂ تبلیغ غدیر کے دن نازل ہوئی اور اسی دن

آیہ "اکملت لکم دینکم بھی نازل ہوئی۔''
اس کے بعد امام صادق علیہ السلام سے نقل کرتا ہے کہ انہوں نے فرمایا:

''ای اکملت لکم دینکم باقامة حافظه ،واتممت علیکم نعمتی ای : بو لا یتنا، ورضیت لکم الاسلام دیناً،ای :تسلیم النفس لأمرنا.''

۱۱۔ ابو حامد سعید الدین صالحانی شہاب الدین احمد اپنی کتاب ''توضیح الدلائل'' میں امام جعفر صادقؑ سے نقل کرتا ہے کہ آیہ ''اکملت لکم دینکم'' غدیر خم میں نازل ہوئی ہے۔ اور اس کے بعد رسول خداؐ نے فرمایا:

''اللہ اکبر علی اکمال الدّین و اتمام النعمة ورضی الرّب برسالتی والولایة لعلیّ.''

۱۲۔ ابن جوزی (وفات ۶۵۴ ھ) نے اپنی کتاب ''تذکرہ'' میں ذکر کیا ہے۔
۱۳۔ شیخ الاسلام حموینی (وفات ۷۲۲ ھ) نے ''فرائد السمطین'' میں روایت کی ہے۔
۱۴۔ ابن کثیر دمشقی (وفات ۷۷۴ ھ) نے اپنی تفسیر میں ذکر کیا ہے۔
۱۵۔ جلال الدین سیوطی (وفات ۹۱۱ ھ) نے ''الدر المنثور'' میں روایت کی ہے۔
۱۶۔ میرزا محمد بدخشی نے ''مفتاح النجا'' میں ذکر کیا ہے۔

آلوسی کی حقیقت سے چشم پوشی!

یہ تھا اہل سنّت مفسرین، مورخین اور سیرت نگاروں کی نقل و روایات کا ایک مجموعہ۔ ان سب روایتوں اور اعترافات کے باوجود ''تفسیر روح المعانی'' کے مفسّر آلوسی بغدادی یوں کہتے ہیں:

''شیعوں نے ابو سعید خدری سے روایت کی ہے کہ: جب رسول خداؐ نے غدیر خم میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے بارے میں کہا: من کنت مولاہ فعلی مولاہ تو اس کے بعد یہ آیت نازل

ہوئی، اس کے بعد پیغمبرؐ نے فرمایا: ''اللہ اکبر اعلیٰ اکمال الدین واتمام النعمة ورضی الرّب برسالتی و ولایة علی کرم اللہ وجہ بعدی.''

اس کے بعد آلوسی مزید کہتے ہیں: یہ مطلب شیعوں کی افترا پردازی ہے۔ اور اس روایت کا ضعیف اور بے اساس ہونا اس کے ابتدائی مطلب سے ہی واضح ہے''۔[1]

علامہ امینی لکھتے ہیں: ''ہم یہ احتمال نہیں دیتے کہ آلوسی نے لاعلمی ونادانی اور اس حدیث کے طرق روایت کو نہ جاننے اس حدیث کے راویوں سے ناآشنا ہونے کی وجہ سے اس قسم کا اظہار کیا ہے بلکہ اس کے جہالت آمیز افکار اور کینہ توزی اس امر کا سبب بنے کہ وہ اس قسم کی کھلی حقیقت سے انکار کریں۔ اور اس شخص نے اس کا بھی خیال نہیں کر دیا کہ اس کے بعد کوئی پیدا ہوگا جو اہل سنّت کی تفسیر وتاریخ سے آگاہ ہوگا اور اس سے محاسبہ کرے گا اور خوردبین کے ذریعہ جانچ پرکھے گا۔

ہم اس سے پہلے اہل سنت کے ائمہ حدیث اور بزرگان تفسیر وتاریخ سے نقل کر کے یہ دلیل لائے ہیں کہ آیہ شریفہ ﴿الیوم اکملت لکم ..﴾ واقعہ غدیرخم میں حضرت علی علیہ السلام کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ لہذا آلوسی کا اسے شیعوں سے مخصوص کرنا بالکل بے بنیاد ہے۔

دوسرا مطلب یہ ہے کہ آلوسی نے اس حدیث کے اسناد کو صرف ابی سعید سے مخصوص کیا ہے جبکہ دیگر مفسّرین اور مورخین نے ابی سعید کے علاوہ ابوہریرہ، جابر ابن عبداللہ انصاری، مجاہد، امام باقرؑ وامام صادق سے بھی اس حدیث کی روایت کی ہے۔

لیکن جہاں تک آلوسی کے اس دعویٰ کا تعلق ہے کہ یہ حدیث ذاتاً ضعیف وبے بنیاد ہے! اس کے جواب میں کہنا چاہئے کہ:

کیا یہ ضعف حدیث کے الفاظ اور کلمات میں ہے؟! جبکہ یہ حدیث اُن دیگر احادیث کے

۱۔ روح المعانی، ج ۲، ص ۲۴۹ ملاحظہ ہو۔

برابر ہے جو اس موضوع کے سلسلے میں نقل ہوئی ہیں اور اس کے اسلوب میں کسی قسم کی پیچیدگی یا ضعف نہیں پایا جاتا ہے اور نہ ہی اس کے بیان میں کسی قسم کی مشکل ہے اور نہ اس کی ساخت میں کوئی تنافر پایا جاتا ہے بلکہ یہ حدیث عربی ادبیات کے بنیادی معیاروں کے عین مطابق ہے۔

یا یہ کہ اس حدیث کے معنی و دلالت میں ضعف ہے؟ اس کے جواب میں کہنا چاہئے کہ اس کے معنی اور مقصد میں ہرگز کسی قسم کا ضعف نہیں ہے۔ ممکن ہے آلوسی یہ کہے کہ جو کچھ امیر المؤمنین کی فضیلت میں روایت کی جاتی ہے سب ضعیف ہے کیونکہ اس سے حضرت علیؑ کی فضیلت ثابت ہوتی ہے، اور یہ وہی جہل سے بھرا ہوا کینہ و بغض ہے جو اس کے حامل کو بدبختی و ہلاکت سے دوچار کرتا ہے۔"

اس کے بعد علامہ امینی کہتے ہیں:

"کاش مجھے معلوم ہوتا کہ شیعہ کا گناہ کیا ہے؟ کیا صحیح روایتوں کا نقل کرنا جن کو اہل سنت راویوں نے بھی نقل کیا ہے، گناہ شمار ہوتا ہے؟ البتہ ایک ناصبی شخص جو اہل بیتؑ سے بغض و کینہ و عناد رکھتا ہے ان سب چیزوں کو نظر انداز کر کے حقیقت سے انکار کر دیتا ہے اور صاف کہتا ہے کہ یہ شیعوں کا بہتان ہے۔"

آیہ عذاب واقع

نص غدیر کے بعد نازل ہونے والی آیتوں میں سورہ معارج کی آیہ شریفہ:

﴿سأل سائل بعذاب واقع للكافرين ليس له دافع من الله ذى المعارج﴾[۱]

"ایک مانگنے والے نے واقع ہونے والے ایسے عذاب کا سوال کیا۔ جس کا کافروں کے حق میں کوئی دفع کرنے والا نہیں ہے۔ یہ بلندیوں والے خدا کی طرف سے ہے"

اس آیت کے بارے میں شیعوں کے علاوہ سنیوں کے چند موثق و معتبر مفسروں اور محدثوں

۱۔ معارج/۱،۲،۳

نے بھی روایت کی ہے، جیسے:

۱۔ حافظ ابو عبید ہروی (وفات ۲۲۳ یا ۲۲۴ ہجری) نے اپنی تفسیر ''غریب القرآن'' میں اس طرح لکھا ہے:

''جب رسول خداؐ نے غدیر خم میں ابلاغ کیا، جو کچھ پیغمبرؐ نے ابلاغ کیا اس کی خبر مختلف شہروں میں پھیل گئی جابر[1] ابن نضر ابن حارث ابن کلدہ عبدری پیغمبر اسلامؐ کے پاس آیا اور کہا: اے محمدؐ! تم نے خدا کی طرف سے ہمیں حکم دیا کہ خدا کی وحدانیت کی شہادت دیں، اور تمہاری رسالت کی گواہی دیں۔ اس کے بعد ہمیں نماز و روزہ، حج و زکاۃ کا حکم دیا، ہم نے ان سب چیزوں کو قبول کیا، لیکن تم اس پر بھی راضی نہ ہوئے اور اب اپنے چچیرے بھائی کا ہاتھ پکڑ کر اسے بلند کر کے ہم پر اسے برتر قرار دیتے ہوئے کہا: ''من کنت مولاہ فعلی مولاہ'' ذرا بتاؤ کہ یہ کام تم نے خود انجام دیا ہے یا یہ خدا کا حکم تھا؟ پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا: ''خدائے واحد کی قسم یہ خدا کی طرف سے تھا۔'' جابر یہ سننے کے بعد پیغمبر کو چھوڑ کر اپنے اونٹ کی طرف گیا اور جاتے ہوئے کہتا گیا: ''خداوندا! جو کچھ محمدؐ نے کہا ہے، اگر سچ ہے تو ہم پر آسمان سے پتھر برسایا، ہم پر کوئی دردناک عذاب نازل فرما'' یہ جملے کہنے کے بعد ابھی وہ اپنے اونٹ کے پاس نہیں پہنچا تھا خداوند عالم نے آسمان سے اس کے سر پر ایک پتھر گرایا جو اس کے نیچے سے نکل گیا اور وہیں پر ڈھیر ہو گیا۔ اس کے بعد خداوند عالم نے آیۂ ''سأل سائل بعذاب واقع'' نازل فرمائی''۔

۲۔ ابوبکر نقاش موصلی بغدادی (وفات ۳۵۱ھ) نے تفسیر ''شفاء الصدور'' میں۔

۳۔ ابو اسحاق ثعلبی نیشاپوری (وفات ۴۲۷ یا ۴۳۷ھ) نے تفسیر ''الکشف والبیان'' میں۔

۴۔ حاکم ابو القاسم حسکانی (وفات ۴۹۰ ہجری کے بعد) نے کتاب ''دعاۃ الہداۃ'' میں۔

۵۔ ابوبکر یحییٰ قرطبی (وفات ۵۶۷ھ) نے تفسیر سورۂ حج میں۔

۱۔ ثعلبی کی روایت جس کا ذکر علمائے فن نے کیا ہے کہ یہ شخص حارث بن نعمان فہری تھا۔

۶۔ابن جوزی حنفی (وفات ۶۵۴ھ) نے ''تذکرہ'' میں۔

۷۔وصابی شافعی (وفات....ھ) نے کتاب ''الاکتفاء...'' میں۔

۸۔شیخ الاسلام حموینی (وفات ۷۲۲ھ) نے ''فرائد السمطین'' میں۔

۹۔شیخ محمد الزرندی (وفات آٹھویں صدی ہجری) نے اپنی دو کتابوں ''معارج الاصول'' اور ''درر المسمطین'' میں۔

۱۰۔شہاب الدین دولت آبادی (وفات ۸۴۹ھ) نے کتاب ''ھدایۃ السعداء'' میں۔

۱۱۔ابن صباغ مالکی (وفات ۸۵۵ھ) نے ''الفصول المہمۃ'' میں۔

۱۲۔سمہودی شافعی (وفات ۹۱۱ھ) نے ''جواہر العقدین'' میں۔

۱۳۔ابوسعود عمادی (وفات ۹۸۲ھ) نے اپنی تفسیر میں۔

۱۴۔شمس الدین شربیانی شافعی (وفات ۹۷۷ھ) نے ''السراج المنیر'' میں۔

۱۵۔سید جمال الدین شیرازی (وفات ۱۰۰۰ھ) نے کتاب ''اربعین'' میں۔

۱۶۔زین الدین منادی شافعی (وفات ۱۰۳۱ھ) نے کتاب ''فیض القدیر'' میں۔

۱۷۔ابن عیدروس یمنی (وفات ۱۰۴۱ھ) نے کتاب ''العقد النبوی'' میں۔

۱۸۔ابن باکثیر شافعی (وفات ۱۰۴۷ھ) نے کتاب ''وسیلۃ المآل'' میں۔

۱۹۔عبدالرحمن صفوری (وفات....ہجری) نے ''نزھۃ المجالس'' میں۔

۲۰۔برہان الدین حلبی (وفات ۱۰۴۴ھ) نے ''السیرۃ الحلبیۃ'' میں۔

۲۱۔قادری مدنی (وفات بارھویں صدی ہجری) نے ''الصراط السوی'' میں۔

۲۲۔شمس الدین حفنی شافعی (وفات ۱۱۸۱ھ) نے ''شرح الجامع الصغیر'' میں۔

۲۳۔سبط الشیخ ابی الرضا (وفات...صدی ہجری) نے ''معارج العلی'' میں۔

۲۴۔شیخ محبوب عالم (وفات گیارھویں صدی ہجری) نے ''تفسیر شاہی'' میں۔

۲۵۔ابو عبداللہ زرقانی مالکی (وفات ۱۱۲۲ھ) نے ''شرح المواھب'' میں۔

۲۶۔شیخ عبدالقادر حفظی شافعی (وفات...ہجری) نے ''ذخیرۃ المآل'' میں۔

۲۷۔محمد ابن السماعیل یمانی (وفات ۱۱۸۲ھ) نے ''الروضۃ الندیہ'' میں۔

۲۸۔ شبلنجی شافعی مدنی (وفات....ہجری) نے ''نورالابصار'' میں۔

۲۹۔شیخ محمد عبدہ مصری (وفات ۱۳۲۳ھ) نے ''تفسیر المنار'' میں۔

یہ تھے بعض سنی مفسرین، محدثین اور مورخین کے نظریات۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ آیۂ ''عذاب واقع'' کی تفسیر، روایت اور شان نزول پر سب متفق ہیں۔اس کے علاوہ شاعروں نے بھی ان مطالب کو اپنے اشعار میں وسیع پیمانے پر ذکر کیا ہے۔

چوتھی صدی ہجری کے نامور شاعر ابو محمد غسانی نے اپنے بعض اشعار میں یوں بیان کیا ہے:

اعن ربّنا ھذا ام انت اخترعتہ   فقال معاذاللہ لست بمبدع

فقال عدوا للہ لھم ان یکن   کماقال حقاً بّی عذاباً فاوقع

فعوجل من افق السماء یکفر   بجندلۃ فانکبّ ثاوبمصرع

بہر حال یہ واقعہ تاریخ وسیرت کے مسلّمات میں سے ہے۔ چونکہ اس واقعہ کی سند بیان کرنے والے رجال اور راوی اہل سنت کے موثق و معتبر مفسر و مورخین میں سے ہیں — اسی لئے میں نے قدماء یا معاصرین میں سے — کسی کو نہیں پایا جو اس واقعہ کے سلسلے میں شک وشبہ کرے بلکہ سبھوں نے اس حقیقت کو تسلیم کرکے اسے قبول کیا ہے۔ صرف ایک شخص ہے جس نے اس سے اتفاق نہیں کیا ہے اور وہ ابن تیمیہ ہے۔

ابن تیمیہ کا شک:

ابن تیمیہ[1] نے ''منہاج السنۃ'' کی چوتھی جلد کے صفحہ ۱۳ پر اس حدیث (داستان عذاب واقع)

۱۔''ابن تیمیہ احمد ابن عبدالحلیم ابوالعباس اتنا گستاخ اور بدزبان تھا کہ اس نے سید موحدان مولائے متقیان حضرت علی علیہ السلام کی شأن میں اس حد تک بے ادبی اور گستاخی کی ہے کہ نامور سنی علماء اور دانشوروں کی طرف سے بھی اسے شدید اعتراض کا سامنا کرنا پڑا (ملاحظہ ہو''لسان المیزان''، ج۶، ص۳۱۹) ابن تیمیہ عقلی اور فلسفی مباحث میں کوئی خاص دسترس وقدرت نہیں رکھتا تھا۔ لہٰذا جب عالم اسلام کی عظیم علمی شخصیت ''علامہ حلّی'' کی ''منہاج الکرامہ'' کے منطقی، کلامی اور فلسفی مباحث سے دوچار ہوتا ہے تو اس قدر ضد ونقیض باتیں کرتا ہے کہ گویا عقل وفلسفہ کے الف، باسے بھی بے خبر ہے اسی لئے برجستہ سنی علماء نے بھی اس کی سرزنش اور ملامت کرتے ہوئے اس کی مذمت کی ہے (ملاحظہ ہو''الوافی بالوفیات'' اور ''طبقات الشافعیہ) اہل سنت والجماعت کا ایک عالم اور سیاح ''ابن بطوطہ'' لکھتا ہے: ''ابن تیمیہ شام میں مسلک حنبلی کا ایک بڑا فقیہ تھا اور مختلف علوم وفنون کے بارے میں اظہار خیال کرتا تھا لیکن عقل کامل اور غور وفکر سے عاری تھا۔ ایک دن جمعہ کو میں اس کے منبر کے پاس بیٹھا تھا اور وہ منبر پر بیٹھ کر لوگوں کو موعظہ کر رہا تھا یہاں تک وہ کہنے لگا: ''خدا دنیا کے آسمان تک نازل ہوتا ہے، جیسے تم مجھے منبر کے اوپر سے نیچے کی طرف آتے دیکھتے ہو۔'' اس کے بعد وہ اٹھا اور نچلے زینہ تک آیا۔ اس وقت ایک مالکی فقیہ، ابن زہرا نے اُس پر اعتراض کیا....'' (ابن بطوطہ، رحلہ، ص۹۵، طبع دار صار۔ بیروت)

ابن بطوطہ کے اس بیان کے علاوہ، خود ابن تیمیہ نے اپنی کتاب ''منہاج السنۃ'' میں کئی بار اس امر کا اعتراف کیا ہے کہ خدا جسم رکھتا ہے اور اُسے دیکھا جاسکتا ہے!! (ملاحظہ ہو منہاج السنۃ، ج۲) واضح ہے کہ مجسم ومرئی ہونے کا لازمہ مرکب ہونا ہے اور مرکب کا لازمہ مختلف اجزاء کا ہوتا ہے اور اس کا لازمہ نقص، احتیاج اور حدوث ہے اور یہ بدیہیات اور عقل وفلسفہ کے مسلم مسائل میں سے ہے۔ ابن تیمیہ ایک طرف سے ''منہاج السنۃ النبویہ'' لکھتا ہے اور پیغمبر اسلام کی سنت بیان کرتا ہے، لیکن خود آخر عمر تک شادی نہیں کرتا ہے اور کنوارا ہی ''شیخ الاسلام'' کے منصب پر قابض رہتا ہے!! نکاح کرنا اور خاندان کی تشکیل دینا اسلام کی ←

کے بطلان وتردید میں چند مطلب بیان کئے ہیں اور اس کا یہی شک وتردید اسکی باطنی خباثت

☜ عالی سنت وفطرت اور شریعت محمدی میں سے ہے، لیکن یہ شیخ الاسلام اور منہاج سنت نبوی کا مؤلف اس سے روگردانی کر کے اسے ترک کرتا ہے۔

(ایک یہودی ونصرانی عبدالسید (وفات ۷۱۵ھ) کے نام سے معروف تھا۔ یہ شخص ''تقدس'' اور کنوارے پن کی حالت میں قرون وسطی میں اسلام قبول کرتا ہے اور ابن تمیمیہ کا استاد یا جگری دوست بن کر اس پر مسلط ہوتا ہے کیا ابن تمیمیہ کے خدا کو مجسم جاننے، مسلمانوں کے عقائد کو خراب کرنے، علمائے اسلام کو بیوقوف سمجھنے، شادی نہ کرنے بلکہ کنوارا ہی رہنے جیسے امور کا رابطہ اس ''نومسلم'' کے القاآت سے تو نہیں جو اس نے ابن تیمیہ کے کان میں بھرے ہیں؟! بہر حال کنوارا رہنے اور شادی نہ کرنے کا فعل سنت اسلامی میں قابل مذمت ہے، لیکن افکار وہابیت کے بانی نے اسے اختیار کیا ہے اور یہ امر قابل غور وتحقیق ہے۔ اس سلسلہ میں ابن تمیمیہ: حیاتہ وعقائدہ والوھابیہ جیسی کتابیں ملاحظہ ہوں۔)

ابن تمیمیہ حدیث وسنت کے بارے میں انتہائی لاپرواہ تھا۔ جہاں کہیں کسی حدیث وسنت کو اس نے اپنے مزاج، اور خواہش کے مطابق نہ پایا، اس سے فوراً انکار کیا ہے۔ حتیٰ ابن حجر۔ جیسے معتبر سنی علماء اور ماہر علم رجال وحدیث نے ابن تمیمیہ کے احادیث سے انکار کرنے پر شدیداً اعتراض کیا ہے۔ مثال کے طور پر ابن تیمیہ نے حضرت علی علیہ السلام کے حالت رکوع میں انگوٹھی زکات میں دینے کے واقعہ سے صاف انکار کیا ہے اور کہا ہے: ''یہ حدیث جعلی ہے اور تمام علماء اس حدیث کے جعلی ہونے پر متفق ہیں۔'' لیکن جب کہ ہم اہل سنت کے بزرگ علماء کی احادیث وتفاسیر کی کتابوں کا مطالعہ کرتے ہیں تو مشاہدہ کرتے ہیں کہ اہل سنت علماء وماہرین فن جیسے:

۱۔طبری	۲۔زمخشری	۳۔سیوطی	۴۔بیضاوی
۵۔فخر رازی	۶۔آلوسی	۷۔نفسی	۸۔ثعلبی
۹۔احمد بن حنبل	۱۰۔ابن اثیر	۱۱۔شوکانی	۱۲۔ابن کثیر
۱۳۔شبلنجی	۱۴۔نیشاپوری	۱۵۔صاحب کنز العمال	۱۶۔ابن حیان ☜

اور کینہ کا مظہر ہے۔ حقیقت میں ابن تیمیہ کی ہر وقت یہی روش و عادت رہی ہے کہ امت اسلامیہ

۱۷۔ گنجی شافعی	۱۸۔ خطیب بغدادی	۱۹۔ قرطبی	۲۰۔ ابن حجر
۲۱۔ واقدی	۲۲۔ صنعانی	۲۳۔ ابی شیبہ	۲۴۔ اسکافی
۲۵۔ نسائی	۲۶۔ ابوحاتم	۲۷۔ جصاص	۲۸۔ رمانی
۲۹۔ ابوبکر شیرازی	۳۰۔ ابن مردویہ	۳۱۔ ابونعیم اصفہانی	۳۲۔ الماوردی
۳۳۔ بیہقی	۳۴۔ ابن مغازلی	۳۵۔ ابویوسف قزوینی	۳۶۔ حاکم حسکان
۳۷۔ بغوی	۳۸۔ سمعانی	۳۹۔ ابن عساکر	۴۰۔ خوارزمی
۴۱۔ ابن جوزی	۴۲۔ ابن ابی الحدید	۴۳۔ نصیبی شافعی	۴۴۔ شیبانی
۴۵۔ حموئی	۴۶۔ خازن بغدادی	۴۷۔ الکلبی	۴۸۔ تفتازانی
۴۹۔ قوشجی	۵۰۔ قندوزی	۵۱۔ شریف جرجانی	

اور ان کے علاوہ علماء اہل سنت کے دسیوں محدثین، مفسرین اور مورخین نے باتفاق حضرت علیؑ کے حالت رکوع میں انگوٹھی کو صدقہ دینے کے واقعہ کو اپنی کتابوں اور تحریروں میں ذکر کیا ہے۔ یہاں پر وہابیوں کو چاہیے کہ بانی وہابیت اور اپنے "شیخ الاسلام" سے سوال کریں کہ آخر اہل علم کیسے اس حدیث کے جعلی ہونے پر اتفاق نظر رکھتے ہیں؟!! کیا اسی کو امانت داری و نقل حدیث اور سنت نبوی کہتے ہیں؟!! کیا شیخ الاسلام ہونے کے یہی معنی ہیں؟!! افسوس!!

ابن تیمیہ نے اہل بیتؑ کے پیروں کے مطالب و مضامین کے نقل کرنے میں اس قدر جھوٹ اور ناروا تہمتوں کا سہارا لیا ہے کہ حقیقت میں اس نے اپنی کتاب "منہاج السنۃ" کو بے بنیاد تہذیب سے گری ہوئی نیز خرافات و موہومات کا مجموعہ بنا کر رکھدیا ہے۔ مثال کے طور پر وہ کہتا ہے: "یہ لوگ (یعنی شیعہ) "دس" کے عدد کو زبان پر نہیں لاتے۔ جب دس کو گننا چاہتے ہیں تو

اور اسلامی فرقوں کے مسلمات تک سے شک وتردید اور انکار کرے۔ ہم یہاں پر اس کے عزائم کو خلاصہ کے طور پر بیان کر کے جواب دیں گے۔

؎ کہتے ہیں نو اور ایک۔ حتیٰ مکان تعمیر کرتے وقت بھی دس ستون نہیں بناتے بلکہ نو ستون بناتے ہیں۔!!'' اصولاً ہمیں ابن تیمیہ سے کوئی بحث نہیں ہے اور ہونی بھی نہیں چاہئے، کیونکہ اس کی حقیقت کھولنے کے لئے اس کی اپنی تحریریں ہی کافی ہیں جو سب کے دسترس میں ہیں۔ یہ اس کی ''منہاج السنۃ'' ہے کہ جس میں وہ کبھی خدا کو مجسم بتاتا ہے، کبھی خدا کو ایک جغرافیائی جہت میں بیان کرتا ہے، کبھی اسلام کے تمام فرقوں کی مسلم احادیث کو جھوٹی اور جعلی بتاتا ہے، کبھی صراحت سے کہتا ہے کہ شیعہ علیؑ کے ایمان کو ثابت نہیں کر سکتے اور کبھی فلسفہ نیز فخر رازی، ابن سینا وغیرہ کا مذاق اڑاتا ہے۔ اپنی کتاب میں وہ ایک اور جگہ پر لکھتا ہے:

''شیعوں نے ایک سرداب کے سامنے ایک خچر یا گھوڑے کو تیار کر رکھا ہے تا کہ جب امام زمان آئیں (ظہور کریں) تو اس پر سوار ہوں گے۔''

ایسی کتاب اور اس کے مصنف کے ساتھ ہماری کوئی بحث نہیں ہے۔ لہذا جب یہ کتاب علامہ حلّی کے پاس پہنچی، اور اُن سے پوچھا گیا کہ کیا آپ ابن تیمیہ کا جواب دیں گے؟ تو انہوں نے جواب میں کہا: لو کان یفهم ماأقول اجبته ''اگر وہ ہماری بات کو سمجھ سکتا تو میں اس کو ضرور جواب دیتا!!''۔ اس کے علاوہ ابن حجر اس کے بارہ میں کہتا ہے:

ان لایقام لکلامه وزن بل یرمی فی کل وعروحزن و یعتقدفیه انه مبتدع ضال مضّل غال عامله الله بعد و اجارنا من مثل طریقته وعقیدته وفعله آمین۔ (''الفتاوی الحدیثه والغدیر'' ج ۳ اور ''ابن تیمیہ مرکز دراسات غدیر'' اور شیخ سلیمان کی ''فتنة الوهابية'' اور ''الوہابیہ والصواعق الالٰہیہ'' جیسی کتابیں ملاحظہ ہوں۔)

''ابن تیمیہ کی باتوں کی کوئی قدر و قیمت نہیں ہے بلکہ انھیں ایسی جگہ پر پھینک دیا جانا چاہئے کہ کسی کی دسترس میں نہ ہوتا کہ متروک اور بے اعتبار ہو جائیں یقیناً وہ بدعتی اور گمراہ ہے۔ وہ لوگوں کو گمراہ کرتا ہے اور غلو کرنے والا شخص ہے۔ انشاءا... خداوند اس کے ساتھ عدل الٰہی سے پیش آئے اور ہمیں اس کی راہ پر چلنے اور اس کی پیروی کرنے سے محفوظ رکھے۔ آمین (چہرۂ حقیقی ابن تیمیہ: پایہ گذار وھابیت ص ۶ ملاحظہ ہو)

ابن تیمیہ نے چند دلائل سے اس حدیث کو باطل کرنے کے سلسلے میں استدلال کیا ہے۔

پہلی دلیل:

غدیر کا واقعہ غدیر خم میں اس وقت واقع ہوا ہے جب پیغمبرؐ خدا حج کے بعد واپس لوٹ رہے تھے، اس کے بعد آپؐ دوبارہ مکہ نہیں گئے ہیں۔ ﴿سأل سائل بعذاب واقع﴾ کے واقعہ میں ذکر ہوا ہے کہ: جب غدیر خم کا قصہ شہروں میں پھیل گیا، یہ شخص یعنی حارث جو ابطح میں تھا پیغمبرؐ کے پاس آیا۔ یہ ظاہر ہے کہ ابطح مکہ میں ہے۔ اس بنا پر چونکہ پیغمبرؐ غدیر خم سے مدینہ کی طرف گئے ہیں، مکہ میں نہ تھے تاکہ حارث ان کے پاس آئے اور عذاب واقع کا واقعہ وجود میں آئے۔ اس لئے یہ داستان جھوٹی اور جعلی ہے۔[1]

جواب:

اول: شیخ محمد صدر العالم نے "معارج" میں اور ابن جوزی نے "تذکرہ" میں صراحتاً بیان کیا ہے کہ اس سائل نے اپنے اونٹ کو مسجد کے باہر باندھ کے رکھا پھر مسجد کے اندر داخل ہوا اور پیغمبرؐ خدا سے سوال کیا... قرائن و شواہد کے مطابق اس مسجد سے مراد مسجد مدینہ ہونا چاہئے۔ خاص کر حلبی نے یہاں پر صراحت سے لکھا ہے کہ یہ مسجد مدینہ میں تھی۔ اس بنا پر مکہ کے ابطح کا کہیں کا ذکر ہی نہیں آیا ہے۔ نتیجہ کے طور پر ابن تیمیہ کا کلام بے بنیاد اور باطل ہے۔

دوم: اگر ابن تیمیہ حدیث کی کتابوں، لغت، مختلف شہروں کے معجم، اصطلاحات اور ادبیات عرب کا مطالعہ کرتا تو ہرگز ایسی غلط بات زبان پر نہ لاتا۔ یا شاید مطالعہ کیا ہوگا، جب کوئی شخص تعصب میں اندھا ہو جاتا ہے تو تعصب اس کے اور حقائق کے درمیان پردہ بن جاتا ہے اور حقائق کو دیکھ نہیں سکتا ہے۔ ورنہ کون ہے جو یہ نہیں جانتا کہ ابطح، بطحا، بطح اور اس کے باقی مشتقات ہر ریتلی

۱۔ منہاج السنۃ: ۷/۴۴ تحقیق ڈاکٹر رشد۔

وادی، درّہ یا خشک دریا کو کہتے ہیں۔ اب یہ ریتلی وادی، درہ یا خشک دریا مکہ میں ہو یا مدینہ میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔

مثال کے طور پر بخاری نے اپنی صحیح کی جلد اول ص۱۸۱ پر اور مسلم نے بھی جلد اول ص۳۸۲ میں عبداللہ ابن عمر سے روایت کی ہے کہ رسول خداؐ نے بطحاء ذی الحلیفہ (یعنی ذوالحلیفہ کی ریتلی وادی اور راستے) میں اپنے اونٹ کو زمین پر بٹھادیا اور نماز پڑھی۔

اس کے علاوہ ''امتاع مقریزی'' وغیرہ میں آیا ہے کہ پیغمبر خداؐ مکہ سے لوٹتے وقت'' دخل المدینۃ من معرّس الابطح فکان فی معرّسہ فی بطن الوادی ...''

اسی طرح مختلف معجموں اور لغات میں اصطلاحات اور شہروں کی وضاحت میں آیا ہے کہ بطحاء ایسی وادی اور خشک دریا کو کہتے ہیں جو ریگزار ہو جیسے معجم البلدان، ج۲ ص۲۱۳۔

ابوالحسن کاتب کہتا ہے کہ ولید بن یزید بن عبدالملک کے بارے میں کہے گئے طریح ثقفی کے اشعار گانے والا ایک شخص ان اشعار کو گاتے ہوئے اس شعر پر پہنچتا ہے:

انت ابن مسلنطح البطاح ولم   تطرق علیک الحنّی والولج

بعض حاضرین نے کہا کہ اس شعر میں بطاح کو جمع کی صورت میں کیسے استعمال کیا گیا ہے جبکہ بطحاء صرف ایک ہے اور وہ مکہ میں ہے؟

اس پر بطحاوی علوی بگڑ گیا اور کہنے لگا: مدینہ میں بھی بطحاء ہے اور مکہ کے بطحاء سے بڑا ہے اور میرے جد بزرگوار اسی جگہ کے ہیں اور اس شعر کو پڑھا:

وبطحاء المدینۃ لی منزل   فیاحبّذاذاک من منزل

اس لحاظ سے بطحاء وابطح مکہ سے مخصوص نہیں ہے۔[1]

۱۔ یہاں پر علامہ امینی تفصیلی طور پر ''لسان العرب''، ''تاج العروس'' اور نامور عربی شعراء جیسے: ذوالرمہ، لبید، بنی شیبان، سید حمیری، ابوتمام، شریف رضی، دیلمی، ابن خفاجہ وغیرہ سے نقل کرتے ہیں کہ ابطح وبطحاء مکہ سے مخصوص نہیں بلکہ مختلف موارد میں استعمال ہوا ہے۔ ملاحظہ ہو الغدیر ج۱ ص۲۳۹۔

دوسری دلیل:

ابن تیمیہ دوسرے اشکال کو یوں بیان کرتا ہے:

یہ سورہ قرآن مجید کے مکی سوروں میں سے ہے۔ غدیر خم کا واقعہ اور اس سے متعلق واقعات مکی سوروں کے نزول کے تقریباً دس سال بعد سے مربوط ہیں۔ لہذا یہ نہیں کہا جاسکتا کہ: سورہ معارج کی آیہ ﴿سال سائل بعذاب واقع﴾ دس سال قبل مکہ میں نازل ہوئی ہے۔[۱]

علامہ امینی نے اس استدلال کے جواب میں اس طرح فرمایا ہے:

قرآن مجید کے بہت سی مکی سورے ایسے ہیں جن میں کچھ آیات مدنی ہیں، اسی طرح قرآن مجید کے بعض مدنی سوروں میں کچھ آیات مکی ہیں۔

مثال:

۱۔ سورۂ عنکبوت مکی ہے لیکن اس کی پہلی دس آیتیں مکی نہیں ہیں، جیسے کہ طبری نے اپنی تفسیر کی بیسویں جلد کے ص ۸۶ پر اور قرطبی نے اپنی تفسیر کی تیرہویں جلد کے ص ۳۲۳ پر اور شربیانی نے ''سراج المنیر'' کی جلد سوم کے ص ۱۱۶ پر روایت کی ہے۔

۲۔ سورۂ کہف مکی ہے لیکن اس کی ابتدائی سات آیتیں اور آیت ﴿و اصبر نفسک﴾ مدنی ہے۔ اسی طرح قرطبی نے اپنی تفسیر کی جلد دہم ص ۳۴۶ اور سیوطی نے اپنی کتاب ''اتقان'' کی جلد اول، ص ۱۶ پر روایت کی ہے۔

۳۔ سورۂ ہود مکی ہے لیکن آیت ﴿واقم الصلوة طرفي النّهار﴾ مدنی ہے۔ تفسیر قرطبی ج ۹ ص ۱۱ اور اس سورہ کی آیت ﴿فلعلّک تارک بعض مایوحي الیک﴾ بھی مدنی ہے، السراج المنیر، ج ۲، ص ۴۰۔

۱۔ منہاج السنۃ، ج ۱/ ۳۵ ڈاکٹر رشاد۔

۴۔سورۂ مریم مکی ہے۔لیکن اس کی آیت سجدہ وآیت ﴿وان منکم الاواردھا﴾ مدنی ہیں "اتقان" سیوطی ج ۱ص ۱۶۔

۵۔سورۂ رعد مکی ہے۔لیکن اس کی آیت ﴿ولمایزال الذین کفروا﴾ اور اس کی دیگر چند آیات بھی مدنی ہیں۔تفسیر قرطبی، ج۹ ص ۲۷۸ وتفسیر رازی، ج۶ ص ۲۵۸ اور تفسیر شربیانی، ج۲، ص ۱۳۸۔

۶۔سورۂ ابراہیم مکی ہے لیکن اس کی ﴿الم ترالی الذین بدلوا نعمة الله...﴾ دو آیتیں مدنی ہیں۔تفسیر قرطبی، ج۹، ص ۳۳۸ اور تفسیر شربیانی "السراج المنیر" ج۲ ص ۱۵۹۔

۷۔سورۂ اسراء مکی ہے لیکن آیت ﴿و ان کادوا لیستفزونک من الارض﴾ سے لے کر ﴿و اجعل لی من لدنک سلطاناً نصیراً﴾ تک مدنی ہیں۔تفسیر قرطبی، ج ۱۰، ص ۲۰۳، وتفسیر رازی، ج۵، ص ۵۴۰ اور "سراج المنیر" ج۲ ص ۲۶۱۔

۸۔سورۂ حج آیت شریفہ ﴿و من الناس من یعبد الله علی حرف﴾ کے علاوہ مکی ہے۔تفسیر قرطبی، ج ۱۲، ص ۱، تفسیر رازی، ج۶ ص ۲۰۶ اور تفسیر سراج المنیر ج۲ ص ۵۱۱۔

۹۔سورۂ فرقان مکی ہے لیکن آیت ﴿و الذین لا یدعون مع الله الهاً آخر﴾ مدنی ہے۔تفسیر قرطبی، ج ۱۳ ص ۱ و تفسیر سراج المنیر ج۲ ص ۶۱۷۔

۱۰۔سورۂ نمل میں آیت ﴿و ان عاقبتم فعاقبوا...﴾ تا آخر سورہ کے علاوہ پورا سورہ مکی ہے، تفسیر قرطبی، ج ۱۵، ص ۶۵ و تفسر شربیانی ج۲ ص ۲۰۵۔

۱۱۔سورۂ قصص مکی ہے لیکن آیت ﴿الذین آتیناھم الکتاب من قبله﴾ اور کہا گیا ہے آیت ﴿ان الذی فرض علیک القرآن..﴾ بھی مدنی ہے۔قرطبی، ج۳ ص ۲۴۷ و تفسیر رازی، ج۶ ص ۵۸۵۔

۱۲۔سورۂ مدثر مکی ہے اس کی آخری آیت مدنی ہے۔تفسیر خازن، ج۴ ص ۳۴۳

۱۳۔ سورۂ قمر مکی ہے مگر اس کی آیت ﴿ سیھزم الجمع و یولّون الدبر ﴾ مدنی ہے۔ سراج المنیر ان ج۴، ص ۱۳۶۔

۱۴۔ سورۂ واقعہ مکی ہے لیکن اسکی چار آیتیں مدنی ہیں۔ تفسیر سراج المنیر ج۴ ص ۱۷۱۔

۱۵۔ سورۂ مطففین مکی ہے لیکن اس کی پہلی آیت مدنی ہے۔ تفسیر طبری، ج ۳۰ ص ۵۸۔

۱۶۔ سورۂ اللیل مکی ہے لیکن اس کی پہلی آیت مدنی ہے۔ ''اتقان'' سیوطی ج ۱، ص ۱۷۔

۱۷۔ سورۂ یونس مکی ہے مگر اس کی دو یا تین آیتیں مدنی ہیں۔ تفسیر رازی ج ۴ ص ۴۷۷، اتقان ج ۱ ص ۱۵، تفسیر شربیانی ج ۲، ص ۲۔

اسی طرح قرآن مجید کے کئی ایک سورے مدنی ہیں اور ان کی بعض آیات مکی ہیں جیسے سورۂ مجادلہ کی پہلی دس آیتیں مکی ہیں۔ تفسیر ابو سعود. حاشیہ تفسیر رازی ج ۸ ص ۱۴۸ اور سراج المنیر، ج ۴ ص ۲۱۰۔

یا سورۂ بلد مدنی ہے لیکن اس کی پہلی آیت مکی ہے۔ ''اتقان'' سیوطی ج ۱. ص ۱۷ اور دیگر سورے۔ اختصار کے پیش نظر ہم ان کے بیان سے اجتناب کرتے ہیں۔

لہذا ابن تیمیہ سے کہنا چاہئے کہ ممکن ہے کوئی سورہ مکی یا مدنی ہو لیکن ان کی کچھ آیتیں مکی یا مدنی نہ ہوں۔ جیسا کہ قرآن مجید کے دسیوں سورے ایسے ہی ہیں۔

اس کے علاوہ حتی یہ بھی ممکن ہے کہ قرآن مجید کے مثلاً مکی سورتوں کی کچھ آیتیں مکرراً نازل ہوئی ہوں۔ جیسا کہ علماء ومفسرین نے ان کی وضاحت کی ہے مثلاً ﴿ بسم اللہ الرحمن الرحیم ﴾ اور سورۂ روم کی پہلی آیت و آیۂ روح و آیۂ ﴿ ما کان للنبیّ و الذین آمنوا. . ﴾ اور آیۂ ﴿ و ان عاقبتم فعاقبوا بمثل . . . . ﴾ اور آیۂ ﴿ من کان عدواً للہ ﴾ اور آیۂ ﴿ اقم الصلوۃ طرفی النہار ﴾ اور آیۂ ﴿ الیس اللہ بکاف عبدہ . . . ﴾ اور سورۂ فاتحہ جو ایک مرتبہ مکہ میں تشریع صلوۃ کے موقع پر اور دوسری بار مدینہ میں تبدیل قبلہ کے موقع پر نازل ہوا

ہے اسی لئے سورہ فاتحہ کا ایک نام ''مثانی'' بھی ہے کیونکہ یہ دوبار نازل ہوا[۱]

ا۔ابن تیمیہ نے اس طرح کی کئی ایک بے بنیاد اشکال اور استدلال کا یکی بعد دیگرے ذکر کیا ہے، چونکہ یہ استدلال حقیقتا کمزور اور بے بنیاد ہیں اس لئے یہاں پر ان سب کے ذکر سے اجتناب کیا جاتا ہے۔مثلاً اس کے استدلال میں سے ایک یہ ہے کہ اس شخص کا نام استیعاب، ابن مندۃ، ابونعیم اصفہانی اور ابوموسی کی کتابوں میں نہیں آیا ہے اور وہ بعنوان صحابی معروف نہیں ہے۔جی ہاں ابن تیمیہ کے استدلال میں سے ایک یہ بھی ہے۔

کیا مذکورہ کتابوں میں تمام صحابیوں کے نام بیان ہوئے ہیں؟! پیغمبر اسلامؐ کے یقیناً ایک لاکھ سے زیادہ صحابی تھے کیا ان کتابوں میں حتیٰ دس ہزار صحابیوں کے نام بھی تثبیت ہوئے ہیں؟!!

چوتھی فصل:

غدیر پر اسلام کی توجّہ

واقعہ غدیر کے لافانی ہونے اوراس کی وسعت وشہرت کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ اسے عید کے طور پر منایا جاتا ہے ۔اس مناسبت سے ہر سال جلسے اور محفلیں منعقد ہوتی ہیں ۔لوگ اس دن عبادتیں اور مستحبات بجالاتے ہیں ۔نئے نئے لباس زیب تن کرتے ہیں اور ضعیفوں، کمزوروں اور مستحقوں کی مدد کرتے ہیں، اور یہی امور سبب ہوتے ہیں کہ لوگ اس عید کی طرف توجہ کریں، غدیر کے واقعہ کے بارے میں ایک دوسرے سے پوچھیں تاکہ اس واقعہ کے راویوں سے باخبر ہوں، اور مقررین، مدّاح وشعراء ان اجتماعات اور جلسات میں تقریریں کریں، شعر کہیں، اور غدیر کے واقعہ کو لوگوں کے درمیان اس طرح بیان کریں کہ ہر سال یہ واقعہ تازہ بہ تازہ رہے اور آنے والی نسلیں اس واقعہ کے بارے میں آگاہ ہوں اس واقعہ کے راوی، اسناد اور متن ومضامین سینہ بہ سینہ منتقل ہوتے رہیں تاکہ یہ واقعہ کسی بھی وقت اپنی تازگی اور طراوت کھونے نہ پائے، اس کو عید کے عنوان سے منعقد کرنے کے اتنے فائدے اور آثار ہیں۔

یہاں پر اس امر کا ذکر کرنا ضروری ہے کہ اس واقعہ کے سلسلے میں ہر محقق پر دو چیزیں واضح ہوجاتی ہیں:

اول یہ کہ یہ عید صرف شیعوں سے مخصوص نہیں ہے بلکہ دیگر اسلامی فرقے بھی اسے

عید جانتے ہیں ۔ اگرچہ شیعہ اس کا بیشتر اہتمام کرتے ہیں مثال کے طور پر بیرونی اپنی کتاب ''الآثار الباقیه فی القرون الخالیه'' کے صف ۳۳۴ پر لکھتے ہیں:

''تمام اہل اسلام غدیر کو اسلامی عیدوں میں سے جانتے ہیں''

اسکے علاوہ ابن طلحہ شافعی نے ''مطالب السؤل'' کے ص ۵۳ پر یوں بیان کیا ہے:

''عید غدیر خم کے دن کو امیر المؤمنینؑ نے اپنے اشعار میں ذکر کیا ہے، چونکہ پیغمبر خداؐ نے حضرت علی ابن ابیطالبؑ کو اس روز ولایت کے عظیم اور عالی مرتبہ پر مقرر فرمایا ہے اور انھیں سب پر برتری دی ہے، لہٰذا غدیر خم کا دن عید قرار پایا ہے''

اسی کتاب کے ص ۵۶ پر مصنف یوں رقمطراز ہیں:

''رسول خداؐ کے لئے ''مولا'' کہنے میں جو بھی معنی ثابت ہو جائے وہی معنی حضرت علی ابن ابیطالبؑ کیلئے بھی ثابت ہے۔ اور یہ وہ عظیم و رفیع منصب ہے جو حضرت علیؑ سے مخصوص ہے۔ اسی لئے غدیر خم کا دن عید ہے اور آپؑ کے دوستوں کیلئے مسرّت و شادمانی کا دن ہے''

اس لحاظ سے غدیر کا دن، تمام مسلمانوں کی عید کا دن ہے کیونکہ پیغمبر خداؐ نے یہ منصب خدا کی طرف سے حضرت علیؑ کو سونپا ہے۔

تاریخ کی کتابوں سے بھی اس دن کے عید ہونے کا ثبوت ملتا ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ امت اسلامیہ، مشرق و مغرب میں، یعنی مصری، مغربی، عراقی گذشتہ صدیوں میں اس دن عید مناتے تھے اور اس دن نماز و دعا پڑھنے کے علاوہ تقریروں اور شعر کی محفلیں منعقد کرتے تھے۔

ابن خلکان نے اپنی کتاب ''وفیات الاعیان'' میں جگہ جگہ پر اس دن کے عید ہونے کا اعلان کیا ہے۔ وہ ''مستعلی ابن مستنصر'' کے حالات زندگی، ج ۱ ص ۶۰ میں لکھتے ہیں: ''لوگوں نے عید غدیر خم کے دن، ۱۸ ذی الحجہ کے سال ۴۸۷ھ میں ان کی بیعت کی''

اور ''مستنصر باللہ عبیدی'' کے حالات زندگی بیان کرتے ہوئے ج ۲ ص ۲۲۳ میں لکھتے ہیں:

''اس نے سال ۴۸۷ھ کو شب پنجشنبہ جب ذی الحجہ کے ۱۲ دن باقی تھے وفات کی''

اس کے بعد لکھتے ہیں:

''یہ شب عید غدیر ہے یعنی شب ۱۸ ذی الحجہ اور یہ عید غدیر خُم (خ پر ضمہ اور م پر تشدید کے ساتھ) ہے۔

مسعودی بھی ابن خلکان کے مانند ''التنبیہ والاشراف'' میں ص ۲۲۱ پر کہتے ہیں: ''حضرت علیؑ کی اولاد اور ان کے شیعہ اس دن کی تعظیم و تقدیس کرتے ہیں''

اور ثعلبی ''شعار القلوب'' میں بیان کرتا ہے: ''یہ سب مسلمانوں میں ایک مشہور شب ہے اور یہ وہ شب ہے جس کے دوسرے دن پیغمبر خداؐ نے غدیر خم میں اونٹوں کے پالانوں سے بنے ممبر پر چڑھ کر حضرت علی علیہ السلام کے بارے میں فرمایا: ''من کنت مولاہ فعلی مولاہ''

ان سب سے برتر یہ ہے کہ اس دن ابوبکر، عمر اور ازواج پیغمبرؐ نے جوق در جوق حضرت علیؑ کو مبارکبادی دیتے ہوئے خوشی و شادمانی کا اظہار کیا ہے اور یہ اس امر کی دلیل ہے کہ انہوں نے اس دن کو عید اور شادمانی کا دن شمار کیا ہے۔

دوم: یہ کہ اس عید کا سلسلہ صدیوں پہلے سے حتی پیغمبرؐ کے زمانے اور اس واقعہ (غدیر خم) کے رونما ہونے کے دن سے چلا آ رہا ہے۔

جب پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بیان کر دیا کہ ولایت و خلافت کا عظیم منصب خدا کی طرف سے ہے اور اس کے بعد آپؐ نے حضرت علیؑ کو اس منصب پر مقرر فرمایا، تو اس دن کو ایک بڑی شہرت ملی اور یہ دن ان افراد کیلئے خوشی اور مسرّت کا سبب بنا جو اسلام اور اس کی تعلیمات پر یقین رکھتے تھے۔

اس دن اور اس صاحب ولایت کے معین اور مقرر ہونے سے انوار الٰہی کے منبع اور شریعت

آسمانی کے فیوض و برکات کے مرکز کی نشاندہی ہوگئی اور اس مرکز کے سلسلے میں دوسروں کی ہوا و ہوس اور نفسانی خواہشات خاک میں مل گئے۔ خدا کا دین مکمل اور اس کی نعمت تمام ہوگئی۔

اس لئے ایسا دن خوشیوں اور شادمانیوں کا دن ہونا چاہئے اور اسے تاریخ اسلام میں چمکنا چاہئے۔

پادشاہ اور سلاطین جس روز حکومت کے تخت پر بیٹھتے ہیں۔ تو ہر سال اس روز جشن مناتے ہیں، قصیدہ خوانی اور مشاعرے برپا کرتے ہیں اور لوگوں کو دعوتیں دیتے ہیں۔ اور یہ رسم و سیرت ہر قوم و ملت میں پائی جاتی ہے۔

اس لحاظ سے اسلام کی خلافت و ولایت کا عظیم دن جو خدا کے حکم سے اور پیغمبر اسلامؐ کے ذریعہ مشخص اور معین ہوا بعنوان عید منایا جانا چاہئے، اس دن جشن و شادمانی کی محفلیں منعقد کی جانی چاہئیں بلکہ ملتوں اور قوموں کے رسومات کے مطابق جشن و شادمانی منانے کے علاوہ معنوی لحاظ سے تضرع و عبادات اور دینی مستحبات پر بھی عمل کرنا چاہئے۔

اسی مقصد سے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسی وقت قریش کے بزرگوں، مہاجر و انصار اور اپنی ازواج سب کو یہ حکم دیا تھا کہ علیؑ کو مبارکباد پیش کریں اور نہوں نے حضرت علی علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہو کر تہنیت اور مبارکباد پیش کی۔

مبارکبادی کا واقعہ

امام طبری نے کتاب ''الولایۃ'' میں زید ابن ارقم سے روایت کی ہے کہ پیغمبر اسلامؐ نے فرمایا:

''اے لوگو! کہدو کہ آپ کے ساتھ دل کی عمیق گہرائیوں سے عہد و پیمان کرتے ہیں، ایک ایسا پیمان جس کی پابندی اپنی اولاد اور خاندان پر لازم قرار دیتے ہیں...

کہو کہ، جو کچھ میں نے تمہیں تلقین کی و تعلیم دی اس پر اور حضرت علی علیہ السلام کی ولایت و

سرداری پر انھیں سلام کرواور کہو:

﴿ **الحمد لله الذی هدانا لهذا و ما کنا لنهتدی لو لا ان هدانا الله** ﴾

''حقیقتاً خاوند عالم ہر صدا کو سنتا ہے اور جانتا ہے اور ہر خائن کی خیانت سے باخبر ہے۔لہذا جو کوئی عہد شکنی کرے اس کا نقصان خود اس کو برداشت کرنا پڑے گا اور جو کوئی اپنی بیعت پر پایدار و وفادار رہے گا اسے بڑی جزاء ملے گی''

زید ابن ارقم کہتے ہیں کہ جب پیغمبر اسلامؐ نے ان مطالب کو لوگوں اور حاضرین کو تعلیم دی، تو انہوں نے ایک زبان ہو کر کہا:

''**سمعنا و اطعنا علی امر الله و رسوله بقلوبنا**''

''خدا اور اس کے پیغمبرؐ کے حکم کو ہم نے دل وجان سے سنا اور اسکی اطاعت کی''

ابوبکر، عمر، عثمان، طلحہ، وزبیر ان پہلے افراد میں سے تھے جنہوں نے مہاجرین وانصار کے ساتھ پیغمبرؐ و علیؑ کی بیعت کی، بیعت کا یہ سلسلہ نماز کے وقت تک جاری تھا۔نماز ظہر وعصر کے پڑھنے کے بعد — کہ اس دن یہ دونوں نمازیں ایک ساتھ پڑھی گئیں — پھر سے مبارکبادی اور بیعت کا سلسلہ شروع ہوا اور اس دن مغرب وعشا تک اور اسی طرح تین دن تک یہ سلسلہ جاری رہا۔

چند دیگر علماء اور مؤرخین

طبری کی طرح جن دیگر علماء اور مؤرخین نے مبارکبادی کے اس واقعہ کو (جزئی فرق کے ساتھ) اپنی اپنی کتابوں میں درج کیا ہے حسب ذیل ہیں:

۱۔احمد بن محمد طبری معروف بہ خلیلی نے کتاب ''مناقب علیؑ ابن ابیطالب'' میں۔ یہ کتاب ۴۱۱ھ میں قاہرہ (مصر) میں تالیف ہوئی ہے۔

۲۔ کتاب ''النشر والطی'' کے مصنف نے۔

۳۔ مولوی ولی اللہ لکھنوی نے ''مرآۃ المومنین'' میں۔

۴۔ ابن خاوندشاہ (وفات ۹۰۳ھ) نے ''روضۃ الصفا کی جلد اوّل کے دوسرے حصے کے ص ۱۷۳ پر۔

۵۔ غیاث الدین (وفات ۹۴۲ھ) نے ''حبیب السیر'' کی جلد اول کے دوسرے حصے ص ۱۴۴ پر۔

خصوصاً ابوبکر اور عمر ابن خطاب کی طرف سے حضرت علیؑ کو مبارکباد دینے کا واقعہ بہت سے سنی علماء اور بزرگوں کی کتابوں میں ذکر ہوا ہے۔ انہوں نے اس واقعہ کو یا تو جزء مسلمات جان کر سند رجالی کے بغیر ذکر کیا ہے یا باوثوق اسناد رجال سے روایت کی ہے جن کا سلسلہ بعض اصحاب رسولؐ جیسے ابن عباس، ابی ہریرہ، براء ابن عازب اور زید ابن ارقم تک پہنچتا ہے۔

یہاں پر ہم ذیل میں چند ایسے اشخاص کا ذکر کرتے ہیں جنہوں نے شیخین (ابوبکر و عمر) کی طرف سے حضرت علیؑ کی خدمت میں مبارکباد دینے کی روایت کی ہے:

۱۔ ابن شیبہ (وفات ۲۳۵ھ) نے کتاب ''المصنف'' میں۔

۲۔ احمد ابن حنبل۔ حنبلیوں کے امام۔ (وفات ۲۴۱ھ) نے اپنی کتاب ''مسند'' کے ج ۴ ص ۲۸۱ پر۔

۳۔ ابوالعباس شیبانی (وفات ۳۰۳ھ)۔

۴۔ ابویعلی موصلی (وفات ۳۱۷ھ) نے اپنی ''مسند'' میں۔

۵۔ طبری (وفات ۳۱۰ھ) نے اپنی تفسیر کی جلد ۳ ص ۴۲۸ میں۔

۶۔ احمد ابن عقدۃ کوفی (وفات ۳۳۳ھ) نے کتاب ''الولایۃ'' میں۔

۷۔ ابوعبداللہ مرزبانی بغدادی (وفات ۳۸۴ھ نے کتاب ''سرقات الشعر'' میں۔

۸۔ دارقطنی بغدادی (وفات ۳۸۵ھ) اور اس سے ابن حجر نے ''صواعق'' میں نقل

کیا ہے۔

۹۔ابن بطہ حنبلی (وفات ۳۸۷ھ) نے کتاب "الابانۃ" میں۔

۱۰۔باقلانی بغدادی (وفات ۴۰۳ھ) نے کتاب "التمہید فی اصول الدین" میں۔

۱۱۔ابوسعید خرگوشی نیشاپوری (وفات ۴۰۷ھ) کتاب "شرف المصطفیٰ" میں۔

۱۲۔ابن مردویہ اصفہانی (وفات ۴۱۶ھ) نے اپنی تفسیر میں۔

۱۳۔ابواسحاق ثعلبی (وفات ۴۲۷ھ) نے کتاب "الکشف والبیان" میں۔

۱۴۔ابوسمان رازی (وفات ۴۴۵ھ) اور اس سے طبری نے "الریاض النضرۃ" میں نقل کیا ہے۔

۱۵۔ابوبکر بیہقی (وفات ۴۵۸ھ) نے "الفصول المہمہ" میں۔

۱۶۔ابوبکر خطیب بغدادی (وفات ۴۶۳ھ)۔

۱۷۔ابن مغازلی (وفات ۴۸۳ھ) نے "المناقب" میں۔

۱۸۔ابومحمد العاصمی (وفات ۴۸۳ھ) نے "المناقب" میں۔

۱۹۔ابوسعید سمعانی (وفات ۵۶۲ھ) نے "زین الفتی" میں۔

۲۰۔ابوحامد غزالی (وفات ۵۰۵ھ) نے "ستر العالمین" میں۔

۲۱۔شہرستانی (وفات ۵۴۸ھ) نے "ملل ونحل" میں۔

۲۲۔خوارزمی (وفات ۵۶۸ھ) نے "مناقب" میں۔

۲۳۔ابن جوزی حنبلی (وفات ۵۹۷ھ) نے اپنی "مناقب" میں۔

۲۴۔فخر رازی (وفات ۶۱۶ھ) نے "تفسیر کبیر"، ج ۳ ص ۶۳۶ پر۔

۲۵۔ابن اثیر شیبانی (وفات ۶۰۶ھ) نے "النہایہ" میں۔

۲۶۔ابن علی نطنزی (وفات چھٹی صدی ہجری) نے "الخصائص العلویہ" میں۔

۲۷۔ ابوالحسن الشیبانی (وفات ۶۳۰ھ)

۲۸۔ گنجی شافعی (وفات ،۶۵۰ ہجری) نے ''کفایۃ الطالب'' میں۔

۲۹۔ سبط ابن جوزی (وفات ۶۵۴ھ) نے ''تذکرہ'' میں۔

۳۰۔ عمر بن محمد العلا (وفات... ہجری) نے ''وسیلۃ المتعبدین'' میں۔

۳۱۔ محب الدین طبری شافعی (وفات ۶۹۴ھ) نے ''الریاض النضرۃ'' میں۔

۳۲۔ شیخ الاسلام حموینی (وفات ۸۲۲ھ) نے ''فرائد السمطین'' میں۔

۳۳۔ نظام الدین نیشابوری (وفات چھٹی صدی ہجری)

۳۴۔ ولی الدین خطیب (وفات... ہجری) نے ''مشکاۃ المصابیح'' میں۔

۳۵۔ جمال الدین زرندی مدنی (وفات آٹھویں صدی ہجری) نے ''درر السمطین'' میں۔

۳۶۔ ابن کثیر شامی شافعی (وفات ۷۷۴ھ) نے ''البدایۃ والنہایۃ'' میں۔

۳۷۔ مقریزی مصری (وفات ۸۴۵ھ) نے ''الخطط'' میں۔

۳۸۔ ابن صباغ مالکی (وفات ۸۵۵ھ) نے ''الفصول المہمہ'' میں۔

۳۹۔ نجم الدین اذرعی شامی (وفات ۸۷۶ھ) نے ''بدیع المعانی'' میں۔

۴۰۔ کمال الدین میبدی (وفات ۹۰۸ ہجری کے بعد) نے ''شرح الدیوان'' میں۔

۴۱۔ جلال الدین سیوطی (وفات ۹۱۱ھ) نے ''جمع الجوامع'' میں۔

۴۲۔ سمہودی شافعی (وفات ۹۱۱ھ) نے ''وفاء الوفاء'' میں۔

۴۳۔ قسطلانی (وفات ۹۲۳ھ) نے ''المواهب اللدنیۃ'' میں۔

۴۴۔ سید عبدالوہاب حسینی بخاری (وفات ۹۳۲ھ)۔

۴۵۔ ابن حجر عسقلانی (وفات ۹۷۳ھ) نے ''الصواعق المحرقۃ'' میں۔

۴۶۔ شہاب الدین ھمدانی (وفات ... ہجری) نے ''مودۃ القربیٰ'' میں۔

۴۷۔ شیخانی قادری (وفات بارہویں صدی ہجری) نے ''الصراط السّوی'' میں۔

۴۸۔ مناوی شافعی (وفات ۱۰۳۱ھ) نے ''فیض الغدیر'' میں۔

۴۹۔ باکثیر مکی شافعی (وفات ۱۰۴۷ھ) نے ''وسیلۃ المآل'' میں۔

۵۰۔ زرقانی مالکی (وفات ۱۱۲۲ھ) نے ''شرح المواھب'' میں۔

۵۱۔ حسام الدین محمد بایزید (وفات ... ہجری) نے ''مرافض الروافض'' میں۔

۵۲۔ میرزا محمد بدخشانی (وفات بارھویں صدی ہجری) نے ''مفتاح النجا'' میں۔

۵۳۔ شیخ محمد صدر العالم (وفات ... ہجری) نے ''معارج العلیٰ'' میں۔

۵۴۔ عمری دہلوی (وفات ۱۱۷۶ھ)۔

۵۵۔ صنعانی (وفات ۱۱۸۲ھ) نے ''الروضۃ الندیۃ'' میں۔

۵۶۔ محمد مبین لکھنوی (وفات ... ہجری) نے ''وسیلۃ النجاۃ'' میں۔

۵۷۔ ولی الہ لکھنوی (وفات ... ہجری) نے ''مرآۃ المؤمنین'' میں۔

۵۸۔ محبوب العالم (وفات گیارھویں صدی ہجری) نے تفسیر شاہی میں۔

۵۹۔ احمد زینی دحلان مکی (وفات ۱۳۰۴ھ) نے ''الفتوحات الاسلامیہ'' میں۔

۶۰۔ شیخ محمد حبیب الہ شنقیطی مالکی (وفات ... ہجری) نے کفایت الطالب میں۔

جیسے کہ آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ تاریخ تفسیر اور حدیث کی ساٹھ نامور سنّی شخصیات اور مقتدر علماء نے بالاتفاق، شیخین (ابوبکر وعمر) کی طرف سے حضرت علیؑ کو دی گئی مبارکباد کو اپنی کتابوں میں ثبت کر کے اس کی روایت نقل کی ہے۔

اب ہم اصل مقصد کی طرف پلٹتے ہیں اور وہ یہ ہے کہ غدیر کا دن اسلامی نقطہ نظر سے عید قرار پایا ہے۔ اسلئے اس موضوع کا ایک دوسرے رخ سے تجزیہ کرتے ہیں:

اوّل یہ کہ غدیر کے دن مبارک باد اور تہنیت کا کام پیغمبر اسلامؐ کے حکم سے انجام پایا۔
دوسرے یہ کہ انصار و مہاجرین کے بزرگوں حتی زوجاتِ رسولؐ کی طرف سے بھی حضرت علی علیہ السلام کو مبارکباد دینا رسول اکرمؐ کے لئے خوشحال وشادمانی کا سبب بنا اور آپؐ نے اس خوشی کا ان الفاظ میں اظہار کیا:

"الحمدﷲ الذی فضّلنا علی جمیع العالمین"

تیسرے یہ کہ آیۂ شریفہ "الیوم اکملت لکم دینکم" اسی عظیم دن کو نازل ہوئی اور یہ آیت دین کی تکمیل، نعمت کے اتمام اور اس واقعہ پر خدا کی رضامندی کی واضح دلیل ہے۔
چوتھے یہ کہ اہل کتاب میں سے "طارق بن شہاب" نامی ایک شخص ایک دن عمر ابن خطاب کی مجلس میں بیٹھا تھا۔ عمر کے ساتھ اپنی جان پہچان اور شناخت کی بنا پر اس نے عمر سے مخاطب ہو کر کہا: "اگر یہ آیت ہمارے بارے میں نازل ہوتی تو اس آیت کے نزول کے دن کو ہم عید مناتے۔" طارق کی یہ گفتگو سنکر حاضرین میں سے کسی ایک نے اس گفتگو کی تردید نہیں کی بلکہ عمر ابن خطاب نے اس کے مقابلے میں کچھ ایسے عمل کا اظہار کیا جس سے طارق کے کلام کی تائید ہوتی ہے۔
پانچویں یہ کہ مبارکباد آیت "تبلیغ" کے نزول کے بعد انجام پائی ہے۔ جس میں پیام الٰہی کو پہنچانے میں تاخیر کے سلسلے میں ایک قسم کی تہدید کی گئی تھی یہ تھدیدامت میں سے ایک گروہ کی طرف سے اعتراض سے بچنے کی وجہ سے تھی۔
یہ وہ آثار وقرائن ہیں جن سے اس دن کی عظمت وشوکت معلوم ہوتی ہے اور یہ دن صاحب رسالت ختمی مرتبت حضرت محمد مصطفٰی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، ائمہ طاہرین علیہم السلام اور ان کے تمام پیروؤں کی خوشنودی کا سبب ہے اور اس دن کے عید ہونے سے ہمارا مقصود یہی ہے۔

غدیر کے عید کا دن ہونے پر تاکید

ایک روایت کے مطابق، جس میں فرات بن ابراہیم کوفی نے تیسری صدی میں محمد بن ظہیر سے اور اس نے عبداللہ بن فضل ہاشمی سے اور اس نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے اور انہوں نے اپنے والد بزرگوار سے اور انہوں نے اپنے آباواجداد سے اور نہوں نے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کی ہے کہ پیغمبر اسلامؐ نے بلند آواز میں غدیر کے دن کی تعریف وتمجید فرمائی ہے اور اسے اسلامی عیدوں میں سب سے افضل عید قرار دیا اور فرمایا ہے:

''یہ وہی دن ہے کہ خداوند متعال نے مجھے حکم فرمایا کہ اپنے بھائی علیؑ کو امت کی امامت کے لئے نصب کردوں تاکہ میرے بعد لوگ ان کے انوار سے ہدایت حاصل کریں۔ اور یہ وہی دن ہے جس روز خدا کا دین کامل ہوا، خدا کی نعمت امت پر تمام ہوئی اور خدا نے امت کے لئے اسلام کو پسند فرمایا۔''

اس کے علاوہ امام علی علیہ السلام نے بھی پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نقش قدم پر چلتے ہوئے غدیر کے دن کو عید کے عنوان سے پہچنوایا ہے۔ جس سال غدیر کا دن جمعہ کے دن واقع ہوا تھا حضرت علی علیہ السلام نے خطبہ کے دوران یوں فرمایا:

''انّ اللہ عزّوجل جمع لکم معشر المؤمنین فی ھذا الیوم عید ین عظیمین کبیرین''

''اے مؤمنو! خداوند متعال نے آج کے دن دو عظیم اور بڑی عیدوں (جمعہ وعید غدیر) کو آپ کے لئے جمع کر دیا ہے۔''

اسی طرح ائمہ اطہار علیہم السلام نے بھی اپنے جد بزرگوار پیغمبر خدا اور امیر المؤمنین علی مرتضیٰؑ کی طرح اس دن کو تمام مسلمانوں کے لئے عید کا دن قرار دیا ہے اور اس دن کے فضائل

بیان کیے ہیں اور اس دن نیک کام انجام دینے والوں کے ثواب بھی بیان فرمائے ہیں۔

فرات بن ابراھیم کوفی نے سورۂ مائدہ کی تفسیر میں جعفرابن محمد ازدی سے .....ابن احنف سے اور اس نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ آپؑ نے اس سوال: آپ پر قربان ہو جاؤ، کیا مسلمانوں کے لئے فطر، قربان، جمعہ اور عرفہ سے افضل بھی کوئی اور عید ہے؟ کے جواب میں فرمایا:

''جی ہاں، خدا کے نزدیک تمام عیدوں سے افضل، اعظم اور محترم وہ دن ہے جس دن خدا نے اپنے دین کو کامل فرمایا اور اپنے پیغمبر محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر یہ آیت نازل فرمائی:

﴿الیوم اکملت لکم دینکم ....﴾

راوی کہتا ہے کہ میں نے حضرتؑ سے سوال کیا: وہ کون سا دن ہے؟ آپؑ نے فرمایا:

''جب بنی اسرائیل کے انبیاء اپنے بعد وصی و امام کو مقرر کرتے، تو اسی دن کو عید کا دن قرار دیتے تھے۔ لہٰذا یہ وہی دن ہے جس دن رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے علیؑ کو لوگوں کا امام مقرر فرمایا اور اسی دن دین اور نعمتِ خدا کامل و تمام ہوئے۔''

میں نے آنحضرتؑ سے پوچھا وہ سال کا کون سا دن تھا؟ آپ نے فرمایا: دن آگے پیچھے ہوتے رہتے ہیں۔ کبھی عید سنیچر کو اور کبھی اتوار کو اور کبھی دوشنبہ کو یا ہفتہ کے کسی دن ہوتی ہے۔[1]

میں نے حضرتؑ سے پوچھا: ''اس دن ہمارا فریضہ کیا ہے؟ آپؑ نے فرمایا:

''وہ دن عبادت، نماز اور شکر بجا لانے کا دن ہے۔ اور مسرت و شادمانی کا دن ہے کہ خداوند متعال نے اس دن ہماری ولایت آپ لوگوں پر بطور احسان فرمائی ہے۔ اور مجھے پسند ہے کہ اُس دن روزہ رکھا جائے۔

ثقۃ الاسلام کلینی کتاب کافی کی جلد اول صفحہ ۳۰۳ پر علی ابن ابراھیم سے .....ابن راشد سے

۱۔ علامہ امینی نے لکھا ہے کہ ممکن ہے اس حدیث کا ایک حصہ رہ گیا ہو۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے ایک روایت نقل کرتے ہیں کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے اس سوال کے جواب میں:

میں آپ پر قربان ہو جاؤں کیا مسلمانوں کے لئے ان دو عیدوں کے علاوہ کوئی اور عید بھی ہے؟۔ فرمایا:

''عظیم و محترم ترین عید وہ دن ہے جب حضرت علی علیہ السلام بعنوان امام مقرر ہوئے''۔

میں نے حضرتؑ سے پوچھا: اُس دن ہمارا کیا فریضہ ہے؟

آپؑ نے فرمایا: ''روزہ رکھو اور محمد و آل محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم پر کثرت سے درود بھیجو اور جنہوں نے آل محمدؐ پر ظلم کیا ہو ان سے نفرت اور بیزاری کا اظہار کرو۔ یہ حقیقت ہے کہ گذشتہ انبیائے الٰہی اپنے جانشینوں کو حکم دیتے تھے کہ جس دن جانشینی کا عہدہ سنبھالیں اس دن کو عید قرار دیں۔''

ثقۃ الاسلام کلینی ایک اور جگہ پر کافی کی پہلی جلد میں صفحہ ۲۰۴ پر سہل ابن زیاد سے اور وہ عبدالرحمٰن ابن سالم اور وہ اپنے باپ سے نقل کرتے ہیں کہ میں نے امام جعفر صادق سے سوال کیا کہ: کیا عید قربان، فطر اور جمعہ کے علاوہ بھی مسلمانوں کی کوئی عید ہے؟

امامؑ نے فرمایا: ''ہاں، ایک ایسی عید ہے، جس کا احترام ان سب سے بالاتر ہے۔''

میں نے سوال کیا؟ ''آپؑ پر قربان ہو جاؤں وہ کون سی عید ہے؟''

آپؑ نے فرمایا: وہ دن جب پیغمبر اسلامؐ نے حضرت علی علیہ السلام کو امامت کے عہدے پر مقرر کیا اور فرمایا:

من کنت مولاہ فعلی مولاہ.

میں نے سوال کیا: ''یہ کون سا دن تھا؟''

آپؑ نے فرمایا: تمہیں دن سے کیا سروکار ہے۔ کیونکہ سال گردش میں ہوتا ہے۔ لیکن مہینہ

کے لحاظ سے وہ ۱۸ ذی الحجہ کا دن تھا۔

میں نے سوال کیا: اس دن ہمارا فریضہ کیا ہے؟

آپ نے فرمایا: اس دن ذکر خدا کرو، روزہ رکھو، محمدؐ و آل محمدؐ پر درود بھیجو۔ اور پیغمبر خداؐ نے امیر المؤمنین حضرت علیؑ سے تاکید کی ہے کہ اس دن عید منائیں۔ اسی طرح دیگر انبیاء نے بھی اپنے جانشینوں کو وصیت فرمائی تھی کہ جانشینی کے منصب پر فائز ہونے کے دن کو عید کا دن قرار دیں۔

شیخ صدوق کی "خصال" میں مفصل سے روایت ہے کہ: میں نے حضرت امام جعفر صادقؑ سے سوال کیا: مسلمانوں کی کتنی عیدیں ہیں؟ آپؑ نے فرمایا: چار عیدیں ہیں۔ میں نے سوال کیا: "فطر و قربان و جمعہ کو تو جانتا ہوں (چوتھی کون سی ہے؟)" فرمایا: ان سب سے عظیم و محترم تر ۱۸ ذی الحجہ ہے کہ اس دن پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے علی علیہ السلام کو منصب امامت پر مقرر فرمایا ہے۔

شیخ الطائفہ طوسی، "مصباح" میں ص ۵۱۲ پر عمار بن حریر عبدی سے نقل کرتے ہیں کہ: میں ۱۸ ذی الحجہ کو حضرت امام جعفر صادقؑ کی خدمت میں حاضر ہوا، میں نے دیکھا آپؑ روزہ سے تھے۔

آپؑ نے فرمایا: یہ ایک عظیم دن ہے کہ خداوند کریم نے مومنین پر اس کا احترام مقرر فرمایا ہے اس دن دین کو کامل کر دیا اور مؤمنین پر اپنی نعمتیں تمام فرمائیں اور اپنے عہد و پیمان کی تجدید فرمائی ہے۔ میں نے حضرتؑ سے پوچھا کہ: اس دن کا ثواب کتنا ہے؟ آپؑ نے فرمایا: یہ دن عید کا دن ہے اور مسرت و شادمانی اور خدا کا شکر بجالانے کا دن ہے۔

حدیث حمیری میں فرماتے ہیں کہ عید غدیر کی نماز شکرانہ کے بعد سجدہ میں یہ دعا پڑھے:

"اللهم انا نفرج و جو هنا في يوم عيد نا الذى شرفتنا فيه بولاية مولانا امير المؤمنين على ابن ابيطالب عليه السلام"

''خداوندا! ہم اپنی عید کے دن، جس دن تو نے ہمارے مولا امیر المؤمنین علی ابن ابی طالبؑ کی ولایت کا شرف ہمیں بخشا، خندہ پیشانی، خوشی اور مسرت کا اظہار کرتے ہیں۔''

اس لئے جیسا کہ مشاہدہ ہوا غدیر کے دن کا عید ہونا تمام ملت اسلامیہ کے مسلّمات میں سے ہے، کہ پیغمبر اسلامؐ نے اس کی سفارش فرمائی ہے اور آپؐ کے جانشینوں نے بھی ایک کے بعد ایک امام جعفر صادق علیہ السلام تک سب نے اس دن کے عید ہونے اور اس کے احترام پر تاکید فرمائی ہے۔ اور شیعی مآخذ نے بھی جو تیسری صدی ہجری میں تألیف ہوئے ہیں، اس دن عید ہونے کی روایت کی ہے۔

شک پیدا کرنیوالوں کے شبہات

اس کے باوجود ہم نویری اور مقریزی کے یہاں ایک عجیب چیز پاتے ہیں کہ ان دونوں نے کہا ہے کہ معز الدولہ نے ۳۵۲ھ کو غدیر کے دن عید منانے کی بدعت رائج کی ہے۔

نویری اپنی کتاب ''نھایۃ الارب فی فنون الأدب'' جلد اول کے صفحہ ۱۷۷ پر اسلامی عیدوں کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتا ہے:

''اور جو عید شیعوں نے بدعت کے طور پر ایجاد کی ہے اور اس کا نام ''عید غدیر'' رکھا ہے.... پہلا آدمی جس نے اس دن عید کی بدعت کا آغاز کیا وہ ابوالحسن معزّ الدولہ علی بن بویہ تھا، اس نے ۳۵۲ ہجری میں اس دن کو عید قرار دیا۔''

اس کے بعد کہتا ہے:

''جب اس عید کو شیعوں نے بدعت کے طور پر ایجاد کیا تو اہل سنت نے ۳۸۹ ہجری کو اس دن کے آٹھ روز بعد ایک عید کا اعلان کیا، یعنی اس دن کو جس دن آنحضرتؐ

ابوبکر کے ساتھ غار میں داخل ہوئے تھے۔ لہذا اس دن آگ جلاتے ہیں اور زینت کرتے ہیں۔''

مقریزی ''الخطط'' کے جلد دوم کے صفحہ ۲۲۲ پر لکھتا ہے:

''عید غدیر کی کوئی شرعی حیثیت نہیں ہے اور امت کے اسلاف میں سے کسی نے اسے عید قرار نہیں دیا ہے۔ پہلا شخص جس نے اس دن کو عید کے طور منایا، معزالدولہ علی بن بویہ تھا، اس نے ۳۵۲ میں عراق میں اس بدعت کا آغاز کیا۔''

علامہ امینی اس سلسلے میں فرماتے ہیں:

''ان کی ان باتوں کے مقابلے میں کیا کہوں ؟! کیا یہ لوگ حقیقت کو جانتے ہیں اور لکھتے وقت اسے بھول جاتے ہیں ؟!! یا کچھ ایسی باتیں کہتے ہیں لیکن سمجھتے نہیں کہ کیا کہہ رہے ہیں ؟!! یا سرے سے جانتے ہی نہیں کہ کیا کہتے ہیں ؟!

کیا مسعودی (وفات ۳۴۶ ھ) نے ''التنبیہ والاشراف'' کے ص ۲۲۱ پر نہیں لکھا ہے کہ علیؑ کی اولاد اور ان کے شیعہ اس دن کا احترام کرتے ہیں ؟! کیا کلینی (وفات ۳۲۹ ھ) نے کتاب ''کافی'' میں عید غدیر کی حدیث بیان نہیں کی ہے ؟! اور کلینی سے پہلے مفسر، فرات بن ابراہیم کوفی نے اپنی آخری تفسیر میں -- جو اس وقت بھی موجود ہے -- عید غدیر کی روایت نہیں کی ہے؟ اور یہی فرات ثقۃ الاسلام کلینی کے سلسلہ مشائخ میں سے ہے اور یہ کتابیں نویری اور مقریزی کے اس بیان سے پہلے تالیف ہوئی ہیں۔ نویری اور مقریزی ۳۵۲ ھ میں یہ باتیں کہی ہیں جبکہ مذکورہ کتابیں تیسری صدی ہجری میں تالیف ہوئی ہیں۔ کیا فیاض بن محمد بن عمر طوسی نے ۲۵۹ ہجری میں اس عید کی خبر نہیں دی ہے؟

وہ کہتا ہے کہ: میں نے امام رضا علیہ السلام (وفات ۲۰۳ ھ) کو دیکھا کہ آپؑ اس دن کو عید مناتے ہوئے اس کے فضائل بیان فرمارہے تھے۔ اور اس کو اپنے آباواجداد اور امیرالمؤمنینؑ سے

روایت کرتے تھے۔

کیا یہ امام جعفر صادق علیہ السلام (وفات ۱۴۸ھ) نہیں ہیں کہ اس دن کے عید ہونے کو مکرر بیان فرماتے تھے اور اپنے شاگردوں و مومنین کو یاددہانی فرماتے تھے۔؟!

حقیقت یہ ہے کہ عید غدیر ایک اسلامی عید ہے اور پیغمبر اسلام، ائمہ اطہارؑ اور مؤمنین نے پوری تاریخ کے دوران اس کو اہمیت دی ہے اور اسکی تجلیل و تعظیم کرتے رہے ہیں۔ لیکن یہ دو شخص (نویری و مقریزی) اس قسم کا جھوٹ لکھتے وقت اس تصور میں بھی نہیں تھے کہ کوئی آکر ان کی پول کھول کے رکھدیگا۔

پانچویں فصل

اصحاب، اور غدیر کا واقعہ

غدیر کا واقعہ مسلمانوں کے درمیان سب سے زیادہ مشہور اور نمایاں واقعات میں سے ہے۔ یہ واقعہ تاریخ میں ہمیشہ خاص توجہ کا مرکز بنا ہے اور سینہ بہ سینہ و نسل در نسل منتقل ہوتا رہا ہے۔ شیعوں اور علی علیہ السلام کے دوستوں و پیروؤں کے درمیان اس دن جشن اور خوشی کی تقریبات منعقد کی جاتی تھیں اور یہ سلسلہ ہر سال دہرایا جاتا تھا۔ یہ واقعہ شیعوں کی عام و خاص مجالس و محافل میں ذکر ہوتا رہا اور صدر اسلام کا اس قدر نمایاں واقعہ شمار ہوتا ہے کہ اس کے لئے انھیں کسی سند اور راوی کے ذکر کی بھی ضرورت نہیں ہوتی۔

میرے خیال سے اس واقعہ کے ضبط و ثبت میں سنی علماء شیعوں سے پیچھے نہیں رہے ہیں، بلکہ وہ واقعہ غدیر کو ایک مسلمہ حقیقت جانتے ہیں اور اس کے صحیح ہونے اور تواتر کا اعتراف کرتے ہیں۔ ایسے افراد بہت کم اور انگشت شمار ہوں گے جنھیں تعصب کے اندھے پن اور جہالت نے اس حقیقت کو درک کرنے سے محروم رکھا ہو اور انہوں نے عام مسلمانوں، اور مختلف اسلامی فرقوں کے مفسرین و مورخین کے نظریات کے خلاف اپنا نظریہ پیش کیا ہو۔

مختصر یہ کہ غدیر خم کا واقعہ سنی دانشوروں کی نظر میں -- مکتب اہل بیتؑ کے علماء کی طرح --

ایک ثابت، حقیقی، مسلّم اور متواتر امر ہے[1]۔ اس لئے ہم دیکھتے ہیں کہ اصحاب و تابعین کے نزدیک غدیر کے واقعہ کی خاص اہمیت تھی۔ ذیل میں ہم، اپنی اب تک کی تحقیق کی روشنی میں ان اصحاب کا نام ''الفباء'' کی ترتیب سے ذکر کرتے ہیں جن تک اس حدیث کی روایت پہنچتی ہے:

۱۔ ابوہریرہ دوسی (وفات ۵۷ یا ۵۸ یا ۵۹ھ) جنہوں نے ۷۸ سال عمر پائی ہے۔

''استیعاب، ج ۲، صفحہ ۴۷۶	از	ابن عبد البر''
''اسنی المطالب، ص ۳،	از	شمس الدین الجزری''
''البدایہ والنہایہ ج ۵، ص ۲۱۴	از	ابن کثیر''
''تاریخ بغداد، ج ۸، ص ۲۹۰	از	خطیب بغدادی''
''تاریخ الخلفاء، ص ۱۱۴	از	جلال الدین سیوطی''
''تہذیب التہذیب، ج ۷، ص ۳۲۷	از	ابن حجر عسقلانی''
''تہذیب الکمال فی اسماء الرجال	از	حجاج مزی''
''حدیث العلایہ	از	حافظ ابن عقدۃ کوفی''
''الدرّ المنثور، ج ۲، ص ۲۰۹	از	سیوطی''
''فرائد السمطین	از	حافظ ابی اسحاق حموینی''
''کنز العمال، ج ۶ ص ۱۵۴ و ۴۰۳	از	متقی ھندی''
''مقتل الامام السبط الشہید	از	خطیب خورزمی''
''المناقب، ص ۱۳۰	از	خطیب خوارزمی''
''نخب المناقب	از	قاضی ابی بکر حجابی''

۱۔ نمونہ کے طور پر: احمد ابن حنبل نے اس حدیث کو چالیس طریقوں سے، ابن جریر طبری نے ستر سے زاید طریقوں سے، جزری مقری نے اسی (۸۰) طریقوں سے، ابن عقدہ نے ایک سو پانچ طریقوں سے، ابوسعید بجستانی نے ایک سو بیس طریقوں سے اور ابوبکر جعابی نے ایک سو پچیس طریقوں سے اس حدیث کی روایت کی ہے۔ پھر یہ حدیث کیوں کر ثابت و متواتر نہ ہوگی؟!!)

''نزل الابرار، ص ۲۰ از میرزا محمد بدخشی''

۲۔ابولیلیٰ انصاری (کہا جاتا ہے کہ آپ ۳۷ ہجری میں صفین میں قتل ہوئے)

''تاریخ الخلفاء، ص ۱۱۴ از سیوطی''

''جواہر العقدین از نورالدین سمہودی''

''حدیث الولایہ از ابن عقدۃ''

''المناقب، ص ۳۵ از خطیب خوارزمی''

۳۔ابوزینب عوف الانصاری:

''اسد الغابہ، ج ۳ ص ۳۰۷ و ج ۵ ص ۲۰۵ از ابن کثیر''

''الاصابہ، ج ۲، ص ۴۰۸ و ج ۴، ص ۸۰ از ابن حجر''

''حدیث الولایہ از ابن عقدۃ''

۴۔ابوفضالۃ الانصاری (آپ اہل بدر میں سے تھے اور صفین میں حضرت علیؑ کے ساتھ تھے اور اسی جنگ میں قتل ہوئے)

''اسد الغابہ، ج ۳ ص ۳۰۷ و ج ۵ ص ۲۰۵ از ابن اثیر''

''تاریخ آل محمدؐ ۶۷ از قاضی محمد بہجت آفندی''

''حدیث الولایہ از ابن عقدۃ''

۵۔ابوقدامہ انصاری (آپ شہدائے رحبہ میں سے ہیں)

''حدیث الولایہ از ابن عقدۃ''

''جواہر العقدین از سمہودی''

۶۔ابوعمرۃ بن عمرو ابن محصن انصاری:

''اسد الغابۃ، ج ۳، ص ۳۰۷ از ابن کثیر''

''حدیث الولایہ	از	ابن عقدۃ''

۷۔ابوھیثم بن تیہان (۳۶ ہجری میں صفین میں قتل ہوئے)

''حدیث الولایہ	از	ابن عقدۃ''
''نخب المناقب	از	جعابی''
''مقتل خوارزمی''		
''جواہر العقدین	از	سمہودی''
''تاریخ آل محمد، ص ۱۶۷	از	بہجت آفندی''

۸۔ابورافع قبطی (غلامِ رسول اللہؐ)

''حدیث الولایۃ	از	ابن عقدۃ''
''نخب المناقب	از	جعابی''
''مقتل خوارزمی''		

۹۔ابوذویب خویلد (وفات دورِ خلافتِ عثمان میں)

''حدیث الولایہ	از	ابن عقدۃ''
''مقتل الامام السبط چوتھی فصل میں	از	خطیب خوارزمی''

۱۰۔ابوبکر بن ابی قحافہ تیمی (وفات ۱۳ ہجری)

''حدیث الولایہ	از	ابن عقدۃ''
''نخب المناقب	از	ابوبکر جعابی''
''اسنی المطالب ص ۳	از	جزری''
''کتاب فی حدیث الغدیر	از	منصور رازی''

۱۱۔اسمہ بن زید بن حارثہ کلبی (وفات ۵۴ ہجری) انہوں نے ۷۰ سال عمر پائی ہے۔

''حدیث الولایہ	از	ابن عقدۃ''
''نخب المناقب	از	ابوبکر جابی''

۱۲۔ابی بن کعب انصاری خذرجی سیدّ القرّاء (وفات ۳۰ یا ۳۲ ہجری)

''نخب المناقب	از	ابوبکر جعابی''

۱۳۔اسعد بن زرارہ انصاری

''حدیث الولایہ	از	ابن عقدۃ''
''نخب المناقب	از	ابوبکر جعابی''
''کتاب الولایہ	از	ابوسعید بجستانی''
''اسنی المطالب جرری''		

۱۴۔اسماء بنت عمیس

''حدیث الویہ	از	ابن عقدۃ''

۱۵۔ام سلمہ زوجہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

''حدیث الولایہ	از	ابن عقدۃ''
''جواہر العقدین	از	سمہودی''
''ینابیع المودۃ	از	قندوزی''
''وسیلۃ المآل	از	باکثیر مکی''

۱۶۔ام ہانی دختر حضرت ابوطالبؑ

''جواہر العقدین	از	سمہودی''
''ینابیع المودۃ	از	قندوزی''

"حدیث الولایہ	از	ابن عقدہ"

۱۷۔ابوحمزہ انس بن مالک انصاری خادم پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (وفات ۹۳ ہجری)

"تاریخ بغداد	از	خطیب بغدادی"
"نخب المناقب	از	ابوبکر جعابی"
"مقتل	از	خوارزمی"
"المعارف	از	ابن قتیبہ دینوری"
"تاریخ الخلفاء	از	سیوطی"
"کنز العمال	از	متقی ھندی"
"نزل الابرار	از	بدخشی"
"اسنی المطالب	از	جزری"

۱۸۔براء بن عازب انصاری (وفات ۷۲ ہجری)

"مسند: ج ۴ص ۲۸۱	از	احمد بن حنبل"
"سنن: ج ۱ص ۲۸، ۲۹	از	ابن ماجہ"
"خصائص: ص ۱۶	از	نسائی"
"تاریخ بغداد ج ۱۴، ص ۲۳۶	از	خطیب بغدادی"
"تفسیر طبری، ج ۳ص ۴۲۸	از	طبری"
"تہذیب الکمال	از	ابی حجاج"
"الکشف والبیان	از	ثعلبی"
"الریاض النضرۃ ج ۲، ص ۱۶۹	از	محب الدین طبری"
"مناقب ص ۹۴	از	خطیب خوارزمی"

''الفصول المہمہ، ص۲۵	از	ابن صباغ مالکی''
''ذخائر العقبیٰ، ص ۶۷	از	محبّ الدین طبری''
''کفایۃ الطالب ص۱۴،	از	گنجی شافعی''
''التفسیر الکبیر ج ۳، ص ۶۳۶	از	فخر رازی''
''تفسیر نیشابوری، ج ۶، ص ۱۹۴	از	نیشابوری''
''نظم درا لسمطین	از جمال الدین زرندی''	
''الجامع الصغیر، ج ۲، ص ۵۵۵	از	سیوطی''

نیز مشکاۃ المصابیح، شرح دیوان امیر المؤمنین میبدی، فرائد السمطین، کنز العمال اور البدایہ والنہایہ وغیرہ۔

۱۹۔ بریدہ بن حصیب اسلمی (وفات ۶۳ ھ)

''مستدرک، ج ۳، ص ۱۱۰	از	حاکم''
''حلیۃ الاولیاء، ج ۴، ص ۲۳	از	اصفہانی''
''استیعاب، ج ۲، ص ۴۷۳	از	ابن عبد البر''
''مقتل	از	خوارزمی''
''اسنی المطالب ص ۳	از	جزری''
''تاریخ الخلفاء، ص ۱۱۳	از	سیوطی''
''الجامع الصغیر، ج ۲، ص ۵۵۵	از	سیوطی''
''کنز العمال، ج ۶، ص ۳۹۷	از	متقی ھندی''
''نزل الابرار، ص ۲۰	از	بدخشی''
''تفسیر المنار، ج ۶ ص ۴۶۴	از	محمد عبدہ''

۲۰۔ ابو سعید ثابت بن ودیعہ انصاری

"حدیث الولایہ از ابن عقدہ"

"اسد الغابہ" ج ۳ ص ۳۰۷ و ج ۵ ص ۲۰۵ از ابن کثیر

"تاریخ آل محمد ص ۶۷ از بہجت آفندی"

"کنزل العمال، ج ۶ ص ۳۹۸ از متقی ھندی"

۲۱۔ جابر بن سمرۃ (وفات ۷۰ ہجری کے بعد)

"حدیث الولایہ از ابن عقدہ

۲۲۔ جابر بن عبد اللہ انصاری (وفات ۷۳ یا ۷۴ یا ۷۸ھ) ۹۴ سال عمر کی ہے

"حدیث الا ولایہ از ابن عقدہ"

"نخب المناقب از ابوبکر جعابی"

"استیعاب، ج ۲، ص ۴۷۳ از ابن عبد البر"

"تہذیب التہذیب، ج ۷، ص ۳۳۷ از ابن حجر"

"کفایت الطالب، ص ۱۶ از گنجی شافعی"

"فرائد السمطین، سمط اول، باب نہم از حموئی"

"البدایۃ والنہایہ، ج ۵، ص ۲۰۹ از ابن کثیر"

"کنز العمال، ج ۶، ص ۳۹۸ از متقی ھندی"

"جواہر العقدین از سمہودی"

"ینابیع المودۃ، ص ۴۱ از قندوزی"

"العمدۃ، ص ۵۳ از ابن بطریق"

"مقتل از خوارزمی"

''اسنی المطالب، ص ۳	از	جزری''
''تاریخ آل محمدؐ، ص ۶۷	از	بہجت آفندی''

۲۳۔ جبلۃ ابن عمرو انصاری

''حدیث الولایہ	از	ابن عقدۃ''

۲۴۔ جبر ابن مطعم نوفلی (وفات ۵۷ھ)

''تاریخ آل محمدؐ، ص ۶۸	از	بہجت آفندی''
''مودۃ القربیٰ	از	ہمدانی''
''ینابیع المودۃ ص ۳۱ و ۳۳۶	از	قندوزی''

۲۵۔ جریر ابن عبداللہ بجلی (وفات ۵۱ھ)

''مجمع الزوائد، ج ۹، ص ۱۰۶	از	ھیثمی''
''تاریخ الخلفاء، ص ۱۱۴،	از	سیوطی''
''البدایۃ والنہایۃ، ج ۷، ص ۳۴۹	از	ابن کثیر''
''کنز العمال، ج ۶، ص ۱۵۴ و ۳۹۹	از	متقی ھندی''
''الاکتفاء	از	وصابی''
''مفتاح النجا	از	بدخشی''

۲۶۔ ابوذر جندب بن جنادہ غفاری (وفات ۳۱ ہجری)

''حدیث الولایہ	از	ابن عقدۃ''
''فرائد السمطین	از	حموینی''
''نخب المناقب	از	جعابی''
''مقتل	از	خوارزمی''

"أزسنی المطالب	از	شمس الدین جرزی"

۲۷۔ابوجنیدة جندع بن مازن انصاری

"اسد الغابة، ج۱،ص ۳۰۷	از	ابن اثیر"
"معارج العلی	از	محمد صدر العالم"
"تاریخ آل محمدؐ	از	بهجت آفندی"

۲۸۔حبۃ بن جوین ابوقدامۃ (وفات ۷۶ یا ۷۹ھ)

"تاریخ بغداد، ج۸،ص ۲۷۶	از	خطیب بغدادی"
"حدیث الولایہ	از	ابن عقدہ"
"الکنی والاسماء، ج۲،ص ۸۸	از	دولابی"
"المناقب	از	ابن مغازلی"
"الاصابة، ج۱ص ۳۷۲	از	ابن حجر"
"ینابیع المودة،ص ۳۴،	از	قندوزی"

۲۹۔حبشی بن جنادہ سلولی

"حدیث الولایة	از	ابن عقدہ"
"اسد الغابة، ج۳،ص ۳۰۷ وج ۵،ص ۲۰۵،	از	ابن کثیر"
"الریاض النضر ة، ج۲،ص ۱۶۹	از	محب الدین طبری"
"جمع الجوامع	از	سیوطی"
"کنز العمال، ج۶ص ۱۵۴،	از	متقی هندی"
"مجمع الزوائد، ج۹ص ۱۰۶	از	هیثمی"
"تاریخ الخلفاء ص ۱۱۴،	از	سیوطی"

"نزل الابرار، ص ۲۰	از	بدخشی"
"الاکتفاء	از	وصابی"
"اسنی المطالب، ص ۴،	از	جزری"

۳۰۔ جیب ابن بدیل بن ورقاء خزاعی

"حدیث الولایہ	از	ابن عقدہ"
"اسد الغابۃ، ج ۱ ص ۳۶۸،	از	ابن اثیر"
"الاصابۃ، ج ۱ ص ۳۰۴،	از	ابن حجر"

۳۱۔ حذیفہ بن اُسید ابو سریحۃ (وفات ۴۰ یا ۴۲ھ)

"حدیث الولایہ	از	ابن عقدہ"
"ینابیع المودۃ، ص ۳۸،	از	قندوزی"
"صحیح، ج ۲، ص ۲۹۸،	از	ترمذی"
"اسد الغابہ	از	ابن اثیر"
"فرائد السمطین	از	حموینی"
"الفصول المہمہ، ص ۲۵	از	ابن صباغ"

"البدایہ والنہایہ، ج ۵، ص ۲۰۹ و ج ۷، ص ۳۴۸، از ابن کثیر"

"الصواعق، ص ۲۵	از	ابن حجر"
"السیرۃ الحلبیہ، ج ۳، ص ۳۰۱،	از	حلبی"
"نوادر الاصول	از	ترمذی"
"مجمع الزوائد، ج ۹، ص ۱۶۵،	از	ھیثمی"
"اخبار الدول، ص ۱۰۲،	از	قرمانی"

''تاریخ آل محمد	از	بہجت افندی''

۳۲۔ حذیفہ بن الیمان یمانی (وفات ۳۶ ھ)

''حدیث الولایہ	از	ابن عقدۃ''
''نخب المناقب	از	ابوبکر جعابی''
''دعاء الھداۃ	از	حسکانی''

۳۳۔ حسان بن ثابت (پہلی صدی ہجری کا معروف شاعر)

۳۴۔ امام مجتبیٰ حسن ابن علیؑ سبط پیغمبر اسلام صلی علیہ وآلہ وسلم۔

''حدیث الولایہ	از	ابن عقدہ''
''نخب المناقب	از	ابوبکر جعابی''

۳۵۔ امام حسین ابن علی علیہ السلام

''حدیث الولایہ	از	ابن عقدہ''
''نخب المناقب	از	ابوبکر جعابی''
''مقتل	از	خورزمی''
''زین الفتی	از	عاصمی''
''المناقب	از	ابن مغازلی''
''حلیۃ الاولیاء، ج ۹، ص ۶۴	از	ابونعیم''

۳۶۔ ابوایوب خالد بن زید انصاری۔

''حدیث العلایۃ	از	ابن عقدہ''
''نخب المناقب	از	ابوبکر جعابی''

''الریاض النضرۃ، ج ۲، ص ۱۶۹،	از	محب الدین طبری''
''اسد الغابۃ ج ۵، ص ۶،	از	ابن اثیر''
''البدایۃ والنھایۃ ج ۵، ص ۲۰۹،	از	ابن کثیر''
''جمع الجوامع	از	سیوطی''
''تاریخ الخلفاء، ص ۱۱۴،	از	سیوطی''
''کنز العمال، ج ۲، ص ۱۵۴،	از	متقی ھندی''
''الاصابۃ، ج ۷، ص ۸۰ و ج ۶، ص ۲۲۳،	از	ابن حجر عسقلانی''
''جواہر العقدین	از	سمہودی''
''اسنی المطالب، ص ۴،	از	جزری''

۳۷۔ ابوسلیمان خالد بن الولید مخزومی (وفات ۲۱ ہجری)

''نخب المناقب	از	ابوبکر جعابی''

۳۸۔ خزیمہ بن ثابت انصاری ذوالشہادتین (۳۷ ہجری میں صفین میں قتل ہوئے)

''حدیث الولایہ	از	ابن عقدہ''
''نخب المناقب	از	ابوبکر جعابی''
''جواہر العقدین	از	سمہودی''
''اسد الغابہ ج ۳، ص ۳۰۷،	از	ابن اثیر''
''اسنی المطالب، ص ۴	از	جزری''
''تاریخ آل محمدؐ، ص ۶۷،	از	آفندی''

۳۹۔ ابوشرح خولید خزاعی (وفات ۶۸ ھ)۔

۴۰۔ رفعہ بن عبد المنذر راسدی۔

''حدیث الولایہ	از	ابن عقدۃ''
''نخب المناقب	از	ابوبکر جعابی''
''کتاب الغدیر	از	منصور رازی''

۴۱۔زبیر بن العوام قرشی (وفات ۳٦ ہجری)۔

''حدیث الولایہ	از	ابن عقدۃ''
''نخب المناقب	از	ابوبکر جعابی''
''کتاب الغدیر	از	منصور رازی''
''مناقب	از	ابن مغازلی''
''أسنی المطالب	از	جزری''

۴۲۔زید بن ارقم انصاری (وفات ٦٦ یا ٦۸ ھ)

''مسند، ج ۴، ص ۳٦۸،	از	احمد بن حنبل''
''الخصائص، ص ١٦،	از	نسائی''
''الکنی والاسماء، ج ۲، ص ٦١،	از	دولابی''
''صحیح، ج ۲، ص ۳۲۵،	از	مسلم نیشابوری''
''مصابیح السنۃ، ج ۲، ص ١۹۹،	از	بغوی''
''صحیح، ج ۲، ص ۲۹۸،	از	ترمذی''
''مستدرک، ج ۳، ص ١۰۹،	از	حاکم''

اور بہت سے دیگر مآخذ و منابع....

۴۳۔ابوسعید زید بن ثابت (وفات ۴۵ یا ۴۸ ہجری)

''حدیث الولایہ	از	ابن عقدۃ''

''نخب المناقب	از	ابو بکر جعابی''
''اسنی المطالب	از	جزری''

۴۴۔ زید۔ یزید۔ بن شراحیل انصاری۔

''حدیث الولایہ	از	ابن عقدۃ''
''اسد الغابۃ، ج ۲، ص ۲۳۳	از	ابن اثیر''
''الاصابۃ، ج ۱، ص ۵۶۷،	از	ابن حجر''
''مقتل	از	خوارزمی''
''تاریخ آل محمدؐ، ص ۱۶۷،	از	بہجت آفندی''

۴۵۔ ابو اسحاق سعد ابن ابی وقاص (وفات ۵۴ یا ۵۵ یا ۵۶ یا ۵۸ھ)۔

''خصائص، ص ۳،	از	نسائی''
''العمدۃ، ص ۴۸،	از	ابن بطریق''
''سنن، ج ۱، ص ۳۰،	از	ابن ماجہ''
''مستدرک، ج ۳، ص ۱۱۶،	از	ابن حاکم''
''حلیۃ الاولیاء، ج ۴، ص ۳۵۶،	از	ابو نعیم اصفہانی''
''حدیث الولایہ	از	ابن عقدۃ''
''کفایۃ المطالب، ص ۱۶	از	گنجی شافعی''

''اور دیگر منابع و مآخذ۔

۴۶۔ سعد بن جنادہ عوفی، عطیہ عوفی کے باپ۔

''حدیث الولایۃ	از	ابن عقدۃ''
''نخب المناقب	از	ابو بکر جعابی''

''مقتل	از	خوارزمی''

۴۷۔ سعد بن عبادہ انصاری (وفات ۱۴ یا ۱۵ ہجری)۔

''نخب المناقب	از	ابوبکر جعابی''

۴۸۔ ابوسعید سعد بن مالک انصاری (وفات ۶۳ یا ۔۔۔۔ ہجری)

''حدیث الولایہ	از	ابن عقدۃ''
''ما نزل من القرآن فی علی	از	ابونعیم''
''کتاب الولایہ	از	ابوسعید بحستانی''
''الخصائص العلویہ	از	ابوالفتح''

۴۹۔ سعید بن زید قرشی عدوی (وفات ۵۰ ہجری)

''مناقب	از	ابن مغازی''

۵۰۔ سعید بن سعد بن عبادہ انصاری۔

''حدیث الولایہ	از	ابن عقدۃ''

۵۱۔ ابوعبداللہ سلمان فارسی (وفات ۳۶ یا ۳۷ ھ)۔

''حدیث الولایہ	از	ابن عقدۃ''
''نخب المناقب	از	ابوبکر جعابی''
''فرائد السمطین	از	حموئی''
''أسنی المطالب، ص ۴،	از	جزری''

۵۲۔ ابومسلم سلمۃ بن عمرو بن اکوع اسلمی (وفات ۶۴ ھ)

''حدیث الولایہ	از	ابن عقدۃ''

۵۳۔ابوسلیمان سمرۃ بن جندب الفزاری (وفات ۵۸ھ)

''حدیث الولایہ	از	ابن عقدۃ''
''نخب المناقب	از	ابوبکر جعابی''
''اسنی المطالب	از	جزری''

۵۴۔زید بن عبداللہ انصاری۔

''حدیث الولایہ	از	ابن عقدۃ''

۵۵۔سہل ابن حنیف انصاری (وفات ۳۸ ہجری)

''حدیث الولایہ	از	ابن عقدۃ''
''نخب المناقب	از	ابوبکر جعابی''
''اسد الغابۃ، ج ۳، ص ۳۰۷	از	ابن اثیر''
''اسنی المطالب، ص ۴،	از	جزری''

۵۶۔ابوالعباس سہل بن سعد انصاری (وفات ۹۱ ہجری)

''جواہر العقدین	از	سمہودی''
''ینابیع المودۃ	از	قندوزی''
''تاریخ آل محمدؐ ص ۶۷،	از	بہجت آفندی''

۵۷۔ابوامامۃ الباھلی (وفات ۸۶ ہجری)

''حدیث الولایہ	از	ابن عقدہ''

۵۸۔ضمیر اسدی

''حدیث الولایہ	از	ابن عقدہ''

''کتاب الغدیر از منصور رازی''

۵۹۔ طلحہ بن عبید اللہ تمیمی (وفات ۳۶ھ)

''مروج الذہب ج ۲، ص ۱۱، از مسعودی''

''مستدرک، ج ۳، ص ۱۷۱، از حاکم''

''المناقب از خوارزمی''

''مجمع الزوائد، ج ۹، ص ۱۰۷، از ہیثمی''

''تہذیب التہذیب ج ۱، ص ۳۹۱، از ابن حجر''

''زین الفتی از عاصمی''

اور دیگر مآخذ۔

۶۰۔ عامری بن عمیر نمیری

''حدیث الولایہ از ابن عقدۃ''

''الاصابۃ، ج ۲، ص ۲۵۵، از ابن حجر''

۶۱۔ عامر بن لیلی بن حمزۃ

''حدیث الولایہ از ابن عقدۃ''

''اسد الغابۃ، ج ۳، ص ۹۲، از ابن اثیر''

''الاصابۃ، ج ۲، ص ۲۵۷، از ابن حجر''

۶۲۔ عامر بن لیلی غفاری

''الاصابۃ۔ ج ۲، ص ۲۵۷، از ابن حجر''

۶۳۔ ابوطفیل عامر بن وائلہ لیثی (وفات ۱۰۰ ہجری)

''مسند، ج ۱، ص ۱۱۸،	از	احمد بن حنبل''
''صحیح، ج ۲، ص ۲۹۸،	از	ترمذی''
''مستدرک، ج ۳، ص ۱۰۹،	از	حاکم''
''اسد الغابۃ، ج ۳، ص ۹۲،	از	ابن اثیر''
''جواہر العقدین	از	سمہودی''

۶۴۔ عائشہ بنت ابوبکر زوجۂ النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

''حدیث الولایہ	از	ابن عقدۃ''

۶۵۔ عباس بن عبد المطلب بن ہاشم (وفات ۳۲ ھ)

''اسنی المطالب، ص ۳،	از	جزری''
''حدیث الولایہ	از	ابن عقدۃ''

۶۶۔ عبد الرحمن بن عبد ربؓ انصاری

''حدیث الولایہ	از	ابن عقدۃ''
''اسد الغابہ، ج ۳، ص ۳۰۷ و ج ۵، ص ۲۰۵،		از ابن اثیر''
''الاصابۃ، ج ۲، ص ۴۰۸،	از	ابن حجر''
''تاریخ آل محمدؐ، ص ۶۷،	از	بہجت آفندی''

۶۷۔ ابومحمد عبد الرحمن ابن عوف (وفات ۳۱ ھ)

''حدیث الولایہ	از	ابن عقدۃ''
''کتاب الغدیر	از	منصور رازی''
''مناقب	از	ابن مغازلی''

''اسنی المطالب　　از　　جزری''

۶۸۔ عبدالرحمن بن یعمر الدیلمی

''حدیث الولایہ　　از　　ابن عقدۃ''

''مقتل　　از　　خوارزمی''

۶۹۔ عبداللہ بن ابی مخزومی

''حدیث الولایہ　　از　　ابن عقدۃ''

۷۰۔ عبداللہ بن بدیل بن ورقاء (وفات جنگ صفین میں)

۷۱۔ عبداللہ بن بشیر مازنی۔

''حدیث الولایہ　　از　　ابن عقدۃ''

۷۲۔ عبداللہ ابن ثابت انصاری

''تاریخ آل محمدؐ　　از　　بہجت آفندی''

۷۳۔ عبداللہ بن جعفر ابن ابیطالب ہاشمی (وفات ۸۰ ہجری)

''حدیث الولایہ　　از　　ابن عقدۃ''

۷۴۔ عبداللہ بن حنطب قرشی مخزومی

''احیاء المیت　　از　　سیوطی''

۷۵۔ عبداللہ بن ربیعہ

''مقتل　　از　　خوارزمی''

۷۶۔ عبداللہ بن عباس (وفات ۶۸ ہجری)

''الخصائص، ص ۷،　　از　　نسائی''

''مسند، ج ۱، ص ۳۳۱،　　از　　احمد بن حنبل''

''مستدرک، ج ۳، ص ۱۳۲،	از	حاکم''
''ذخائر العقبیٰ، ص ۱۸۷،	از	محب الدین طبری''
''الاربعین الطوال	از	ابن عساکر''

اور دیگر منابع ــــــ

۷۷۔ عبداللہ بن ابی اسلمی (وفات ۸۶ھ)

''حدیث الولایہ از ابن عقدۃ''

۷۸۔ ابو عبدالرحمن عبداللہ بن عمر (وفات ۷۲ھ)

''مجمع الزوائد، ج ۹، ص ۱۰۶،	از	ھیثمی''
''الاکتفاء	از	وصابی''
''جمع الجوامع و تاریخ الخلفاء	از	سیوطی''
''نزل الابرار	از	بدخشی''

اور دیگر منابع و مآخذ.....

۷۹۔ ابو عبدالرحمن بن مسعود الھذلی (وفات ۳۲ھ)

''الدر المنثور، ج ۲، ص ۲۹۸،	از	سیوطی''
''تفسیر شوکانی، ج ۲، ص ۵۷،	از	شوکانی''
''روح المعانی، ج ۲، ص ۳۴۸،	از	آلوسی''
''اسنی المطالب، ص ۴،	از	جزری''

۸۰۔ عبداللہ بن یامیل

''اسد الغابۃ، ج ۳، ص ۲۷۴،	از	ابن اثیر''
''الاصابۃ، ج ۲، ص ۳۸۲،	از	ابن حجر''

''ینابیع المودۃ ص ۳۴، از قندوزی''

۸۱۔ عثمان بن عفان (وفات ۳۵ ھ)

''کتاب الغدیر	از	منصور رازی''
''حدیث الولایہ	از	ابن عقدۃ''

۸۲۔ عبید بن عازب انصاری

۸۳۔ ابو طریف عدی بن حاتم (وفات ۶۸ ھ)

''حدیث الولایہ	از	ابن عقدۃ''
''جواہر العقدین	از	سمہودی''
''ینابیع المودۃ ص ۳۸،	از	قندوزی''
''وسیلۃ المآل	از	شیخ احمد مکی شافعی''
''تاریخ آل محمدؐ ص ۶۷،	از	بہجت آفندی''

۸۴۔ عطیہ بن بسر مازنی

''حدیث الولایہ	از	ابن عقدۃ''

۸۵۔ عقبہ بن عامر جہنی

''تاریخ آل محمدؐ ص ۶۷،	از	بہجت آفندی''

۸۶۔ امیر المؤمنین علی بن ابیطالب علیہ السلام

''مسند، ج ۱، ص ۱۵۲،	از	احمد بن حنبل''
''البدایۃ والنہایۃ، ج ۲، ص ۳۴۸،	از	ابن کثیر''
''مجمع الزوائد، ج ۹، ۱۰۷،	از	ھیثمی''
''جمع الجوامع و تاریخ الخلفاء	از	سیوطی''

''تہذیب التہذیب، ج ۷، ص ۳۳۷، از ابن حجر''
''نزل الابرار، ص ۲۰، از بدخشانی''
اور دیگر منابع وماَ خذ.....

۸۷۔ ابوالیقظان عمار بن یاسر (شہید صفین ۳۷ھ)

''شرح نہج البلاغہ ج ۲، ص ۲۷۳، از ابن ابی الحدید''
''فرائد السمطین از حموینی''
''اسنی المطالب ص ۴، از جزری''

۸۸۔ عمارۃ الخزرجی انصاری

''مجمع الزوائد ج ۹، ص ۱۰۷، از ھیثمی''

۸۹۔ عمر بن خطاب (وفات ۲۹ھ)

''المناقب از ابن مغازلی''
''الریاض النضرۃ، ج ۲ ص ۱۶۱، از محب الدین طبری''
''ذخائر العقبی، ص ۶۷، از محب الدین طبری''
''البدایہ والنہایۃ، ج ۷، ص ۳۴۹، از ابن کثیر''
اور دیگر منابع وماَ خذ.....

۹۰۔ ابونجید عمران بن حسین خزاعی (وفات ۵۲ھ)

''حدیث الولایہ از ابن عقدۃ''
''اسنی المطالب از جزری''

۹۱۔ عمرو بن حمق خزاعی (وفات ۵۰ھ)

''حدیث الولایہ از ابن عقدۃ''

''مقتل	از	خورزمی''

۹۲۔ عمر بن شراحیل

''مقتل	از	خوارزمی''

۹۳۔ عمرو بن عاصی (پہلی صدی ہجری کے شعراء میں سے)

''الامامہ والسیاستہ، ص ۹۳،	از	ابن قتیبہ''
''مناقب، ص ۱۲۶،	از	خوارزمی''

۹۴۔ عمر بن مرّہ جہنی ابوطلحہ

''کنز العمال، ج ۶، ص ۱۵۴،	از	متقی ھندی''
''الاکتفاء	از	وصابی''
''معارج العلی	از	صدر العالم''
''نزل الابرار	از	بدخشانی''

۹۵۔ الصدیقۃ فاطمہ زہراء دختر پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

''حدیث الولایہ	از	ابن عقدۃ''
''کتاب الغدیر	از	منصور رازی''
''اسنی المطالب	از	جزری''
''مودۃ القربیٰ	از	منصور رازی''

۹۶۔ فاطمہ بنت حمزہ بن عبد المطلب

''حدیث الولایہ	از	ابن عقدۃ''
''کتاب الغدیر	از	منصور رازی''

۹۷۔ قیس بن ثابت انصاری

''حدیث الولایہ	از	ابن عقدۃ''
''اسد الغابہ، ج، ص ۳۶۸،	از	ابن اثیر''
''الاصابۃ، ج ا، ص ۳۰۵،	از	ابن حجر''
''معارج العلی	از	صدر العالم''

۹۸۔ قیس بن عبادۃ خزرجی

۹۹۔ ابو محمد کعب بن عجرۃ انصاری (وفات ۵۱ھ)

''حدیث الولایہ	از	ابن عقدۃ''

۱۰۰۔ ابو سلیمان مالک بن حریث لیثی (وفات ۵۱ھ)

''مناقب	از	احمد بن حنبل''
''حدیث الولایہ	از	ابن عقدۃ''
''مجمع الزوائد، ج ۹، ص ۱۰۸،	از	ھیثمی''
''تاریخ خلفاء	از	سیوطی''

۱۰۱۔ مقداد بن عمرو کندی (وفات ۳۲ھ)

''حدیث الولایہ	از	ابن عقدۃ''
''فرائد السمطین	از	حموینی''

۱۰۲۔ ناجیۃ بن عمرو خزاعی

''حدیث الولایہ	از	ابن عقدۃ''
''اسد الغابۃ، ج ۵، ص ۶،	از	ابن اثیر''
''الاصابۃ، ج ۳، ص ۵۴۲،	از	ابن حجر''

۱۰۳۔ابو برزۃ فضلۃ بن عتبہ اسلمی (وفات ۶۵ھ)

''حدیث الولایہ	از	ابن عقدۃ''

۱۰۴۔لغمان بن عجلان انصاری

''تاریخ آل محمد ص ۶۷،	از	بہجت آفندی''

۱۰۵۔ہاشم المرقال ابن عتبہ زہری (وفات ۳۷ہجری)

''حدیث الولایہ	از	ابن عقدۃ''
''اسد الغابہ ج ۱ ص ۳۶۸،	از	ابن اثیر''
''الاصابۃ، ج ۱ ص ۳۰۵،	از	ابن حجر''

۱۰۶۔ابو وسمہ الحصی

''حدیث الولایہ	از	ابن عقدۃ''
''مقتل	از	خوارزمی''

۱۰۷۔وھب بن حمزہ

''مقتل	از	خوارزمی''

۱۰۸۔ابو جحیفہ وھب بن عبد اللہ

''حدیث الولایہ	از	ابن عقدۃ''

۱۰۹۔ابو مرازم لیلی بن مرۃ

''اسد الغابۃ، ج ۲، ص ۲۳۳،	از	ابن اثیر''
''الاصابۃ، ج ۳، ص ۵۴۲،	از	ابن حجر''
''حدیث الولایہ	از	عقدۃ''

یہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصحاب ہیں، جنہوں نے غدیر کے واقعہ کی روایت کی

ہے۔ قدرتی طور پر اس واقعہ کو نقل کرنیوالوں کی تعداد اُس عظیم جمعیت (ایک لاکھ سے زائد افراد) میں ہماری دسترس سے کہیں زیادہ رہی ہوگی۔ کیونکہ ایک لاکھ افراد پر مشتمل یہ جمعیت مدتوں مسافرت میں ہی تھی اور جب یہ لوگ اپنے وطن اور خاندان میں لوٹے، تو قدرتی طور پر انہوں نے اپنے سفر کے اہم ترین واقعات خاص طور پر جو اس میں رونما ہوئے حضرت علی علیہ السلام کی ولایت اور خلافت کے واقعہ کو اپنے خاندان اور لوگوں میں بیان کیا ہے۔

بہر حال یہی ۱۰۹، اصحاب جن کی روایت کے بارے میں ہم نے معلومات حاصل کیے ہیں، اس امر کی ایک قوی دلیل ہے کہ رسول اللہؐ کے صحابی غدیر کے واقعہ کو اہمیت دیتے تھے اور اسی بنا پر انہوں نے آنیوالی نسلوں کے لئے اس واقعہ کی روایت کی ہے۔

چھٹی فصل:

تابعین اور واقعۂ غدیر

واقعہ غدیر کو مسلمانوں نے جس قدر اہمیت دی ہے اس کے پیش نظر نہ صرف یاران واصحاب رسول خدا صلی اللہ علیہ والہ وسلم -- کہ جو واقعہ غدیر خم اور حضرت علیؑ کی امامت کی تعیین کے عینی شاہد تھے --- نے دوسرے لوگوں کے لئے اس کو نقل کیا اور روایت کی ہے بلکہ تابعین --- جن میں سے بہت سے افراد کے ثقہ ہونے کی صراحت ہوئی ہے --- نے بھی وسیع پیانہ پر اس واقعہ کی روایت کی ہے۔

ہم یہاں پر ان میں سے کچھ افراد کا ذکر "الفبا" کی ترتیب سے کرتے ہیں:

۱۔ابو راشد الحبرانی شامی (ان کا نام خضر یا نعمان تھا)

"عجلی اور ابن حجر نے "تقریب" کے صفحہ ۳۱۹ پر اس کی توثیق کی ہے۔"

۲۔ابو سلمہ (ان کا نام عبداللہ یا اسماعیل تھا) ابن عبدالرحمن بن عوف۔

"ان کی توثیق ابن حجر نے خلاصۃ الخزرجی اور تقریب ص ۱۲۲ میں کی ہے۔"

۳۔ابو صالح مسلمان ذکوان مدنی۔

"ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں احمد کے ذریعہ ان کی توثیق نقل کی ہے۔"

۴۔ابو سلیمان موذن

کتاب ''تقریب''میں ''ابوسلمان ثبت ہوا ہے آپ برگزیدہ اور مقبول تابعین میں شمار ہوتے ہیں۔

۵۔ابوعنفوانہ مازنی۔

۶۔ابوعبدالرحیم کندی۔

۷۔ابوالقاسم اصبغ بن نباتہ۔

''عجلی اور ابن معین نے ان کی توثیق کی ہے''

۸۔ابولیلی کندی۔

''تقریب ابن حجر کے صفحہ ۴۳۵ پر تابعین میں آپ کا تعارف برگزیدہ اور ثقہ کے طور پر کیا گیا ہے۔''

۹۔ایاس بن نذیر۔

''ابن حبان نے انھیں ثقات میں شمار کیا ہے۔''

۱۰۔جمیل بن عمارۃ۔

۱۱۔حارثۃ بن نصر۔

۱۲۔حبیب بن اَبی ثابت اسدی۔

''ذھبی نے ''تذکرہ'' کی ج۱،ص۱۰۳ میں اسے کوفہ کے فقیہ اور ثقات کی حیثیت سے ذکر کیا ہے۔''اور''ابن حجر نے بھی تہذیب ج۱،ص۱۷۸ پر کئی افراد سے اس کی توثیق ذکر کی ہے۔''

۱۳۔حرث بن مالک۔

۱۴۔حسین بن مالک۔

۱۵۔حکم بن عتیبہ کوفی۔

''تذکرۃ الحفاظ ج۱،ص۱۰۴ پر انھیں بعنوان ثقہ،ثبت،فقیہ،صاحب سنت اور جزء تابعین

پیش کیا گیا ہے۔''

۱۶۔حمید بن عمارۃ خزرجی۔

۱۷۔حمید الطّویل ابوعبیدۃ۔

''ذھبی نے تذکرہ ج۱ص۱۳۶ پر کہا ہے کہ وہ محدث، ثقہ اور مشائخ حدیث میں سے تھے''۔

۱۸۔خثیمہ بن عبدالرحمٰن جعفی۔

''ابن حجر نے تھذیب، ج۳ص۱۷۹ پر ابن معین، نسائی اور عجلی سے نقل کیا ہے کہ وہ ثقہ تھے۔''

۱۹۔ربیعہ جرشی۔

''ابن حجر نے تقریب، ص۱۲۳ پر دار قطنی وغیرہ کے حوالہ سے اس کی توثیق کی ہے''

۲۰۔ابوالمثنی ریاح بن حارث نخعی۔

''ابن حجر نے تقریب میں انھیں ثقہ اور بزرگان تابعین کے عنوان سے ذکر کیا ہے۔''

اور''تہذیب ج۳، ص۲۹۹ پر عجلی اور ابن حبان سے نقل کیا گیا ہے کہ وہ ثقہ تھے۔''

۲۱۔ابوعمرو زاذان بن عمر کندی۔

''ابن حجر نے کئی افراد سے اس کے ثقہ ہونے کا ذکر کیا ہے تھذیب، ج۳،ص۳۰۳''۔

۲۲۔ابو مریم زرّ اسدی۔

''ذھبی نے''تذکرہ''میں انہیں امام و پیشوا لکھا ہے اور ابن حجر نے''تقریب''میں لکھا ہے کہ وہ ثقہ و جلیل تھے''

۲۳۔زیاد بن ابی زیاد۔

''ھیثمی نے تقریب مجمع الزوائد میں اور ابن حجر نے تقریب میں اسکی توثیق کی ہے۔

۲۴۔ زید بن یثیع ھمدانی۔

''ابن حجر نے تقریب میں اسکی توثیق کی ہے''

۲۵۔ سالم بن عبداللہ بن عمر بن خطاب۔

''ذھبی اور ابن حجر نے تذکرہ وتقریب میں اسکی تجلیل و تحسین کی ہے۔''

۲۶۔ سعید بن جبیر اسدی۔

ذھبی نے ''تذکرہ'' اور'' خلاصۃ خزرجی'' میں اور ابن حجر نے ''تقریب'' وغیرہ میں اس کی توثیق میں بہت کچھ لکھا ہے۔''

۲۷۔ سعید بن اَبی حدّان کوفی۔

''ابن حجر نے ''تھذیب'' میں لکھا ہے کہ: ابن حبّان نے اسے ثقات میں ذکر کیا ہے۔''

۲۸۔ سعید بن مسیّب مخزومی۔

''ذھبی نے ''تذکرہ'' اور ابو نعیم اصفھانی نے ''حلیۃ الاولیاء'' میں اسکی تجلیل کی ہے۔''

۲۹۔ سعید بن وھب ھمدانی کوفی۔

خلاصہ ''تھذیب الکمال'' میں نقل ہے کہ ابن معین نے اسکی توثیق کی ہے۔''

۳۰۔ ابو یحیٰی سلمۃ بن کھیل حضرمی۔

''خلاصۃ التھذیب'' اور ''تقریب'' میں احمد وعجلی کے حوالہ سے اسکی توثیق کی گئی ہے۔''

۳۱۔ ابو صادق سلیم بن قیس ھلالی۔

۳۲۔ ابو محمد سلیمان بن مھران اعمش۔

۳۳۔ سھم بن حصین اَسدی۔

۳۴۔ شھر بن حصین اَسدی۔

۳۵۔ ضحّاک بن مزاحم ھلالی۔

''احمد اور ابن معین وابوزرعۃ نے اسکی توثیق کی ہے۔''

۳۶۔ طاووس بن کیسان یمانی۔

''ابو نعیم نے ''حلیۃ الاولیاء'' میں اسکو اولیاء میں شمار کیا ہے۔''

۳۷۔ طلحۃ بن مصرف اَیامی۔

''ابن حجر نے اسے فاضل وثقہ کی حیثیت سے ذکر کیا ہے۔''

۳۸۔ عامر بن سعید بن اَبی وقاص۔

''ابن حجر نے ''تقریب'' میں اس کی توثیق کی ہے۔''

۳۹۔ عائشہ بنت سعد

ابن حجر نے ''تقریب'' میں اس کی توثیق کی ہے۔

۴۰۔ عبدالحمید بن منذر عبدی۔

''نسائی اور ابن حجر نے اسکی توثیق کی ہے۔''

۴۱۔ ابو عمارۃ عبدخیر بن یزید ھمدانی۔

''ابن معین، عجلی اور ابن حجر نے اسکی توثیق کی ہے۔''

۴۲۔ عبدالرحمٰن بن ابی لیلی۔

''ذھبی اور ابن حجر نے اسکی توثیق وتجلیل کی ہے۔''

۴۳۔ عبدالرحمٰن بن سابط۔

''ابن حجر نے اسکی توثیق کی ہے۔''

۴۴۔ عبدالہ بن اسعد بن زرارۃ۔

۴۵۔ ابومریم عبدالہ بن زیاد اسدی کوفی۔

''ابن حبان اور ابن حجر نے اسکی توثیق کی ہے۔''

۴۶۔عبدالہ بن شریک عامری۔

''ابن حجر نے اسکو شیعہ صدوق کے طور پر ذکر کیا ہے اور احمد، ابن معین اور دیگر لوگوں نے اسکی توثیق کی ہے۔''

۴۷۔ابو محمد عبدالہ بن محمد۔

''خلاصہ خزرجی'' اور ''تقریب'' ابن حجر میں ترمذی سے نقل ہوا ہے کہ وہ صدق ہے اور احمد، اسحاق اور حمیدی اسکی حدیث سے استدلال کرتے تھے۔''

۴۸۔عبدالہ بن یعلی بن مرّۃ۔

۴۹۔عدی بن ثابت انصاری۔

''ذھبی نے اسکو شیعہ کہا ہے اور تجلیل کی ہے۔احمد، عجلی اور نسائی نے اسکی توثیق کی ہے۔''

۵۰۔ابوالحسن عطیۃ بن سعید بن جنادۃ عوفی۔

''ابن جوزی نے ''تذکرہ'' میں اور ھیثمی نے ''مجمع الزوائد'' میں ابن معین سے اسکی توثیق کی ہے اور یافعی نے ''مرآۃ الجنان'' میں لکھا ہے کہ: حجاج نے چار رسو کوڑے انھیں لگائے تا کہ علی ابن ابی طالبؑ کو ناسزا اور برا بھلا کہیں لیکن انہوں نے ایسا نہیں کیا۔''

۵۱۔علی بن زید بن جدعان بصری۔

''ابن ابی شیبۃ نے اسکی توثیق کی ہے اور ترمذی نے اسکو صدوق جانا ہے۔''

۵۲۔ابو ھارون عمارۃ بن جوین عبدی۔

۵۳۔عمر بن عبدالعزیز اُموی۔

۵۴۔عمر بن عبدالغفار۔

۵۵۔عمر بن علی امیر المؤمنینؑ۔

۵۶۔عمرو بن جعدۃ بن ھبیرۃ۔

۵۷۔عمرو بن مرۃ ابو عبدالہ کوفی۔

''ذھبی اور ابن حجر نے اسکی توثیق کی ہے۔''

۵۸۔ابو اسحاق عمرو بن عبدالہ سبیعی ھمدانی۔

''ذھبی اور ابن حجر نے اسکی تجلیل و توثیق کی ہے۔''

۵۹۔ابو عبدالہ عمرو بن میمون۔

''ذھبی اور ابن حجر نے اسکی توثیق کی ہے۔''

۶۰۔عمیرۃ بن سعید ہمدانی کوفی۔

''ابن حبّان نے اسکی توثیق کی ہے اور ابن حجر نے اسے مقبول جانا ہے''

۶۱۔عمیرۃ بنت سعدی مالک۔

۶۲۔عیسی بن طلحہ۔

''ابن معین نے اسکی توثیق کی ہے۔''

۶۳۔ابو بکر فطر بن خلیفہ مخزومی۔

''احمد، ابن معین عجلی اور ابن سعد نے اسکی توثیق کی ہے۔''

۶۴۔قبیصۃ بن ذویب۔

''ابن حبان نے اسکی توثیق کی ہے اور ذھبی نے اسکی ستایش کی ہے۔''

۶۵۔ابو مریم قیس ثقفی۔

''نسائی نے اسکی توثیق کی ہے۔''

۶۶۔محمد بن عمر بن علی امیر المومنینؑ۔

''ابن حبان نے اسکی توثیق کی ہے اور ابن حجر نے اسکو صدوق کے طور پر ذکر کیا ہے۔''

۶۷۔ابو الضحی مسلم بن صنیع ھمدانی۔

''ابن معین اور ابوزرعۃ نے اسکی توثیق کی ہے۔''

۶۸۔ مسلم الملائی۔

۶۹۔ ابوزرارۃ مصیب بن ابی وقاص۔

''ابن حجر نے ''تقریب'' میں اسکو ثقہ کے طور پر ذکر کیا ہے۔''

۷۰۔ مطلب بن عبداللہ قریشی مخزومی۔

''ابوزرعۃ اور دارقطنی نے اسکی توثیق کی ہے۔''

۷۱۔ مطر الورّاق۔

۷۲۔ معروف بن خربوذ۔

''ابن حبان نے اسکی توثیق کی ہے۔''

۷۳۔ منصور بن ربعی۔

۷۴۔ مھاجر بن مسمار زھری۔

''ابن حبان نے اسکی توثیق کی ہے۔''

۷۵۔ موسیٰ بن اکتل بن عمیر نمیری۔

۷۶۔ ابوعبداللہ میمون بصری۔

''ابن حبان نے اسکی توثیق کی ہے اور ابن حجر نے کتاب ''القول السدید'' میں نقل کیا ہے کہ کئی افراد نے اسکی توثیق کی ہے۔''

۷۷۔ نذیر الضبی کوفی۔

۷۸۔ ھانی بن ھانی ھمدانی۔

۷۹۔ ابوبلج یحیی بن سلیم فرازی۔

''ابن معین، نسائی، دارقطنی اور ھیثمی نے اسکی توثیق کی ہے۔''

۸۰۔ یحیی بن جعدۃ بن ھبیرۃ مخزومی۔

''ابن حجر نے اسکی توثیق کی ہے۔''

۸۱۔ یزید بن ابی زیاد کوفی۔

۸۲۔ یزید بن حیان تیمی کوفی۔

''عاصمی نے ''زین الفتی'' میں اور نسائی و ابن حجر نے اسکی توثیق کی ہے۔''

۸۳۔ ابوداود یزید بن عبد الرحمن بن اُودی کوفی۔

ابن حبان نے اس کی توثیق کی ہے۔

۸۴۔ ابو نجیح یسار ثقفی۔

''ابن معین نے اسکی توثیق کی ہے۔''

ساتویں فصل

مختلف صدیوں کے علماء اور واقعۂ غدیر

غدیر کا واقعہ اتنا ممتاز اور اہم ہے کہ نہ صرف اصحاب رسولؐ اور صاحب فضل تابعین نے اسکی طرف خاص توجہ فرما کر اسے اہمیت دی ہے بلکہ پوری تاریخ میں علمائے اسلام نے بھی گذشتہ صدیوں کے دوران ہر زمانے میں غدیر خم کے واقعہ کو خصوصی اہمیت دی ہے اور اسے بڑی دقت و توجہ کے ساتھ اپنے اسلاف سے حاصل کر کے آئندہ نسلوں کے حوالے کیا ہے۔ ہم یہاں پر ایسے علماء میں سے بطور نمونہ چند افراد کا ذکر کرتے ہیں۔ اُمید ہے کہ محققین اپنی مزید تحقیق کے دوران ان تمام علماء تک ان کے اسناد اور مشائخ کے ساتھ دسترسی حاصل کریں گے جنہوں نے اس واقعہ کی روایت کی ہے:

دوسری صدی ہجری:

۱۔ ابو محمد عمر ابن دینار جمحی مکی۔

"مسعر نے کہا ہے وہ ثقہ، ثقہ ہیں"

۲۔ ابو بکر محمد بن مسلم زہری۔

''شام اور حجاز کے نامور علماء میں سے ہیں۔''

۳۔عبدالرحمٰن بن قاسم بن محمد بن ابی بکر۔''احمد، ابن سعید اور ابو حاتم نے اسکی توثیق کی ہے۔''

۴۔بکر بن سوارۃ بن ثمامۃ بصری۔''یہ ایک فقیہ ہیں جن کی ابن معین، ابن سعید اور نسائی نے توثیق کی ہے''

۵۔عبداللہ بن اُبی نجیح ثقفی۔''احمد اور ابن حجر نے ان کی توثیق کی ہے۔''

۶۔مغیرۃ بن مقسم ابوھشام۔''عزرمی اور عجلی نے ان کی توثیق کی ہے۔''

۷۔ابوعبدالرحیم حجی مصری۔''ابوزرعہ، عجلی، یعقوب، نسائی اور ابن حبّان نے ان کی توثیق کی ہے۔''

۸۔حسن بن حکم نخعی کوفی۔''ابن معین نے ان کی توثیق کی ہے۔''

۹۔ادریس بن یزید اُودی''۔نسائی نے کہا ہے کہ ثقہ ہیں''

۱۰۔یحیٰ بن سعید تیمی کوفی۔''عجلی نے کیا ہے کہ ثقہ صالح ہیں''

۱۱۔عبدالملک بن ابی سلیمان عزرمی۔''احمد بن حنبل اور نسایی نے کہا ہے کہ ثقہ ہیں۔''

۱۲۔عوف بن ابی جمیلہ عبدی۔بعض افراد من جملہ نسائی نے ان کی توثیق کی ہے۔''

۱۳۔عبید اللہ بن عمر بن حفص۔''ابو حاتم، ابوزرعہ، ابن معین اور نسائی نے کہا ہے کہ ثقہ ہیں۔''

۱۴۔نعیم بن حکیم مدائنی۔''ابن معین اور عجلی نے کہا ہے کہ ثقہ ہیں۔''

۱۵۔طلحہ بن یحیی تیمی۔''عجلی، ابن معین، ابوزرعہ اور نسائی نے کہا ہے کہ وہ ثقہ صالح ہیں۔''

۱۶۔ابومحمد کثیر بن زید اسلمی۔''ابوزرعہ نے کیا ہے کہ وہ صدوق ہیں۔''

۱۷۔محمد بن اسحاق مدنی''علم رجال کے علماء نے ان کی توثیق وتجلیل کی ہے۔''

۱۸۔ معمر بن راشد ازدی۔ ''عجلی، نسائی اور سمعانی نے ان کی توثیق کی ہے۔''

۱۹۔ مسعر بن کلام ھلالی۔ ''احمد، ابوزرعہ اور عجلی نے ان کی توثیق کی ہے۔''

۲۰۔ ابوعیسی حکم بن ابان عدنی۔ ''عجلی نے ان کی توثیق کی ہے۔''

۲۱۔ عبدالہ بن شوذب بلخی۔

۲۲۔ شعبۃ بن حجاج واسطی۔

۲۳۔ ابوالعلاء کامل بن علاء تمیمی۔ ''ابن معین نے ان کی توثیق کی ہے۔''

۲۴۔ سفیان بن سعید الثوری۔ ''علم رجال کے ماہرین نے ان کی تجلیل کی ہے۔''

۲۵۔ اسرائیل بن یونس۔ ''ابن معین کے علاوہ دیگر لوگوں نے ان کی توثیق کی ہے۔''

۲۶۔ جعفر بن زیاد کوفی۔ ''ابوداود نے ان کی توثیق کی ہے اور انھیں شیعہ جانا ہے۔''

۲۷۔ مسلم بن سالم نھدی۔ ''ابن معین نے ان کی توثیق کی ہے۔''

۲۸۔ قیس بن سریع اسدی۔ ''یعقوب نے کہا ہے کہ وہ تمام اصحاب کی نظر میں صدوق ہیں۔''

۲۹۔ حماد بن سلمۃ ابوسلمہ بصری۔

۳۰۔ عبدالہ بن لھیعۃ مصری۔

۳۱۔ ابوعوانہ وضاح مصری۔

۳۲۔ قاضی شریک بن عبدالہ نخعی۔

۳۳۔ عبدالہ بن عبیدالرحمٰن اشجعی۔

۳۴۔ نوح بن قیس حدّانی۔

۳۵۔ مطلب بن زیاد کوفی۔

۳۶۔ حسان بن ابراھیم عنزی۔

۳۷۔ جریر بن عبد الحمید ضبی کوفی۔

۳۸۔ فضل بن موسی مروزی۔

۳۹۔ محمد بن جعفر مدنی بصری۔

۴۰۔ اسماعیل بن علیہ ابو بشر۔

۴۱۔ محمد بن ابراھیم سلمی۔

۴۲۔ محمد بن خازم تمیمی ضریر۔

۴۳۔ محمد بن فضیل ابو عبد الرحمٰن کوفی۔

۴۴۔ وکیع بن جراح رواسی۔

۴۵۔ سفیان بن عیینۃ ھلالی۔

۴۶۔ عبد الہ بن نمیر ابو ھشام۔

۴۷۔ حنش بن حرث نخعی۔

۴۸۔ ابو محمد موسی بن یعقوب زمعی۔

۴۹۔ علاء بن سالم عطار کوفی۔

۵۰۔ ازرق علی بن مسلم حنفی۔

۵۱۔ ھانی بن ایوب کوفی۔

۵۲۔ فضیل بن مرزوق رواسی۔

۵۳۔ ابو حمزہ سعید بن عبیدۃ۔

۵۴۔ موسی بن مسلم خرامی شیبانی۔

۵۵۔ یعقوب بن جعفر انصاری مدنی۔

۵۶۔ عثمان بن سعید بن مرۃ قرشی۔

تیسری صدی ہجری:

۵۷۔ضمرۃ بن ربیعہ قریشی۔

۵۸۔محمد بن عبداللہ زبیری۔

۵۹۔مصعب بن مقدام خثعمی۔

۶۰۔یحیی بن آدم بن سلمان ابوزکریا۔

۶۱۔زید بن حباب ابوحسین خراسانی۔

۶۲۔ابوعبداللہ محمد بن ادریس شافعی۔

۶۳۔ابوعمرو شبابۃ بن سوار۔

۶۴۔محمد بن خالد بصری۔

۶۵۔خلف بن تمیم کوفی ابوعبدالرحمٰن۔

۶۶۔اسود بن عامر ابوعبدالرحمٰن۔

۶۷۔ابوعبداللہ حسین بن حسن فزاری۔

۶۸۔حفص بن عبداللہ بن راشد۔

۶۹۔عبدالرزاق بن ہمام صنعانی۔

۷۰۔حسن بن عطیہ قریشی۔

۷۱۔عبداللہ بن یزید عدوی۔

۷۲۔ابومحمد عبیداللہ بن موسیٰ عبسی۔

۷۳۔حسین بن محمد بن بھرام تمیمی۔

۷۴۔ابوالحسن علی بن قادم خزاعی۔

۷۵۔محمد بن سلمان بن ابی داود حرانی۔

۷۶۔ عبداللہ بن داود بن عامر حسن ہمدانی۔

۷۷۔ ابو عبدالرحمٰن علی بن حسن عبدی۔

۷۸۔ یحییٰ بن حماد شیبانی بصری

۷۹۔ حجاج بن منہال سلمی۔

۸۰۔ فضل بن دکین ابو نعیم کوفی۔

۸۱۔ عفان بن مسلم ابو عثمان صفار۔

۸۲۔ علی بن عیاش مسلم الھانی حمصی۔

۸۳۔ مالک بن اسماعیل بن درھم نھدی۔

۸۴۔ قاسم بن سلام ابو عبید ھروی۔

۸۵۔ محمد بن کثیر عبدی بصری۔

۸۶۔ موسیٰ بن اسماعیل منقری۔

۸۷۔ قیس بن حفص بن قعقاع۔

۸۸۔ سعید بن منصور بن شعبہ نسائی۔

۸۹۔ یحییٰ بن عبدالحمید حمانی۔

۹۰۔ ابراھیم بن حجاج ابو اسحاق سامی۔

۹۱۔ علی بن حکیم بن ذبیان اُودی۔

۹۲۔ خلف بن سالم مھلبی۔

۹۳۔ علی بن محمد طنافسی کوفی۔

۹۴۔ ھدبۃ بن خالد قیس بصری۔

۹۵۔ عبداللہ بن محمد بن ابی شیبۃ۔

۹۶۔ ابوسعید عبیداللہ بن عمر جشمی۔

۹۷۔ ابراھیم بن منذر حزامی۔

۹۸۔ احمد بن عمر بن حفص جلاب۔

۹۹۔ ابوسعید یحیی بن سلیمان جعفی۔

۱۰۰۔ ابن راھویہ اسحاق حنظلی۔

۱۰۱۔ عثمان بن محمد بن ابی شیبۃ عبسی۔

۱۰۲۔ قتیبۃ بن سعید بغلانی۔

۱۰۳۔ ابوعبداللہ احمد بن حنبل شیبانی۔

۱۰۴۔ یعقوب بن حمید بن کاسب۔

۱۰۵۔ حسن بن حماد بن کسیب بغدادی۔

۱۰۶۔ ھارون بن عبداللہ بن مروان بزاز۔

۱۰۷۔ ابوعمار حسین بن حریث مروزی۔

۱۰۸۔ ھلال بن بشر بن محبوب بصری۔

۱۰۹۔ ابوالجوزاء احمد بن عثمان بصری۔

۱۱۰۔ محمد بن علاء ھمدانی ابوکریب۔

۱۱۱۔ یوسف بن عیسی بن دینار زھری۔

۱۱۲۔ نصر بن علی بن نصر ابوعمر۔

۱۱۳۔ محمد بن بشار (بندار) عبدی۔

۱۱۴۔ محمد بن مثنی ابوموسی۔

۱۱۵۔ یوسف بن موسی ابویعقوب قطان۔

۱۱۶۔محمد بن عبدالرحیم ابو یحیی۔

۱۱۷۔محمد بن عبدالہ عدوی مقری۔

۱۱۸۔ابو عبدالہ محمد بن اسماعیل بخاری۔

۱۱۹۔حسن بن عرفتہ بن یزید ابو علی۔

۱۲۰۔عبدالہ بن سعید کندی کوفی۔

۱۲۱۔محمد بن یحیی بن عبدالہ نیشابوری۔

۱۲۲۔حجاج بن یوسف ثقفی بغدادی ابن شاعر۔

۱۲۳۔احمد بن عثمان بن حکیم اُودی۔

۱۲۴۔عمر بن شبہ نمیری ابو زید بصری۔

۱۲۵۔حمدان احمد بن یوسف بن حاتم سلمی۔

۱۲۶۔عبیدالہ بن عبدالکریم بن یزید ابو زرعہ۔

۱۲۷۔احمد بن منصور بن سیار ابو بکر بغدادی۔

۱۲۸۔اسماعیل بن عبدالہ بن مسعود نمیری۔

۱۲۹۔حسن بن علی عفان عامری۔

۱۳۰۔محمد بن عوف بن سفیان طائی۔

۱۳۱۔سلیمان بن سیف بن یحیی طائی۔

۱۳۲۔محمد بن یزید قزوینی ابن ماجہ۔

۱۳۳۔ابو محمد عبدالہ بن مسلم بن قتیبۃ دینوری۔

۱۳۴۔عبدالملک بن محمد ابو قلابہ رقاشی۔

۱۳۵۔احمد بن حازم غفاری (ابن عزیزۃ)۔

۱۳۶۔محمد بن عیسی ابوعیسی ترمذی۔

۱۳۷۔احمد بن یحیی بلاذری۔

۱۳۸۔ابراهیم بن حسین کسائی۔

۱۳۹۔احمد بن عمرو شیبانی (ابن ابی عاصم)۔

۱۴۰۔زکریا بن یحیی بن ایاس (خیاط السنۃ)۔

۱۴۱۔عبداللہ بن احمد بن حنبل شیبانی۔

۱۴۲۔احمد بن عمرو ابوبکر بزاز۔

۱۴۳۔ابراهیم بن عبداللہ بن مسلم بصری۔

۱۴۴۔صالح بن محمد بن عمرو بغدادی۔

۱۴۵۔محمد بن عثمان بن ابی شیبۃ۔

۱۴۶۔قاضی علی بن محمد مصیصی۔

۱۴۷۔ابراهیم بن یونس بن محمد مؤدب بغدادی۔

۱۴۸۔ابوهریرۃ محمد بن ایوب واسطی۔

چوتھی صدی ہجری:

۱۴۹۔عبداللہ بن صغیر بن نصر بغدادی۔

۱۵۰۔ابوعبدالرحمٰن احمد بن شعیب نسائی۔

۱۵۱۔حسن بن سفیان بن عامر شیبانی۔

۱۵۲۔احمد بن علی موصلی (ابویعلی)۔

۱۵۳۔محمد بن جریر طبری ابوجعفر۔

۱۵۴۔ابوجعفر احمد بن محمد ضبعی اُحوال۔

۱۵۵۔محمد بن جمعۃ بن خلف قھستانی۔

۱۵۶۔عبدالہ بن محمد بغوی۔

۱۵۷۔ابوبشیر محمد بن احمد دولابی۔

۱۵۸۔ابوجعفر احمد بن عبدالہ بن احمد بزاز۔

۱۵۹۔ابوجعفر احمد بن محمد ازدی۔

۱۶۰۔ابواسحاق ابراھیم بن عبدالصمد ھاشمی۔

۱۶۱۔حکیم محمد بن علی ترمذی شافعی۔

۱۶۲۔حافظ بن حافظ عبدالرحمن بن ابی حاتم۔

۱۶۳۔ابوعمر احمد بن عبدربہ قرطبی۔

۱۶۴۔ابوعبدالہ حسین بن اسماعیل محاملی۔

۱۶۵۔ابونصر حبشون موسی بن ایوب۔

۱۶۶۔ابوالعباس احمد بن عقدۃ۔

۱۶۷۔ابوعبدالہ محمد بن علی بن خلف عطار۔

۱۶۸۔ھیثم بن کلیب ابوسعید شاشی۔

۱۶۹۔محمد بن صالح بن ھانی ورّاق۔

۱۷۰۔ابوعبدالہ محمد بن یعقوب شیبانی۔

۱۷۱۔یحیٰی بن محمد بن عبدالہ عنبری۔

۱۷۲۔علی بن حسین بغدادی مسعودی۔

۱۷۳۔ابوحسین محمد بن احمد خیاط۔

۱۷۴۔جعفر بن محمد بن نصیر خلدی۔

۱۷۵۔ ابو جعفر محمد بن علی شیبانی۔

۱۷۶۔ دعلج بن احمد سجستانی۔

۱۷۷۔ محمد بن حسن بن محمد نقاش۔

۱۷۸۔ محمد بن عبداللہ شافعی۔

۱۷۹۔ ابو حاتم محمد بن حبّان۔

۱۸۰۔ سلیمان بن احمد بن ایوب نجمی۔

۱۸۱۔ احمد بن جعفر قطیعی ''ابوبکر''۔

۱۸۲۔ احمد بن جعفر بن محمد بن سلم حنبلی۔

۱۸۳۔ ابو یعلی الزبیر بن عبداللہ۔

۱۸۴۔ ابو یعلی محمد بن احمد بن بالویہ۔

۱۸۵۔ علی بن عمر بن احمد دار قطنی۔

۱۸۶۔ حسن بن ابراہیم بن حسین ''ابن زولاق''۔

۱۸۷۔ عبیداللہ بن محمد عکبری بطی۔

۱۸۸۔ محمد بن عبدالرحمٰن بن عباس ابو طاہر۔

۱۸۹۔ احمد بن سھل فقیہ بخاری۔

۱۹۰۔ عباس بن علی بن عباس نسائی۔

۱۹۱۔ یحیی بن محمد اخباری ابو عمر بغدادی۔

پانچویں صدی ہجری:

۱۹۲۔ محمد بن طیب بن محمد باقلانی۔

۱۹۳۔ محمد بن عبداللہ بن محمد ابو عبداللہ حاکم نیشا بوری۔

۱۹۴۔احمد بن محمد بن موسی مجبّر بغدادی۔

۱۹۵۔عبدالملک بن ابی عثمان ابوسعد نیشابوری۔

۱۹۶۔احمد بن عبدالرحمن الفارسی شیرازی۔

۱۹۷۔محمد بن احمد بن محمد ابو فتح۔

۱۹۸۔احمد بن موسی بن مردویہ اصفہانی۔

۱۹۹۔ابوعلی احمد بن محمد بن یعقوب مسکویہ۔

۲۰۰۔احمد بن حسین بن احمد بن سماک۔

۲۰۱۔ابواسحاق احمد بن محمد بن ابراھیم ثعلبی نیشابوری۔

۲۰۲۔ابومحمد عبدالہ بن علی بن محمد۔

۲۰۳۔ابومنصور عبدالملک بن محمد ثعالبی نیشابوری۔

۲۰۴۔احمد بن عبدالہ ابونعیم اصفہانی۔

۲۰۵۔ابوعلی حسن بن علی ابن المذھب۔

۲۰۶۔اسماعیل بن علی بن حسین ابن سمان۔

۲۰۷۔احمد بن حسین بن علی بیہقی۔

۲۰۸۔ابوعمر یوسف بن عبدالہ نمری قرطبی۔

۲۰۹۔احمد بن علی بن ثابت ابوبکر خطیب بغدادی۔

۲۱۰۔ابوالحسن بن احمد بن محمد واحدی نیشابوری۔

۲۱۱۔مسعود بن ناصر بن عبدالہ سجستانی۔

۲۱۲۔ابوالحسن علی بن محمد جلابی "ابن مغازلی"

۲۱۳۔علی بن حسن بن حسین خلعی۔

۲۱۴۔عبیدالہ بن احمد ''ابن حداد حسکانی''

۲۱۵۔ابومحمد احمد بن محمد بن علی عاصمی۔

چھٹی صدی ہجری:

۲۱۶۔ابوحامد محمد بن محمد طوسی غزالی۔

۲۱۷۔ابوالغنایم محمد بن علی کوفی نرسی۔

۲۱۸۔یحیی بن عبدالوھاب ''ابن مندہ''۔

۲۱۹۔حسین بن مسعود فرّاء بغوی۔

۲۲۰۔ابوالقاسم ھبۃ اللہ بن محمد شیبانی۔

۲۲۱۔ابن الزاغوانی علی بن عبدالہ۔

۲۲۲۔ابوالحسن رزین بن معاویہ عبدری۔

۲۲۳۔ابولقاسم جاراللہ زمخشری۔

۲۲۴۔عیاض بن موسی سبتی۔

۲۲۵۔ابوالفتح محمد بن ابی القاسم عبدالکریم شھرستانی۔

۲۲۶۔ابوفتح محمد بن علی بن ابراھیم نطنزی۔

۲۲۷۔ابوسعید عبدالکریم بن احمد سمعانی۔

۲۲۸۔ابوبکر یحیی بن سعدون ازدی۔

۲۲۹۔موفق بن احمد اخطب خوارزمی۔

۲۳۰۔عمر بن محمد بن خضر اردبیلی ''ملا''۔

۲۳۱۔علی بن حسن ابولقاسم دمشقی

۲۳۲۔محمد بن ابی بکر عمر بن ابی عیسی مدینی۔

۲۳۳۔محمد بن موسیٰ ابوبکر حازمی۔

۲۳۴۔عبدالرحمٰن بن علی ابن جوزی۔

۲۳۵۔اسعد بن ابی الفضائل محمود بن خلف عجلی۔

ساتویں صدی ہجری:

۲۳۶۔ابوعبداللہ فخر رازی۔

۲۳۷۔ابوالسعادات مبارک بن محمد ابن اثیر شیبانی۔

۲۳۸۔ابوالحجاج یوسف بن محمد "ابن الشیخ"

۲۳۹۔تاج الدین زین بن حسن کندی بغدادی۔

۲۴۰۔شیخ علی بن حمید قرشی۔

۲۴۱۔ابوعبداللہ یاقوت بن عبداللہ رومی الجنسی "حموی المولد"۔

۲۴۲۔ابوالحسن علی بن محمد شیبانی "ابن اثیر جزری"۔

۲۴۳۔حنبل بن عبداللہ بن فرج بغدادی۔

۲۴۴۔ضیاء الدین محمد بن عبدالواحد مقدسی دمشقی۔

۲۴۵۔ابوسالم محمد بن طلحہ قرشی نصیبی۔

۲۴۶۔ابومظفر یوسف الامیر حسام الدین قزاوغلی۔

۲۴۷۔عز الدین عبدالحمید "ابن ابی الحدید"۔

۲۴۸۔ابوعبداللہ محمد بن یوسف گنجی شافعی۔

۲۴۹۔ابومحمد عبدالرزاق بن عبداللہ رسعنی۔

۲۵۰۔فضل اللہ بن ابی سعید حسن شافعی۔

۲۵۱۔محی الدین یحییٰ بن شرف ابوزکریا نووی۔

۲۵۲۔شیخ مجد الدین عبداللہ بن محمود حنفی۔

۲۵۳۔ناصر الدین عبداللہ ابوالخیر بیضاوی۔

۲۵۴۔احمد بن عبداللہ فقیہ الحرم ابوالعباس طبری۔

۲۵۵۔ابراھیم بن عبداللہ وصابی یمنی۔

۲۵۶۔سعید الدین محمد بن احمد فرغانی۔

آٹھویں صدی ہجری:

۲۵۷۔شیخ الاسلام ابو اسحاق ابراھیم بن سعید جوینی۔

۲۵۸۔علاء الدین احمد بن محمد سمنانی۔

۲۵۹۔یوسف بن عبدالرحمٰن دمشقی۔

۲۶۰۔شمس الدین محمد بن احمد ذھبی۔

۲۶۱۔نظام الدین حسن بن محمد قمی نیشا بوری۔

۲۶۲۔ولی الدین محمد بن عبداللہ عمری۔

۲۶۳۔تاج الدین احمد بن عبدالقادر قیس نحوی۔

۲۶۴۔زین الدین عمر بن مظفر بن عمر حلبی ''ابن الوردی''

۲۶۵۔جمال الدین محمد بن یوسف زرندی مدنی۔

۲۶۶۔عبداللہ الرحمٰن بن احمد ایجی شافعی۔

۲۶۷۔سعید الدین محمد بن مسعود کازرونی۔

۲۶۸۔عبداللہ ابن اسعد بن علی یافعی۔

۲۶۹۔عماد الدین اسماعیل بن عمر بن کثیر قیسی۔

۲۷۰۔ابوحفص عمر بن حسن بن یزید مراغی۔

۲۷۱۔شمس الدین ابو عبداللہ ہواری مالکی ''ابن جابر''۔

۲۷۲۔سید علی بن شہاب بن محمد ہمدانی۔

۲۷۳۔شمس الدین ابوبکر محمد بن عبداللہ مقدسی حنبلی۔

۲۷۴۔سعدالدین مسعود بن عمر ہروی تفتازانی۔

نویں صدی ہجری:

۲۷۵۔علی بن ابی بکر سلیمان ہیثمی۔

۲۷۶۔ولی الدین عبدالرحمٰن بن محمد ''ابن خلدون''

۲۷۷۔سید شریف جرجانی حنفی۔

۲۷۸۔محمد بن محمد بن محمود حافظی ''خواجہ پارسا''۔

۲۷۹۔ابوعبداللہ محمد بن خلیفہ وشتانی مالکی۔

۲۸۰۔شمس الدین محمد بن محمد بن محمد ابوالخیر مقری۔

۲۸۱۔تقی الدین احمد بن علی بن عبدالقادر حسینی مقریزی۔

۲۸۲۔شہاب الدین احمد بن شمس الدین دولت آبادی۔

۲۸۳۔احمد بن علی عسقلانی ''ابن حجر''۔

۲۸۴۔نورالدین علی بن محمد ''ابن صباغ''۔

۲۸۵۔محمد بن احمد بن موسی قاضی القضاۃ عینی۔

۲۸۶۔نجم الدین محمد بن قاضی اذرعی ''ابن عجلون''۔

۲۸۷۔علاء الدین علی بن محمد قوشچی۔

۲۸۸۔عبداللہ بن احمد بن محمد ایجی۔

۲۸۹۔ابوعبداللہ محمد بن محمد سنوسی تلمسانی۔

۲۹۰۔ابوالخیر فضل الہ بن روزبہان خنجی۔

دسویں صدی ہجری:

۲۹۱۔کمال الدین حسین بن معین یزدی میبدی۔

۲۹۲۔جلال الدین عبدالرحمٰن بن کمال سیوطی۔

۲۹۳۔نورالدین علی بن عبدالہ بن احمد مدنی سمہودی۔

۲۹۴۔احمد بن محمد بن ابی بکر قسطلانی۔

۲۹۵۔سید عبدالوہاب بن محمد رفیع بخاری۔

۲۹۶۔عبدالرحمٰن بن علی ''ابن دیبع''۔

۲۹۷۔شہاب الدین احمد بن محمد ابن حجر ہیثمی۔

۲۹۸۔علی بن حسام الدین بن قاضی قرشی ہندی۔

۲۹۹۔ شمس الدین محمد بن احمد شربیانی قاہری۔

۳۰۰۔ضیاء الدین ابومحمد احمد بن محمد وتری۔

۳۰۱۔جمال الدین محمد طاہر ''ملک المحدثین ہندی''

۳۰۲۔میرزا مخدوم بن عبدالباقی۔

۳۰۳۔شیخ عبدالرحمٰن بن عبدالسلام صفوری شافعی۔

۳۰۴۔جمال الدین عطاء الہ بن فضل الہ شیرازی۔

گیارہویں صدی ہجری:

۳۰۵۔ملا علی بن سلطان قاری حنفی۔

۳۰۶۔ابوالعباس احمد چلبی ابن یوسف۔

۳۰۷۔زین الدین عبدالرؤف بن تاج العارفین حدادی۔

۳۰۸۔ شیخ عبداللہ بن شیخ عیدروس۔

۳۰۹۔ محمود بن محمد بن علی شیخانی۔

۳۱۰۔ نورالدین علی بن ابراہیم حلبی۔

۳۱۱۔ شیخ احمد بن فضل بن محمد باکثیر مکی۔

۳۱۲۔ حسین بن امام منصور باللہ قاسم بن محمد۔

۳۱۳۔ شیخ احمد بن محمد بن عمر شہاب الدین خفاجی۔

۳۱۴۔ عبدالحق بن سیف الدین دہلوی۔

۳۱۵۔ محمد بن محمد مصری۔

۳۱۶۔ محبوب العالم ابن صفی الدین "صاحب تفسیر شاہی"۔

بارہویں صدی ہجری:

۳۱۷۔ سید محمد بن عبدالرسول حسینی۔

۳۱۸۔ برہان الدین ابراہیم بن معری مصری۔

۳۱۹۔ ضیاء الدین صالح بن مہدی مقبلی۔

۳۲۰۔ ابراہیم بن محمد بن محمد "ابن حمزہ"۔

۳۲۱۔ ابوعبداللہ محمد بن عبدالباقی زرقانی۔

۳۲۲۔ حسام الدین بن محمد بایزید سہارنپوری۔

۳۲۳۔ میرزا محمد بن معتمد خان بدخشی۔

۳۲۴۔ محمد صدر العالم "مؤلف معارج العلی فی مناقب المرتضی"۔

۳۲۵۔ حامد بن علی بن ابراہیم بن عبدالرحیم عمادی۔

۳۲۶۔ عبدالعزیز ابوولی اللہ احمد بن عبدالرحیم دہلوی۔

۳۲۷۔محمد بن سالم بن احمد مصری حنفی۔

۳۲۸۔سید محمد بن اسماعیل بن صلاح صنعانی۔

۳۲۹۔شہاب الدین احمد بن عبد القادر حفظی۔

تیرہویں صدی ہجری:

۳۳۰۔ابو الفیض محمد بن محمد مرتضی زبیدی۔

۳۳۱۔ابو العرفان شیخ محمد بن علی صبان۔

۳۳۲۔رشید الدین خان دہلوی۔

۳۳۳۔مولوی محمد مبین لکھنوی۔

۳۳۴۔مولوی محمد سالم بخاری دہلوی۔

۳۳۵۔مولی ولی الہ لکھنوی۔

۳۳۶۔مولوی حیدر علی فیض آبادی۔

۳۳۷۔محمد بن علی بن محمد شوکانی۔

۳۳۸۔سید محمود بن عبد الہ حسینی آلوسی۔

۳۳۹۔شیخ محمد بن درویش بیروتی۔

۳۴۰۔شیخ سلیمان بن شیخ ابراہیم ''خواجہ کلان''۔

۳۴۱۔سید احمد بن مصفطی قادین خانی۔

چودہویں صدی ہجری:

۳۴۲۔سید احمد بن زینی بن احمد دحلان مکی۔

۳۴۳۔شیخ یوسف بن اسماعیل نبہانی بیروتی۔

۳۴۴۔سید مؤمن بن حسن شبلنجی۔

۳۴۵۔شیخ محمد عبدہ بن حسن خیر الہ مصری۔

۳۴۶۔سید عبدالحمید سید محمود آلوسی۔

۳۴۷۔شیخ محمد حبیب الہ بن عبدالہ یوسفی۔

۳۴۸۔قاضی بہلول بہجت قاضی زنکہ زور۔

۳۴۹۔عبدالمسیح انطاکی مصری۔

۳۵۰۔ڈاکٹر احمد فرید رفاعی۔

۳۵۱۔استاد احمد زکی عدوی مصری۔

۳۵۲۔استاد احمد نسیم مصری۔

۳۵۳۔استاد حسین علی اعظمی بغدادی۔

۳۵۴۔سید علی جلال الدین حسینی مصری۔

۳۵۵۔استاد محمد محمود رافعی مصری۔

۳۵۶۔استاد محمد شاکر خیاط نابلسی ازہری۔

۳۵۷۔استاد عبدالفتاح عبدالمقصود مصری۔

۳۵۸۔استاد شیخ محمد سعید دحدوح۔

۳۵۹۔استاد صفا خلوصی

۳۶۰۔شہاب الدین ابی الفیض احمد بن محمد۔

یہ تھا اہل سنت کے ہزاروں علماء، محدثین، مفسرین، مؤرخین، مجتہدین، ادباء، محققین دانشوروں اور مسائل اسلامی کے ماہرین میں سے چند افراد کا ذکر جنہوں نے گذشتہ صدیوں کے دوران غدیر خم کے واقعہ کو درج کیا اور اس کی روایت کی ہے۔

ان کی سوانح حیات منابع و مصادر اور رجال شناسی کی اصلی کتابوں میں تفصیلاً ذکر ہوئی ہے جو اس فن کے ماہرین کے ذریعہ مکمل طور پر مورد توثیق، تجلیل و تحسین قرار پائے ہیں۔

آٹھویں فصل:

غدیر کے موضوع پر علماء کی خصوصی تالیفات

واقعہ غدیر کے سلسلے میں مفسرین، مورخین، محدثین اور سیرت نگاروں کی کاوشیں ان کی تفاسیر، احادیث کی کتابوں اور کتب تاریخ میں روایات کے ضبط وثبت تک ہی محدود نہیں، بلکہ اس واقعہ کو مختلف صورتوں میں مناسب ڈھنگ سے محفوظ کیا گیا ہے۔

اس سلسلے میں عالم اسلام کے بہت سے دانشوروں اور ممتاز علماء نے غدیر کے واقعہ پر مستقل اور الگ سے بھی کتابیں تالیف کی ہیں۔ ہم یہاں پر ان میں سے چند کا ذکر کرتے ہیں:

۱۔ ابو جعفر محمد بن جریر طبری آملی (وفات ۳۱۰ ہجری) نے کتاب "**الولایۃ فی طرق حدیث الغدیر**" لکھی ہے اور اس میں غدیر خم کے واقعہ کی ستر سے زائد طریقوں سے روایت کی ہے۔

حموی نے معجم الادباء، ج ۱۸ صفحہ ۸۰ پر طبری کے حالات زندگی کے بارے میں یوں لکھا ہے:

"اس نے حضرت علی ابن ابیطالبؑ کے فضائل کے بارے میں ایک کتاب لکھی ہے جس کی ابتداء میں واقعہ غدیر خم کی روایتوں کی تصحیح کی ہے اور انھیں صحیح اعلان کرنے کے بعد حضرتؑ کے دیگر فضائل پر بھی بحث کی ہے لیکن کتاب کو مکمل نہیں کیا ہے"

ذہبی طبقات کی ج ۲ صفحہ ۲۵۴ پر لکھتا ہے:

''جب غدیر کے موضوع پر ابن ابی داؤد کی بات محمد بن جریر طبری تک پہنچی تو اس نے کتاب فضائل علیؑ لکھ دی اور حدیث غدیر کو صحیح جانا'' اس کے بعد ذہبی لکھتا ہے: ''میں نے جریر طبری کی طرق حدیث غدیر کی ایک جلد کو دیکھا اور تعجب میں پڑ گیا، کیونکہ اس نے حدیث غدیر کے لئے بہت سے طرق جمع کئے ہیں''

ابن کثیر اپنی تاریخ کے ج ۱۱ صفحہ ۱۴۶ پر طبری کے حالات زندگی کی تفصیلات بیان کرتے ہوئے لکھتا ہے: ''میں نے طبری کی ضخیم کتاب دو جلدوں پر مشتمل دیکھی کہ اس میں غدیر سے مربوط احادیث کو اکٹھا کیا گیا ہے اور اس کے علاوہ اس نے ایک اور کتاب '' حدیث الطیر '' کے نام سے لکھی ہے جسے ابن حجر نے تہذیب التہذیب کی جلد ۷ صفحہ ۳۳۷ پر طبر سے مربوط جانا ہے'' شیخ الطایفہ طوسی نے بھی اپنی فہرست میں طبری کی کتاب ''الولایۃ'' کے بارے میں ذکر کیا ہے۔

سید ابن طاؤس نے بھی ''اقبال'' میں ذکر کیا ہے کہ: ''طبری نے واقعہ غدیر کی پچھتر (۷۵) طریقوں سے روایت کی ہے۔

۲۔ابوالعباس احمد بن محمد بن سعید ہمدانی (ابن عقدہ) (وفات ۳۳۳ھ)

اس کی کتاب بھی ''الولایۃ فی طرق حدیث الغدیر'' ہے اور اس نے واقعۂ غدیر کی ۱۰۵ طریقوں سے روایت کی ہے۔

ابن اثیر نے کتاب ''اسد الغابہ'' میں اور ابن حجر نے کتاب ''الاصابۃ'' میں اس سے بہت سی روایتیں نقل کی ہیں۔

ابن حجر کتاب تہذیب التہذیب ج ۷ صفحہ ۳۳۷ پر حدیث غدیر کو بیان کرنے کے بعد لکھتا ہے: ''ابن عقدۃ ابوعباس نے حدیث غدیر کو صحیح جانا ہے اور اس کے تمام طرق کی تحقیق کر کے انھیں جمع کیا ہے اور اس کی ستر سے زائد صحابیوں نے روایت کی ہے''

اس کے علاوہ فتح الباری میں لکھتا ہے: لیکن حدیث '' من کنت مولاہ فعلی مولاہ ''

کی ترمذی اور نسائی نے روایت کی ہے اور بیشک یہ حدیث بہت سے طریقوں سے نقل ہوئی ہے۔ ابن عقدہ نے انھیں ایک مستقل کتاب میں اکٹھا کیا ہے جو بہت سے صحیح اور حسن اسناد کے حامل ہیں۔

شمس الدین مناوی شافعی نے کتاب ''فیض القدیر'' کی جلد ۶۔ صفحہ ۲۱۸ پر اس کے ذکر کے بعد ابن حجر کے اس قول کو ''حدیث غدیر کثیر الطریق اور صحیح ہے'' نقل کیا ہے۔

حافظ شافعی ''گنجی'' نے کفایۃ الطالب کے صفحہ ۱۵ پر اس مطلب کو ابن حجر سے نقل کیا ہے۔

نجاشی نے اپنی فہرست کے صفحہ ۶۶ پر اس کا ذکر کیا ہے۔

سید ابن طاؤس ''اقبال'' کے صف ۶۶۳ پر لکھتے ہیں: ''میں نے اس کتاب کو جو عہد مصنف ابی العباس ۳۳۰ھ میں لکھی گئی تھی پایا اور شیخ طوسی اور چند دیگر مشائخ کے دستخط بھی اس پر دیکھے۔ ابن عقدۃ ابی العباس نے اس کتاب میں ولایت علی علیہ السلام کے بارے میں پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی نص کو ایک سو پانچ طریقوں سے نقل کیا ہے اور یہ کتاب اس وقت میرے پاس موجود ہے''

ھذا اء، کتاب ''المقول الفصل''، جلد ۱، صفحہ ۴۴۵ پر لکھتا ہے: ابن عقدہ نے حدیث غدیر کو ایک سو پانچ صحابیوں سے نقل کیا ہے'':

۳۔ ابو بکر محمد بن عمر بن محمد بن سالم تمیمی بغدادی معروف بہ ''جعابی'' (وفات ۳۵۵)

اس کی ایک کتاب ہے جس کا نام '' **من روی حدیث غدیر خم** '' ہے نجاشی نے اپنی فہرست میں صہ ۲۸۱ پر اسے اس کی تالیفات میں شمار کیا ہے۔

سروی نے ''مناقب' ج ۱ صفحہ ۵۲۹ پر لکھا ہے: ابو بکر جعابی نے حدیث غدیر کو ایک سو پچیس طریقوں سے ذکر کیا ہے اور صاحب کافی سے نقل کیا ہے کہ اس نے کہا: '' قاضی ابو بکر جعابی نے واقعہ غدیر خم کو ہمارے لئے ابو بکر، عمر اور عثمان یہاں تک کہ ۸۷ صحابیوں سے نقل کیا ہے''۔

۴۔ابوطالب عبیداللہ ابن احمد بن زید انباری واسطی (وفات ۳۵۶ھ)

اس کی ایک کتاب بنام " طرق حدیث الغدیر " ہےنجاشی نے اپنی فہرست کے صفحہ ۱۶۱ پر اس کا ذکر کیا ہے۔

۵۔ابوغالب احمد بن محمد بن محمد زراری (وفات ۳۶۸ ہجری)

اس کی ایک جلد کتاب خطبہ غدیر کے بارے میں ہے اور خود اس نے اپنے نواسے ''ابوطاہر زراری'' کو ''آل العین'' کے بارے میں ایک رسالہ لکھا ہے جس میں واضح طور پر اس کتاب کا نام لیا ہے۔

۶۔ابوالفضل محمد بن عبداللہ بن مطلب شیبانی (وفات ۳۷۲ھ)

اس کی ایک کتاب بنام ''من روی حدیث غدیر خم '' ہے اس کے ہم عصر نجاشی نے اپنی فہرست کے صفحہ ۲۸۲ پر اس کا ذکر کیا ہے۔

۷۔علی ابن عمر دار قطنی بغدادی (وفات ۳۸۵ھ) گنجی شافعی نے اپنی کتاب ''کفایۃ کے صفحہ ۱۵ پر واقعہ غدیر کے سلسلے میں لکھا ہے:

''حافظ دار قطنی نے حدیث غدیر کے مختلف طریقوں کو ایک جلد کتاب میں جمع کیا ہے''

۸۔شیخ محسن بن حسین بن احمد نیشابوری خزاعی، ہمارے شیخ عبدالرحمٰن نیشابوری کے چچا۔

وہ کتاب ''بیان حدیث الغدیر'' کے مصنف ہیں اور شیخ منتجب الدین نے فہرست میں اس کا ذکر کیا ہے۔

۹۔علی بن عبدالرحمٰن بن علیسا قناتی (وفات ۴۱۳ھ)

اس کی ایک کتاب " طرق خبر الولایۃ " کے نام سے ہے، نجاشی نے اپنی فہرست کے صفحہ ۱۹۲ پر اس کو اس کے تالیفات میں شمار کیا ہے۔

۱۰۔ابوعبداللہ حسین بن عبیداللہ بن ابراہیم غضا ئری (وفات ۴۱۱ھ)

اس کی ایک تصنیف ''کتاب یوم الغدیر'' کے نام سے ہےاور نجاشی نے فہرست کے صفحہ ۵۱ پر اسکا نام لیا ہے۔

۱۱۔ابوسعید مسعود بن ناصر بن ابی زید بجستانی (وفات ۴۷۷ھ)

وہ ۱۷ جلدوں پر مشتمل ایک کتاب بنام " الدرایة فی حدیث الولایة " کے مصنف ہیں اس میں انہوں نے حدیث غدیر کے مختلف طریقے جمع کیے ہیں اور واقعہ غدیر کو ۱۲۰ صحابیوں سے نقل کیا ہے۔ابن شہر آشوب نے ''مناقب'' کی جلد اصفحہ ۵۲۹ پر اس کا ذکر کیا ہے۔

سید ابن طاؤس نے ''اقبال'' کے صفحہ ۶۶۳ پر لکھا ہے: یہ کتاب میرے پاس موجود ہے اور بیس سے زائد جلدوں پر مشتمل ہے''

کتاب ''الیقین'' کے مصنف نے اپنی کتاب میں اس کا ذکر کیا ہے۔

اس کے علاوہ ابن حاتم شامی نے اپنی کتاب " در النظیم فی الائمة الهامیم" میں اس کتاب سے روایت کی ہے اور یہ کتاب عماد الدین طبری کے پاس بھی موجود تھی جس سے انہوں نے کتاب ''بشارة المصطفی لشیعة المرتضی ''روایت میں نقل کی ہے اور اسے اُنہوں نے کتاب ''الولایة'' تعبیر کیا ہے۔

۱۲۔ابوالفتح محمد بن علی بن عثمان کراجکی (وفات ۴۴۹ھ) وہ کتاب " عدة البصیر فی حج یوم الغدیر " کے مصنف ہیں۔

علامہ نوری مستدرک جلد ۳، صفحہ ۴۹۸ پر اس کتاب کے سلسلے میں لکھتے ہیں: ''یہ ایک مفید کتاب ہے اور غدیر کے دن امامت امیر المؤمنین علیہ السلام کے اثبات سے مخصوص ہے۔ یہ کتاب ایک جلد اور دوسو اوراق پر مشتمل ہے''

۱۳۔علی ابن بلال بن معاویہ بن احمد مہلبی۔

اس کی ایک کتاب بنام ''حدیث الغدیر'' ہے شیخ الطایفہ طوسی نے اپنی فہرست صفحہ ۹۶ پر اور ابن شہرآشوب نے ''مناقب'' جلد ۵۲۹ اور معالم ص ۵۹ پر اس کا ذکر کیا ہے۔

۱۴۔ شیخ منصور لائی رازی

اس نے ''حدیث الغدیر'' کے موضوع پر ایک کتاب لکھی ہے اور اس میں غدیر کے روایوں کو حروف کی ترتیب سے جمع کیا ہے۔

ابن شہرآشوب نے ''مناقب'' ج ا ص ۵۲۹ پر اور شیخ ابوالحسن الشریف نے کتاب ''ضیاء العالمین'' میں اس کا نام لیا ہے۔

۱۵۔ شیخ علی بن حسن طاطری کوفی، مصنف کتاب ''فضائل امیر المومنین'':

اس نے ایک کتاب تالیف کی ہے جس کا نام ''کتاب الولایہ'' ہے۔ شیخ طوسی نے فہرست کے ص ۹۲ پر اس کا ذکر کیا ہے۔

۱۶۔ ابوالقاسم عبداللہ بن عبداللہ حسکانی۔

اس نے کتاب بنام ''دعاۃ الہداۃ الی اداء حق الموالاۃ'' تالیف کی ہے اور اس میں حدیث غدیر کا ذکر کیا ہے۔

سید ابن طاؤس ''اقبال'' کے ص ۶۶۳ پر یوں رقمطراز ہیں: ''یہ کتاب اسی سے مربوط ہے اور میرے پاس موجود ہے۔''

۱۷۔ شمس الدین محمد احمد ذھبی (وفات ۷۴۸ ھ)۔

کتاب ''طرق حدیث الولایہ'' اس کی تصنیف ہے۔ اور وہ خود ''تذکرۃ الحفاظ'' کی ج ۳ ص ۲۳۱ پر اس کتاب کو اپنی تالیفات کے طور پر ذکر کرتا ہے اور لکھتا ہے:

''کتابی شکل میں حدیث طیر یقیناً بہت سے طریقوں سے روایت ہوئی ہے اور میں نے اسے، مستقل طور پر کتابی شکل میں اکٹھا کیا ہے اور کلی طور پر یہ نتیجہ اخذ کرتا ہوں کہ حدیث طیر صحیح

اور بنیادی ہے۔ جہاں تک حدیث "من کنت مولاہ ..." کا تعلق ہے اس کے طریقے بھی اچھے اور صحیح ہیں، اسے بھی میں نے مستقل کتاب میں جمع کیا ہے۔''

۱۸۔ شمس الدین محمد بن محمد جزری دمشقی مقری (وفات ۸۳۳ھ)

کتاب ''اسنی المطالب فی مناقب علی ابن ابی طالب'' اس کی تالیف ہے۔ اس کتاب میں اس نے حدیث غدیر کے تواتر کو ثابت کر دیا ہے اور حدیث غدیر کے لئے ۸۰ طریقے ذکر کئے ہیں اسکے علاوہ وہ لکھتا ہے: ''اس کا منکر جاہل اور جاہلانہ تعصب کا حامل ہے''۔

سخاوی نے ''ضوء اللامع'' میں اسے جزری کی تالیفات میں ذکر کیا ہے۔ اور اس کے دو نسخے میر حامد حسین لکھنوی ہندی، صاحب عبقات کے کتابخانہ میں موجود ہیں اور شیخ ابوالحسن شریف نے بھی کتاب ''ضیاء العالمین'' میں اس کا ذکر کیا ہے۔

۱۹۔ مولا عبداللہ بن شاہ منصور قزوینی طوسی۔ وہ صاحب وسائل الشیعہ شیخ حر عاملی کے ہمعصر تھے۔

اس کی ایک کتاب ہے جس کا نام ''الرسالۃ الغدیریۃ'' ہے جیسا کہ کتاب امل الآملی میں ذکر آیا ہے۔

۲۰۔ سید سبط الحسن جائسی ہندی۔

انہوں نے ''حدیث الغدیر'' کے نام سے اردو میں ایک کتاب لکھی ہے جو ہندوستان میں طبع ہوئی ہے۔

۲۱۔ سید میر حامد حسین بن سید محمد قلی موسوی ہندی (وفات ۱۳۰۶ھ)

انہوں نے حدیث غدیر اور اس کے مختلف طریقوں، محتوی، معنی اور تواتر کو ۱۸۰۰ صفحات پر مشتمل دو جلدوں کی ایک ضخیم کتاب میں اکٹھا کیا ہے اور یہ دو جلدین ان کی عظیم تالیف ''عبقات الانوار'' کا ایک حصہ ہیں۔

یہ پاک و جلیل القدر سید اپنے پدر بزرگوار کی طرح شمشیر اللہ حق و دین خدا کی فتح و ظفر کا پرچم

اور خدا کی عظیم نشانی (آیت اللہ) تھا۔

خداوند متعال نے ان کے ذریعہ سے حجت کو تمام اور راہ کو مشخص کر دیا ہے۔

ان کی کتاب "عبقات الانوار" مشرق مغرب تک پہنچ گئی اور اس نے ہر دشمن اور بحث کرنے والے کو عاجز و ناتوان کر کے رکھدیا اور ہم نے اس سے بہت استفادہ کیا ہے خداوند متعال انھیں اور ان کے والد بزرگوار کو جزائے خیر عطا فرمائے۔

۲۲۔ سید مھدی بن سید علی غریفی بحرانی نجفی (وفات ۱۳۴۳ھ)

وہ کتاب "حدیث الولایۃ فی حدیث الغدیر" کے مصنف ہیں۔ صاحب ذریعہ نے اس کتاب کو ان کی تالیفات میں شمار کیا ہے۔

اور اسی طرح ان کے بیٹے نے اپنے والد کی زندگی کے حالات ہمارے لئے لکھے ہیں اور اس میں اس کتاب کو اپنے والد کی تالیفات میں شمار کیا ہے۔

۲۳۔ حاج شیخ عباس قمی (وفات ۱۳۵۹ھ)

ان کی ایک کتاب بنام "فیض القدیر فی حدیث الغدیر" ہے جو تقریباً تین سو صفحات پر مشتمل ہے۔ وہ قرن حاضر کے فطین محدث اور مؤلف ہیں۔

۲۴۔ سید مرتضیٰ حسین خطیب ہندی۔

انہوں نے ایک کتاب بنام "تفسیر التکمیل" لکھی ہے۔ اس کتاب میں غدیر کے دن نازل شدہ آیت ﴿الیوم اکملت لکم دینکم﴾ کی تفسیر کی گئی ہے اور یہ کتاب ہندوستان میں طبع ہوئی ہے۔

۲۵۔ شیخ محمد رضا ابن الشیخ طاہر آل فرج اللہ نجفی جو ہمارے دوست و رفیق ہیں۔

ان کی ایک کتاب بنام "الغدیر فی الاسلام" ہے جو نجف اشرف میں طبع ہو چکی ہے اور اس میں مؤلف نے موضوع کا حق ادا کیا ہے۔

۲۶۔ حاج سید مرتضی خسرو شاہی تبریزی، ہمارے ہمعصر۔

انہوں نے کتاب ''اھداء الحقیر فی معنی حدیث الغدیر'' تألیف کی ہے۔

یہ کتاب عراق میں طبع ہوئی ہے اور اس کتاب میں مؤلف نے ایک اچھا تحقیقی کام انجام دیا ہے۔

خاتمہ بحث

ابن کثیر ''البدایۃ والنہایہ'' ج ۵، ص ۲۰۸ پر لکھتے ہیں: ''مشہور صاحب تفسیر و تاریخ، ابو جعفر محمد بن جریر طبری نے حدیث غدیر پر خاص توجہ دی ہے۔ اور اس کے طرق اور الفاظ کو دو جلدوں میں اکٹھا کیا ہے اور اسی طرح نامور حافظ ابو القاسم ابن عساکر نے خطبۂ غدیر کے سلسلے میں بہت سی احادیث ذکر کی ہیں۔

شیخ سلیمان حنفی نے ''ینابیع المودۃ'' ص ۳۶ پر لکھا ہے: ''ابی المعالی جوینی ملقب بہ امام الحرمین واستاد ابی حامد غزالی سے نقل ہے کہ انہوں نے تعجب سے کہا کہ: میں نے ایک دن بغداد میں ایک جلد ساز کے ہاتھ میں ایک کتاب دیکھی جس میں غدیر خم کی روایتیں اکٹھا کی گئی تھیں اور اس پر لکھا گیا تھا: ۲۸ ویں جلد از طرق قول پیغمبر خدا ''من کنت مولاہ فعلی مولاہ''۔ اور ۲۹ ویں جلد بھی آرہی ہے''۔

علوی ھدّار حداد ''القول الفصل'' ج ۱، ص ۴۴۵ پر لکھتا ہے: ''حافظ ابو علاء عطار ہمدانی کہتے تھے کہ میں حدیث غدیر کو ۲۵۰ طریقوں سے روایت کرتا ہوں''۔

﴿ انّھا تذکرۃ فمن شاء ذکرہ فی صحف مکرّمۃ ﴾

نویں فصل

واقعۂ غدیر اور ادباء و شعراء

تہذیب وادب میں شعر کا اہم کردار ہوتا ہے اور اقوام اور ملتوں کی نظر میں اس کی اہمیت اور اثر محتاج تعارف نہیں ہے۔ خصوصاً ادبیات عرب میں شعر ایک خاص مقام و منزلت کا حامل ہے۔ یہ شعر ہی ہے کہ عالی ترین تفکر اور سنگین ترین مفاہیم کو چھوٹے اور رسا جملوں میں سلیس، سادہ اور رواں صورت میں مخاطب تک پہنچاتا ہے۔

ہجو، بیہودہ گوئی اور مزاح گوئی سے اجتناب کرنے والے بامقصد شاعروں کے شعر اور نغمے، خدا کے ایمان اور طہارت روح کی بنیاد پر ہوتے ہیں اور ایسے شعر بہت مؤثر و جذاب اور ولولہ انگیز ہوتے ہیں۔ اور اس قسم کے شاعر اور شعر خدا کے دین اور دینی رہبروں کی طرف سے احترام، تائید و تقدیس کی سند پاتے ہیں۔

دوسری جانب شاعروں کے شعر اوران کے ذریعہ روداد و حوادث کو سمجھنا جوانُ کے شعر اور نغموں میں بیان ہوتے ہیں، یہ روش اس بات کی بہترین دلیل ہے کہ عام سننے والے واقعات کے الفاظ و تعبیرات کی روشنی میں انھیں کس حد تک سمجھے ہیں۔

مثال کے طور پر جب ایک شاعر واقعہ غدیر کو نظم کرتا ہے اور جو کچھ عام لوگوں نے یا عرف کے صاف ذہن نے الفاظ واقعہ سے سمجھا ہے اسے شعر کے سانچے میں ڈھال کر بیان کرتا ہے تو یہ روش ابہام، شک وشبہ اور وسوسہ کو دور کرنے کی کی ایک قوی دلیل بن جاتی ہے۔

جب ایک شاعر لفظ ''مولا''، جو واقعہ غدیر کے متن میں رسول اللہؐ کی زبان سے نکلا ہے اور جو معنی اس کے ذہن میں اس لفظ سے پیدا ہوئے ہیں اسے اپنے شعر میں استعمال کرتا ہے تو یہ اس بات کی بہترین سند اور دلیل ہے کہ لفظ مولا کا وہی معنی ہے جس کا تبادر ذہن میں ہوا ہے اور دوسرے معنی جو عام لوگوں کے ذہن سے دور ہیں پیغمبر اکرمؐ کا مقصود نہیں تھے۔ اس لئے لفظ مولا پر تبادر کے خلاف دوسرے معانی لادنا منطقی اور درست نہیں۔

غدیر کا واقعہ اس کے وجود میں آنے کے دن سے آج تک شاعروں اور ادیبوں کی خاص توجہ کا مرکز رہا۔ واضح ہے کہ شاعروں نے اس سلسلے میں خیال بافی نہیں کی ہے بلکہ ایسی حقیقت اور روداد کے بارے میں شعر کہے ہیں جو ایک لاکھ سے زائد افراد کے حضور میں خاص حالات کے تحت رونما ہوئی۔

ہم یہاں پر چند ایسے شاعروں کا ذکر کرتے ہیں جنہوں نے مختلف ادوار میں واقعہ غدیر کو اپنے اشعار کا جامہ پہنا کر پیش کیا ہے اور یہ اشعار ہر صدی کی زبان وادب کا جزو بن گئے ہیں۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ غدیر خم کا واقعہ گذشتہ صدیوں اور نسلوں کے دوران امت اسلامیہ کے تار پود، اصحاب وتابعین کی نقل روایات، قلم کاروں کے متون، مؤلفوں کی کتابوں کے عناوین اور شاعروں کے نغموں کی صورت میں چمکتا رہا ہے اور پوری تازگی کے ساتھ زندہ رہا ہے۔

چونکہ غدیر خم کا واقعہ مولائے کائنات امیر المومنینؑ کے کلام میں بھی شعر کی صورت میں بیان ہوا ہے۔ لہذا دیگر شعرا سے پہلے تبرّک وتیمن کے طور پر آپؑ کا اسم مبارک بیان کرنا مناسب ہو گا۔ آپؑ پیغمبر اسلامؐ کے بعد عرب میں سب سے فصیح وبلیغ شخصیت تھے، جو عربوں کے کلام اور

کنایات سب سے زیادہ آگاہ تھے۔

ا۔ امیر المؤمنینؑ:

محمد النبی أخی و صنوی	وحمزة سید الشهداء عمی''
و جعفر الذی یضحی و یمسی	یطیر مع الملائکة ابن امّی''
و بنت محمد سکنی و عرسی	منوط لحمها بدمی و لحمی
وسبط احمد و لدای منها	فأیکم له سهم کسهمی''
سبقتکم الی الاسلام طرّاً	علی ماکان من فهمی و علمی''
فأوجب لی ولایته علیکم	رسول الله یوم غدیر خمّ''
فویل ثم ویل ثم ویل	لمن یلقی إلا له غداً بظلمی''

ترجمہ:

''پیغمبر خدا محمدؐ میرے بھائی ہیں اور حمزہ سید الشہداء میرے چچا ہیں''

''جعفر، جو ملائکہ کے ساتھ ہم پرواز ہیں، میرے بھائی ہیں۔''

''محمدؐ کی بیٹی میری زوجہ ہیں''

''پیغمبرؐ کے دونواسے حسنؑ و حسینؑ زہراؑ سے میرے بیٹے ہیں''

''رسول خداؐ نے غدیر خم کے دن میری ولایت کو تم لوگوں پر واجب کر دیا ہے''

''پس افسوس افسوس ہے افسوس ہو اس پر جو مجھ پر ظلم کرنے کے بعد کل قیامت کے دن خدا سے ملاقات کرے''

ان ابیات کی اہل سنت والجماعت کے مندرجہ ذیل دانشوروں نے تائید کی ہے کہ مولائے متقیان حضرت علی علیہ السلام کا ہی کلام ہے:

ا۔ ابو بکر بیہقی ''وفات ۴۵۸ ہجری''

۲۔ابوالحجاج ابن الشیخ ''وفات ۸۰۶ ہجری''

۳۔زید بن حسن تاج الدین کندی ''وفات ۶۱۳ ہجری''

۴۔یاقوت حموی ''وفات ۶۲۶ ہجری''

۵۔ابن طلحہ شافعی ''وفات ۶۵۲ ہجری''۔

۶۔ابن جوزی ''وفات ۶۵۴ ہجری''۔

۷۔ابن ابی الحدید ''وفات ۶۵۸ ہجری''۔

۸۔گنجی شافعی ''وفات ۶۵۸ ہجری''۔

۹۔سعید الدین فرغانی ''وفات ۶۹۹ ہجری''۔

۱۰۔ابوفداء ''وفات ۷۳۲ ہجری''۔

۱۱۔ابواسحاق حموینی ''وفات ۷۲۲ ہجری''۔

۱۲۔جمال الدین زرندی ''وفات ۷۵۱ ہجری''۔

۱۳۔ابن کثیر شامی ''وفات ۸۲۲ ہجری''۔

۱۴۔خواجہ پارسا حنفی ''وفات ۸۲۲ ہجری''۔

۱۵۔ابن صباغ مکی مالکی ''وفات ۸۵۵ ہجری''۔

۱۶۔غیاث الدین خواجہ میر۔

۱۷۔ابن حجر ''وفات ۹۷۴ ہجری''۔

۱۸۔متقی ہندی ''وفات ۹۷۵ ہجری''۔

۱۹۔اسحاقی ''لطایف اخبار الدول''

۲۰۔حلبی شافعی ''وفات ۱۰۴۴ ہجری''

۲۱۔شبراوی شیخ جامع الازہر ''وفات ۱۱۷۲ ہجری''۔

۲۲۔سید احمد قادین خانی۔

۲۳۔سید محمود آلوسی بغدادی ''وفات ۱۲۷۰ ہجری''۔

۲۴۔قندوزی حنفی ''وفات ۱۲۹۳ ہجری''۔

۲۵۔سید احمد زینی دحلان ''وفات ۱۳۰۴ ہجری''۔

۲۶۔شیخ محمد حبیب الہ شنقیطی مالکی

اور دیگر....

اس کے علاوہ مکتب اہل بیتؑ کے نامور علماء جیسے شیخ مفید، کراجکی، فتال نیشابوری، ابن شہر آشوب، اربلی، علامہ مجلسی، سید علیخان، اور دیگر افراد نے اپنی تالیفات اور تحریروں میں ذکر کیا ہے کہ مذکورہ ابیات حضرت علیؑ ابن ابیطالب کا کلام ہے۔اس لحاظ سے امت اسلامیہ نے اس امر کا اعتراف کیا ہے ان اشعار کے حضرت علی علیہ السلام کا کلام ہونے میں کسی قسم کا شک وشبہ نہیں ہے اور یہ اشعار آپؑ نے معاویہ کے جواب میں کہہ کر اس کے پاس بھیجے تھے۔

علامہ امینی لکھتے ہیں: معاویہ نے ان اشعار کو پڑھنے کے بعد کہا کہ''ان کو چھپاؤ کہیں شام کے لوگ انھیں نہ پڑھ لیں ورنہ علی ابن ابیطالبؑ کی طرف مائل ہو جائیں گے۔''

۲۔حسان بن ثابت.

ینادیهم یوم الغدیر نبیّهم	بخم و اسمع بالرسول منادیاً
فقال: فمن مولاکم و نبیّکم؟	فقالوا و لم یبدو التعامیا
الهک مولانا و انت نبیّنا	ولم تلق منّا فی الولایة عاصیاً
فقال له: قم یا علی ، فانّنی	رضیتک من بعدی اماماً و هادیاً[1]

۱۔اختصار کے پیش نظر وضاحت اور مصادر و منابع کے بیان سے اجتناب کیا جاتا ہے۔

۳۔قیس الانصاری

و علی امامنا و امام　　لسوانا أتی به التنزیل
یوم قال النبی: من کنت مولا　　هٗ فهذا مولاه خطب جلیل
انما قاله النبی علی الامة　　حتم ما فیه قال و قیل

۴۔عمرو بن العاص

و کم قد سمعنا عن المصطفی　　وصایا مخصّصة فی علیّ
و فی یوم خمّ رقی منبراً　　یبلّغ و الرکب لم یرحل
و فی کفّه کفّه معلناً　　ینادی بامر العزیز العلی
الست بکم منکم فی النفوس　　باولی؟ فقالوا بلی فافعل
فانحله امرة المؤمنین　　منن الله مستخلف المنحل

۵۔محمد الحمیری

تناسوا نصه فی یوم " خمّ"　　من الباری و من خیر الانام
برغم الانف من یشنا کلامی　　علیّ فضله کالبحر طامی

۶۔سید الحمیری

و بخم اذ قال الاله بعزمه　　قم یا محمد فی البریة فاخطب
و انصب . ابا حسن لقومک انّه　　هادو ما بلّغت ان لم تنصب

۷۔العبد الکوفی

و کان عنها لهم فی خم مزدجو　　لما رقی احمد الهاید علی قتب
و قال والناس من دانٍ الیه و من　　ثاوٍ لدیه ومنمصغ و مرتقب
قم یا علی فانی قد امرت بأن　　ابلغ الناس و التبلیغ اجدر بی

انّی نصبت علیاً هادیاً علماً بعدی و انّ علیّاً خیر منتصب

۹۔ ابو تمام الطائی

و یوم الغدیر استوضح الحق اهله
بضحیاء لا فیها حجاب ولاستر
یـمـدّ بـضـبـعیه و یـعلم انّه
ولیّ و مولاکـم فهل لکم خبر

۹۔ دعبل خزاعی

فان جحدوا کان الغدیر شهیده و بدرٌ و احد شامخ الهضبات

۱۰۔ ابو اسماعیل علوی

و صاحب یوم الدوح اذ قام احمد فنادی برفع الصوت لابتهمهم
جعلتک منی یا علیّ بمنزل کهارون من موسی النجیب المکلم

۱۱۔ الواثق نصرانی

الیس بخم قد أقام محمد علیاً باحصار الملا فی المواسم
فقال لهم:من کنت مولاه منکم فمولاکم بعدی '' علی بن فاطم''

۱۲۔ ابن الرومی

قال النبی له مقالاً لم یکن یوم الغدیر لسامعیه ممجمجا
من کنت مولاه فذا مولا له مثلی و أصبح بالفخار متوجاً

۱۳۔ حمانی اکوه۔

''مولاهم یوم الغدیر برغم مرتاب وآبی''

۱۴۔ ابن طباطبا اصفہانی	۱۵۔ ابن علویہ اصفہانی.
۱۶۔ مفجع.	۱۷۔ ابوالقاسم صنوبری.
۱۸۔ قاضی تنوخی.	۱۹۔ ابوالقاسم زاہی.
۲۰۔ ابوفراس حمدانی.	۲۱۔ ابوالفتح کشاجم.
۲۲۔ الناشی الصغیر.	۲۳۔ البشنوی کردی.
۲۴۔ صاحب بن عباد.	۲۵۔ جوہری جرجانی.
۲۶۔ ابن حجاج بغدادی.	۲۷۔ ابوالعباس ضبی.
۲۸۔ انطاکی.	۲۹۔ ابوعلاء سروی.
۳۰۔ ابومحمد عونی.	۳۱۔ ابن حماد عبدی.
۳۲۔ ابوالفرج رازی.	۳۳۔ جعفر بن حسین.

یہ تھا پہلی صدی ہجری سے چوتھی صدی ہجری تک کے چند شعراء کا بطور نمونہ ذکر جنہوں نے متفقہ طور پر، غدیر خم کے واقعہ کو جسمیں پیغمبرؐ اسلام نے خدا کی طرف سے حضرت علی علیہ السلام کو امامت پر مقرر فرمایا، اپنے اشعار میں بیان کیا ہے۔ یہاں پر ہم نے ان میں سے بعض کے اشعار کے چند نمونہ بھی ذکر کیے۔ اور یہ سلسلہ قرون اخیر (پانچویں صدی سے عصر حاضر تک) کے شعراء میں بھی جاری ہے۔ ہم نے یہاں پر اختصار کے پیش نظر ان کا ذکر کرنے سے اجتناب کیا ہے۔

دسویں فصل:

واقعہ غدیر سے احتجاج واستدلال

گزشتہ بیان شدہ فصلوں کے مطالب ومضامین بذات خود غدیر خم کے واقعہ کو ثابت کرنے کے لئے — کہ پیغمبر اسلام نے خدائے تعالی کی طرف سے علی ابن ابیطالبؑ کو امامت پر منصوب و مقرر کیا ہے — کافی تھے۔ حتی اس امر کی بھی ضرورت نہ تھی کہ مجموعی طور سے تمام دلائل کو اس سلسلے میں بیان کیا جائے۔ حقیقت میں یہ سب شواہد وقرائن — اصحاب رسول سے لیکر تابعین تک، مفسرین قرآن سے لیکر مورخین تک اور مولفین غدیر سے لیکر ادباء وشعراء تک سب کے سب — اس امر کی فیصلہ کن، قطعی اور ناقابل انکار تصدیق کرتے ہیں کہ ''غدیر کا واقعہ اسلام کے تاریخی، کلامی اور تفسیری مسلمات کا ایک حصہ ہے۔'' اور اس سلسلے میں کسی قسم کے انکار اور شک و شبہہ کی کوئی گنجائش نہیں۔ اس کے باوجود مرحوم علامہ امینی نے بیشتر ثبوت فراہم کرنے اور اس مسئلہ کو دوچندان محکم کرنے کے لئے اپنی انمول کتاب ''الغدیر'' میں واقعہ ''غدیر پر احتجاج و استدلال'' کے عنوان سے ایک اور باب کا اضافہ کیا ہے۔ اس کا آغاز انہوں نے خود امام علی ابن ابیطالبؑ کے احتجاج سے کیا ہے اس کے علاوہ دیگر لوگوں نے بھی پوری تاریخ کے دوران اس سے استدلال کیا ہے۔ حقیقت میں اگر اس استدلال کے علاوہ غدیر خم کے بارے میں کوئی اور دلیل نہ ہوتی تب بھی واقعہ غدیر کے اثبات کے لئے یہی ایک باب کافی تھا۔

احتجاجات واستدلات

پیغمبر اسلامؐ کی رحلت کے بعد حضرت علی علیہ السلام کا استدلال:

سلیم بن قیس اپنی کتاب میں لکھتے ہیں: سب سے پہلا استدلال و احتجاج جو حدیث غدیر کے بارے میں انجام پایا، حضرت علی علیہ السلام کے ذریعہ سے تھا جو رسول خداؐ کی رحلت کے بعد مسجد رسول میں انجام پایا۔

۲۳ھ کو شورا کے دن استدلال:

خوارزمی حنفی ''مناقب'' کے صفحہ ۲۱۷ میں ابوفضل کی سند سے نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اس نے کہا:

''میں شورا کے دن دربان تھا۔ میں نے سنا کہ علیؑ گھر کے اندر ان لوگوں سے کہہ رہے تھے: میں تمہارے سامنے ایک ایسی چیز سے استدلال کرتا ہوں کہ عرب وعجم اس سے انکار نہیں کر سکتے'' اس کے بعد اپنے کلام کو آگے بڑھاتے ہوئے فرمایا: ''میں تمہیں قسم دیکر کہتا ہوں کہ: کیا تم میں سے کوئی ایسا ہے جو مجھ سے پہلے خدا کی وحدانیت پر ایمان لایا ہو؟ ان لوگوں نے کہا: نہیں۔ اس کے بعد پوچھا: کیا تم میں سے کسی کا جعفر جیسا بھائی ہے جو بہشت میں فرشتوں کے ساتھ پرواز

کررہاہو؟انہوں نے جواب میں کہا:نہیں۔ پھرآپؑ نے پوچھا:

کیاتم میں سے کسی کا چچا میرے چچاحمزہ سیدالشہداء کے مانند ہے جوخدااوراس کے رسول کی شمشیر تھے؟ان لوگوں نے کہا:نہیں! پھرآپ نے پوچھا:

کیاتم میں سے کسی کی زوجہ میری زوجہ حضرت زہراءسیدۃ النساءالعالمینؑ جیسی ہے؟

انہوں نے کہا:نہیں۔اس کے بعد آپ نے پوچھا:

کیارسول خداؐ کے دونواسے اورمیرے بیٹے حسنؑ وحسینؑ کے مانند کسی کے بیٹے ہیں؟

کہا:نہیں،آخرمیں فرمایا:میں تم لوگوں سے قسم دے کرپوچھتاہوں کہ:

''کیاتم میں سے کوئی ایساہے،جس کے بارے میں پیغمبرخداؐ نے فرمایاہو:**من کنت مولاہ فعلیؑ مولاہ...**''

اس استدلال واستشہادکوامام حموینی نے ''فرایدالسمطین'' میں اورابن حاتم شامی نے '' در النظیم''میں اورابن عقدہ،عقیلی اورابن ابی الحدیدوغیرہ نے بھی نقل کیاہے۔

خلافت عثمان کے دوران مسجد نبی میں احتجاج:

اسی طرح ابواسحاق نے ''فرایدالسمطین ''میں حضرت علیؑ کاایک اوراحتجاج واستدلال نقل کیاہے، جومسجد نبیؐ میں واقع ہواہے۔

کچھ لوگ منجملہ سعدبن ابی وقاص،عبدالرحمٰن بن عوف،طلحہ،زبیر،مقداد،ہاشم،حسن وحسین،ابن عباس،محمدبن ابی بکر،عبداللہ بن جعفر،ابی بن کعب،زیدبن ثابت،ابو ایوب انصاری،قیس بن سعد،محمدبن سلمۃ،انس بن مالک،جابربن عبداللہ،زیدبن ارقم،اوردسیوں دیگرلوگ وہاں پرموجودتھے،اورمختلف موضوعات پرگفتگوہورہی تھی۔کچھ لوگ اپنے خاندان کے بارے میں اوربعض لوگ اپنے ماضی کے کارناموں کی تعریف.....کررہے تھے۔

اس کے بعد لوگوں نے علی علیہ السلام کی طرف رخ کر کے سوال کیا: آپؑ کچھ کیوں نہیں بول رہے ہیں؟ حضرتؑ نے بولنا شروع کیا... اور یہاں تک پہنچے:

''پیغمبر خداؐ نے غدیر خم کے دن مجھے امامت پر منصوب فرمایا.... اور لوگوں سے اقرار لے لیا کہ کیا میں تم لوگوں سے اولیٰ نہیں ہوں؟ لوگوں نے جواب دیا: ہاں یا رسول اللہؐ اس کے بعد میری طرف رخ کر کے فرمایا: اے علیؑ! کھڑے ہو جاؤ! میں اٹھ کھڑا ہوا۔ تو آپؐ نے فرمایا: من کنت مولاہ فعلی مولاہ . . .

۳۵ھ میں رحبہ، کوفہ میں استدلال:

نیز اہل سنت کے منابع اور مصادر میں نقل ہوا ہے کہ حضرت علی علیہ السلام کی خلافت کی مخالفت شروع ہونے کی وجہ سے بعض لوگوں نے بیعت شکنی بھی کی (ظاہر ہے کہ معاویہ کے مخفی ماموروں اور دوسروں نے حضرتؑ کی خلافت کے بارے میں شک وشبہات پھیلانے شروع کردئے) یہاں تک کہ لوگ پیغمبر اسلامؐ کے ذریعہ حضرت علیؑ کی امامت پر مقرر کئے جانے پر بھی شک کرنے لگے تھے۔ اس لئے امام علی علیہ السلام لوگوں کے ایک اجتماع میں جو، کوفہ کے ایک وسیع میدان میں جمع تھے، تشریف لے گئے اور اس مجمع میں حدیث غدیر سے استدلال پیش کیا، یہ احتجاج (جہاں تک ہمارے ہاتھ آسکا ہے) چار صحابیوں اور چودہ تابعین نے نقل کیا ہے۔

جنگ جمل میں استدلال:

حاکم نے مستدرک ج ۳، ص ۳۷۱ پر رفاعہ سے نقل کیا ہے کہ میرے جد نے کہا کہ: ''ہم جمل میں علیؑ کے ساتھ تھے۔ حضرتؑ نے طلحہ بن عبید اللہ کو طلب کیا۔ طلحہ حضرت علیؑ کے پاس آیا۔ حضرتؑ نے اس سے کہا: میں تمہیں قسم دے کر پوچھتا ہوں کہ بتاؤ کیا تم نے پیغمبر خداؐ سے نہیں سنا'' من کنت مولاہ فعلی مولاہ . . . ؟ طلحہ نے کہا: جی ہاں میں نے رسول خداؐ سے یہ سنا ہے۔ اس پر علیؑ نے طلحہ کی طرف رخ کر کے سوال کیا: پھر میرے ساتھ کیوں جنگ کر رہے ہو؟

طلحہ نے کہا: میں متوجہ نہیں تھا۔ اس کے بعد طلحہ پلٹ کر چلا گیا۔

یہ استدلال دیگر مصادر و منابع جیسے مناقب خوارزمی، تاریخ ابن عساکر، مجمع الزواید ھیثمی، تہذیب التہذیب ابن حجر اور جمع الجوامع سیوطی وغیرہ میں بھی نقل ہوا ہے۔

حدیث رکبان (سواروں) کوفہ ۳۶ھ یا ۳۷ھ:

حنبلیوں کے امام احمد ابن حنبل نے روایت کی ہے: ''کچھ سوار کوفہ کے باہر سے رحبہ نام کے ایک میدان میں داخل ہوئے اور حضرت علیؑ سے کہا:

''السلام علیک یا مولانا'' علیؑ نے جواب میں کہا: میں کیسے تم لوگوں کا مولا ہوں جبکہ تم عرب ہو؟ انہوں نے جواب میں کہا: غدیر کے دن ہم نے سنا ہے کہ رسول خدا نے فرمایا:

من کنت مولاہ فعلی مولاہ''

ریاح جو اس حدیث کا راوی ہے کہتا ہے: جب یہ لوگ وہاں سے چلے گئے تو میں بھی ان کے پیچھے گیا تا کہ دیکھوں کہ یہ لوگ کون ہیں۔ لہذا جب میں نے ان لوگوں سے پوچھا انہوں نے جواب میں کہا: یہ انصار کا ایک گروہ ہے جن میں ابوایوب انصاری بھی تھے۔

اس واقعہ کو ابراہیم بن حسین نے ''کتاب صفین'' اور ''کشف الغمہ'' میں ابن اثیر نے ''اسد الغابہ'' میں، ابن حجر نے ''الاصابۃ'' میں ابن عقدۃ کی ''موالاۃ'' سے اور محب الدین طبری نے ''الریاض النضرۃ'' میں ھیثمی نے ''مجمع الزواید'' میں، شیرازی نے ''الاربعین'' میں اور ابوعمرو کشی نے ''فہرست'' میں مختصر اختلاف کے ساتھ نقل کیا ہے۔

ان مصادر میں سے بعض میں اس طرح آیا ہے:

''جب انہوں نے مولا کو سلام کیا تو انھیں جواب ملا اس کے بعد حضرت علیؑ نے ان سے سوال کیا: کیا تم میں اصحاب پیغمبرؐ میں سے بھی کوئی ہے؟ انہوں نے جواب دیا: ہاں، اور بارہ آدمی کھڑے ہو گئے جن میں خالد بن زید، ابوایوب انصاری، خزیمہ بن

ثابت، قیس بن ثابت،... اور ان سب لوگوں نے گواہی دی کہ ہم نے غدیر خم میں رسول خداؐ سے سنا ہے کہ انہوں نے فرمایا: "من کنت مولاہ فعلی مولاہ..."

ان میں سے انس بن مالک اور براء بن عازب نے گواہی نہیں دی حضرت نے ان سے سوال کیا کہ تم لوگوں نے دیگر لوگوں کی طرح کیوں گواہی نہیں دی حالانکہ تم لوگوں نے بھی ان کی طرح رسول خدا سے سنا ہے؟ پھر حضرتؑ نے بارگاہ الٰہی میں دعا کی کہ: خداوندا اگر انہوں نے عناد کی وجہ سے شہادت چھپائی ہو تو ان پر بلا نازل فرما! روایت کے آخر میں آیا ہے کہ یہ دونوں آدمی بلا میں گرفتار ہوئے، براء اندھا ہو گیا اور ایسی حالت سے دوچار ہوا کہ اپنے گھر کا راستہ لوگوں سے پوچھتا تھا اور کہتا تھا: جو نفرین کیا گیا ہو وہ کس طرح اپنا راستہ پا سکتا ہے؟! اور انس کے پیر برص کی بیماری میں مبتلا ہو گئے۔

ابن ابی الحدید نے شرح نہج البلاغہ کے صفحہ ۳۶۱ پر لکھا ہے کہ ہمارے چند بغدادی اساتید نے کہا:

"بعض اصحاب، تابعین اور محدثین حضرت علی علیہ السلام کے مخالف تھے اور دنیوی منفعت کی وجہ سے آپؑ کے فضائل کو چھپاتے تھے اور بلکہ آپؑ کے بارے میں برا بھلا کہتے تھے۔ ان میں سے ایک انس بن مالک تھا۔ ایک دن حضرت علیؑ نے رحبۂ قصر یا مسجد جامع میں فرمایا: تم لوگوں میں سے کس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے: "من کنت مولاہ فعلی مولاہ"؟ بارہ آدمی کھڑے ہوئے اور انہوں نے شہادت دی۔ لیکن انس بن مالک کھڑا نہیں ہوا، علیؑ نے اس سے فرمایا: اے انس! تم کیوں نہ کھڑے ہوئے کہ شہادت دیتے، تم تو وہاں پر موجود تھے؟! اس نے جواب دیا: میں بوڑھا ہو گیا ہوں اور بھول گیا ہوں۔ علیؑ نے فرمایا: خداوندا! اگر یہ جھوٹ بولتا ہے تو اسے سفیدی (برص) میں مبتلا کر دے تا کہ اس کا عمامہ بھی نہ چھپا

سکے۔ طلحہ بن عمیر کہتا ہے: خدا کی قسم میں نے دیکھا کہ وہ ایسا ہی ہو گیا تھا۔

سید حمیری نے اپنے اشعار میں اس واقعہ کی طرف یوں اشارہ کیا ہے:

فصدّه ذو العرش عن رشده وشانه بالبرص الأنكل

۲۔ حضرت زہراء سلام اللہ علیہا کی گواہی اور استدلال:

شمس الدین جزری مقری نے کتاب ''اسنی المطالب'' میں اپنے اسناد سے حلوانی سے علی ابن محمد اہوازی رشید کے غلام سے، اس نے ابوبکر بن احمد قصری سے نقل کیا ہے کہ: حضرت موسی بن جعفرؑ کی بیٹیوں: فاطمہ، زینب اور ام کلثوم نے ہم سے حدیث نقل کی اور انہوں نے فاطمہ بنت جعفرؑ بن محمدؑ سے انہوں نے فاطمہ بنت محمدؑ ابن علیؑ سے اور انہوں نے فاطمہ بنت علیؑ بن حسینؑ سے اور انہوں نے فاطمہؑ وسکینہؑ دختران حسینؑ بن علیؑ سے اور انہوں نے ام کلثوم بنت فاطمہ زہراءؑ بنت رسول خداؐ سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا:

''کیا تم لوگ غدیر خم کے دن رسول خدا کے فرمائے گئے اس قول کو بھول گئے: ''من کنت مولا ہ فعلي مولاہ ''نیز: ''و انت منّی بمنزلة هارون من موسیٰ''

۳۔ سبط پیغمبر حضرت امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام کا استدلال:

ابوالعباس ابن عقدہ لکھتے ہیں:

''امام حسن مجتبیٰؑ نے معاویہ کے ساتھ صلح کے بعد لوگوں کے درمیان ایک خطبہ پڑھا۔ اس خطبہ میں خدا کی حمد وستائش اور اپنے جد بزرگوار حضرت محمد مصطفٰی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت ونبوت کی گواہی دینے کے بعد فرمایا:

''ہم اہل بیتؑ ہیں کہ خدائے تعالیٰ نے ہمیں اسلام کے ساتھ کرامت بخشی، ہمیں عظمت بخشی اور ہم سے ہر قسم کی پلیدی کو دور فرمایا اور ہمیں بہترین خلقت قرار دیا اور جب میرے جد رسول خداؐ کو بعنوان نبی ورسول مبعوث فرمایا تو قرآن مجید کو ان پر

نازل فرمایا اور سب سے پہلے جس نے خدا ور سول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت کی وہ میرے والد حضرت علی علیہ السلام تھے جنہوں نے خدا اور رسول خدا پر ایمان لاکر شہادت و گواہی دی....

اس امت نے میرے جد رسول خداؐ سے سنا ہے کہ آپؐ نے فرمایا:

''اگر کوئی امت، اعلم اور لایق تر کو چھوڑ کر اس سے پست شخص کی ولایت کے تابع ہو جائے، تو اس کے امور پست و باطل ہو جائیں گے مگر یہ کہ اعلم و صالح کی قیادت کا انتخاب کریں اور اس کی اطاعت کریں۔''

نیز آنحضرتؐ سے سنا ہے کہ آپؐ نے فرمایا:

''اے علیؑ! تم میرے لئے ایسے ہی ہو جیسے موسیٰ کے لئے ہارون لیکن میرے بعد پیغمبری نہیں ہے۔''

اس کے علاوہ اس امت نے میرے جد رسولؐ خدا کو دیکھا ہے۔ جب آپؐ نے میرے بابا حضرت علی علیہ اسلام کے ہاتھ کو غدیر خم میں پکڑ کر بلند کیا اور فرمایا: ''من کنت مولاہ فعلی مولاہ۔''

قندوزی نے اس خطبہ کے ایک حصہ کو ''ینابیع المودۃ'' کے صفحہ ۴۸۲ پر بیان کیا ہے۔

۴۔ سبط پیغمبر، حضرت امام حسینؑ کا استدلال:

معاویہ کے مرنے سے دو سال قبل، حضرت امام حسینؑ، عبداللہ ابن عباس، عبداللہ ابن جعفر اور چند دیگر لوگوں کے ہمراہ حج پر چلے گئے۔ منیٰ میں تقریباً دو سو اصحاب اور پانچ سو تابعین مجموعی طور سے سات سو انصار و بنی ہاشم کے اہل عبادت و شائستہ شخصیتیں جمع تھے۔ امام حسین ۲ نے اس اجتماع میں ایک خطبہ دیا اور اس طرح فرمایا:

''امابعد، تم لوگوں نے اس طاغوت اور ظالم کو دیکھا کہ ہمارے، شیعوں اور ہمارے

پیروؤں کے ساتھ کیسا برتاؤ کرتا ہے؟! تم لوگ ہر خبر سے مطلع ہو چکے ہو۔

میں اس وقت تم لوگوں سے ایک بات پوچھنا چاہتا ہوں۔ ان مطالب کو سنو اور حفظ کرو۔ جب واپس اپنے شہروں میں پہنچو تو یہ مطالب اپنے مورد اطمینان و اعتماد افراد سے بیان کرو اور انہیں ہمارے حق کی طرف دعوت دو۔ مجھے اس بات کا خوف ہے کہ دین حق نابود و مغلوب ہو جائے۔ البتہ خدائے تعالیٰ اپنے وعدے پر عمل کرے گا اور اپنے نور کو روشن رکھے گا اگرچہ کافر اس سے خوش نہ ہوں۔

اس وقت آپؑ قرآن و رسول خداؐ اہل بیت علیہم السلام اور علیؑ اور اپنی والدہ حضرت زہراءؑ اور اپنے بارے میں جو کچھ بیان فرماتے تھے حاضرین اس کا اقرار کرتے جاتے تھے اور کہتے تھے ''جی ہاں! ہم نے سنا ہے اور گواہی دیتے ہیں.....

اس کے بعد آپؑ نے فرمایا: تمہیں، خدا کی قسم دیتا ہوں کہ کیا تم جانتے ہو کہ رسول خداؐ نے غدیر خم کے دن میرے بابا علی علیہ السلام کو امامت و ولایت پر منصوب کر کے فرمایا: حاضرین یہ خبر غائب لوگوں تک پہنچا دیں؟! سبھوں نے جواب میں اقرار کرتے ہوئے کہا: ہاں....

۵۔ عبداللہ ابن جعفر کا استدلال:

عبداللہ ابن جعفر کہتے ہیں کہ میں، حسنؑ و حسینؑ معاویہ کے پاس تھے۔ عبداللہ ابن عباس اور فضل بن عباس بھی وہاں موجود تھے۔ معاویہ نے میری طرف مخاطب ہو کر کہا: اے عبداللہ! حسنؑ و حسینؑ کا اس قدر احترام کیوں کرتے ہو؟ جبکہ وہ تم سے بہتر نہیں ہیں اور ان کے باپ بھی تمہارے باپ سے بہتر نہ تھے۔ اور اگر فاطمہؑ رسول خداؐ کی بیٹی نہ ہوتیں تو میں کہتا کہ تیری والدہ اسماء بنت عمیس بھی ان کی والدہ سے کمتر نہ تھیں۔

عبداللہ کہتے ہیں کہ میں نے معاویہ کو جواب دیا:

''خدا کی قسم حسنؑ و حسینؑ اوران کے ماں باپ کے بارے میں تیراادراک پست ہے۔ خدا کی قسم وہ مجھ سے، ان کے والد میرے والد اور اُن کی والدہ میری والدہ سے بہتر ہیں۔ اے معاویہ! تم اس چیز سے، جو کچھ میں نے رسول خداؐ سے اُن کے اوران کے ماں باپ کے بارے میں سنا ہے مجھے یاد ہے اوراس کی روایت بھی کر چکا ہوں، غافل و بے خبر ہو۔''

معاویہ نے کہا: اے جعفر کے بیٹے: مجھ سے بیان کرو، خدا کی قسم تم جھوٹے نہیں ہو۔

عبداللہ کہتے ہیں کہ اس کے بعد میں نے کہا:

''جو کچھ تم خیال کرتے ہو اور تمہارے ذہن میں ہے، حقیقت اس سے کہیں بلند و بالاتر ہے۔''

معاویہ نے کہا: کہو، اگر چہ کوہ احد و حرا سے بھی بلند ہو، کیونکہ تمہارے آقا (علیؑ) کو خدا نے قتل کیا ہے اور تمہارے گروہ کو متفرق کر دیا ہے اور خلافت اس کے حقدار کو مل گئی ہے۔ اسلئے مجھے اس حدیث کی کوئی پروانہیں کیونکہ مجھے اس سے کوئی نقصان پہنچنے والانہیں ہے۔

عبداللہ نے کہا: پیغمبر خداؐ سے آیۂ شریفہ ﴿و ماجعلنا الرؤیا التی أریناک الافتنة للناس و الشجرة الملعونة فی القرآن﴾ کے بارے میں سوال کیا گیا۔

آپؐ نے فرمایا: میں نے دیکھا کہ گمراہی کے بارہ ۱۲ پیشوا میرے منبر پر اوپر نیچے جارہے ہیں اور میری امت کو پستی کی طرف لے جارہے ہیں... اس کے بعد فرمایا:

بلاشبہ جب ابی العباس کی اولاد کی تعداد پندرہ تک پہنچ جائے گی، تو وہ کتاب خدا کی بے حرمتی اور تحریف کریں گے اور خدا کے بندوں کو غلام بنائیں گے اور بیت المال کو ذاتی ثروت میں تبدیل کر دیں گے۔

اے معاویہ! جب رسول خداؐ منبر پر تھے، میں، عمر ابن ابی سلمہ، اسامہ بن زید، سعد بن ابی

وقاص، سلمان فارسی، ابوذر، مقداد اور زبیر بن عوام آپؐ کے روبرو بیٹھے تھے۔ آپؐ نے فرمایا: ''الست اولی بکم من انفسکم؟'' ہم نے کہا: جی ہاں، یارسول اللہؐ.....

تو آپؐ نے فرمایا: ''من کنت مولاہ فعلی مولاہ .....''

عبداللہ ابن جعفر نے اپنے کلام کو جاری رکھتے ہوئے کہا: ''ہمارے پیغمبرؐ نے، حضرت علیؑ کو، جو سب سے افضل و بہتر تھے، غدیر خم کے دن لوگوں کا امام مقرر فرمایا اور حکم دیا کہ ان کی اطاعت کریں.....

معاویہ نے عبداللہ بن جعفر کے بیان کے ضمن میں کہا: تم نے ایک بڑی چیز بیان کی۔ اگر جو کچھ کہا حق ہو تو اہل بیتؑ اور ان کے دوستوں کے علاوہ تمام کے تمام مہاجر و انصار ہلاک ہو گئے۔ میں نے معاویہ سے کہا: ''خدا کی قسم، جو کچھ میں نے بیان کیا وہ حقیقت ہے اور یہ سب میں نے رسول خداؐ سے سنا ہے''۔

معاویہ نے حسنؑ و حسینؑ اور ابن عباس کی طرف مخاطب ہو کر کہا: ابن جعفر کیا کہہ رہے ہیں؟

ابن عباس نے جواب میں کہا: اگر نہیں مانتے ہو تو ان افراد کو بلالو جو وہاں پر موجود تھے اور جنہوں نے عبداللہ کی طرح اس خبر کو رسولؐ خدا سے سنا ہے۔ معاویہ نے عمر ابن ابی اسلمہ اور اسامہ بن زید کو بلوا بھیجا اور ان سے بھی سوال کیا۔ انہوں نے عبداللہ بن جعفر کے بیان کی تائید کرتے ہوئے شہادت دی اور تصدیق کی۔

۶۔ برد کا عمرو عاص پر استدلال:

ابن قتیبہ دینوری نے کتاب ''الامامۃ والسیاسۃ'' کے صفحہ ۹۳ پر لکھا ہے:

تاریخ نویسوں نے لکھا ہے کہ طائفہ ہمدان سے ایک شخص بنام برد، معاویہ کے پاس آیا، اس نے دیکھا کہ عمرو عاص حضرت علی علیہ السلام کے بارے میں ناشائستہ باتیں کہہ رہا ہے۔ برد نے اس سے کہا کہ ہمارے مشائخ اور بزرگوں نے نقل کیا ہے کہ پیغمبر خداؐ نے فرمایا:

"من کنت مولاہ فعلی مولاہ" کیا یہ نقل صحیح ہے؟

عمرو عاص نے کہا: حق اور صحیح ہے۔ میں اس سے زیادہ کہوں گا جو تم نے کہا: اصحاب پیغمبرؐ میں سے کوئی ایک علیؑ کے فضائل کو نہیں پہنچتا۔

برد نے کہا: میں لرز اٹھا۔

عمرو عاص نے کہا: لیکن علیؑ نے ان تمام فضائل کو عثمان کے کے ساتھ بدسلوکی کر کے خراب کر دیا۔

برد کہتا ہے: کیا علیؑ نے عثمان کو قتل کرنے کا حکم دیا تھا یا خود عثمان کو قتل کیا تھا؟

عمر عاص نے کہا: نہیں، بلکہ اس کے قاتل کو پناہ دی تھی۔

برد نے کہا: کیا اس کے باوجود بھی مسلمانوں نے ان کی بیعت کر لی؟

عمرو عاص نے کہا: ہاں، لوگوں نے ان کی بیعت کی۔

برد نے سوال کیا: پھر کس چیز نے تم کو علیؑ کی بیعت کرنے سے روکا؟

عمرو عاص نے کہا: اس لئے کہ میں اسے قتل عثمان میں متہم جانتا ہوں۔

برد نے کہا: تم خود قتل عثمان میں متہم ہو۔!!

عمرو عاص نے کہا: صحیح کہتے ہو اسی لئے میں فلسطین چلا گیا تھا۔

برد نے کہا کہ: جب میں اپنے قبیلہ میں واپس پہنچا تو میں نے ان سے کہا کہ: ہم ایک شخص کے پاس گئے تھے کہ اس کے کلام سے ہی ہم نے اس کے خلاف برہان و استدلال کیا جان لو کہ علیؑ حق پر ہیں۔ ان کی پیروی کرو۔

۷۔ عمرو عاص کا معاویہ پر استدلال

خوارزمی نے "مناقب" کے صفحہ ۱۲۴ پر ایک خط کا ذکر کیا ہے جو معاویہ نے جنگ صفین میں مدد کی غرض سے عمرو عاص کو لکھا اور عمرو عاص کے جواب کا بھی ذکر کیا ہے جو مطالب عمرو عاص نے

اپنے خط میں معاویہ کو لکھے ہیں ان میں یہ بھی تھا:

''جو کچھ تم نے ابوالحسن، رسول خداؐ کے بھائی اور ان کے وصی پر ظلم کیا اور ان پر عثمان سے حسد کی تہمت لگائی ہے اور یہ کہ انہوں نے لوگوں کو عثمان کے خلاف اکسایا، یہ جھوٹ اور گمراہی ہے۔ افسوس ہو تم پر اے معاویہ! کیا تم نہیں جانتے کہ ابوالحسن (علیؑ) نے اپنے آپ کو رسول خداؐ پر قربان کیا اور لیلۃ المبیت کو آپؐ کے بستر پر سوئے اور وہ (علیؑ) اسلام اور ہجرت میں سب سے مقدم ہیں۔ پیغمبر خداؐ نے ان کے بارے میں فرمایا ہے: ''هو مني و انا منه و هو مني بمنزلة هارون من موسى الا انه لا نبي بعدي'' اور اس کے علاوہ غدیر خم کے دن علیؑ کے بارے میں فرمایا: ''الا من كنت مولاه فعلي مولاه . . . ''

۸۔ عمار بن یاسر کا عمرو عاص کے سامنے استدلال:

نصر بن مزاحم کوفی نے کتاب ''صفین'' کے صفحہ ۱۷۶ پر عمار بن یاسر سے روایت کی ہے کہ انہوں (عمار) نے جنگ صفین میں عمرو عاص سے مخاطب ہو کر یوں کہا:

''پیغمبر خدا نے ہمیں حکم دیا ہے کہ ناکثین سے جنگ کریں اور ہم نے جنگ کی۔ آپؐ نے حکم دیا کہ قاسطین سے جنگ کریں کہ تم قاسطین ہو۔ اب معلوم نہیں مارقین کو بھی درک کرسکوں یا نہیں؟ اے ابتر! کیا تو نہیں جانتا کہ رسول خداؐ نے علیؑ کے بارے میں کہا: ''من كنت مولاه فعلي مولاه''

عمرو عاص نے کہا: ''اے ابو یقظان ہمیں کیوں گالی دے رہے ہو...''

۹۔ اصبغ بن نباتہ کا استدلال:

امیر المؤمنین علی علیہ السلام نے جنگ صفین میں اصبغ ابن نباتہ کے ذریعہ معاویہ کو ایک خط بھیجا اصبغ کہتے ہیں:

''میں معاویہ کے پاس پہنچا وہ چمڑے کے فرش پر دو سبز تکیوں سے ٹیک لگائے بیٹھا تھا۔ اس

کے دائیں طرف عمرو عاص، حوشب وذوالکلاع اور بائیں طرف اس کا بھائی عتبہ، ابن عامر، ولید، عبدالرحمٰن بن خالد وشرحبیل اور سامنے ابو ہریرہ، ابودرداء، نعمان وابوامامۃ باہلی بیٹھے ہوئے تھے۔

اس نے حضرت علیؑ کا خط پڑھ کر کہا: علیؑ عثمان کے قاتلوں کو ہمارے حوالے نہیں کرتے۔

اصبغ کہتے ہیں کہ میں نے معاویہ سے کہا: اے معاویہ بہانہ اور حیلہ سے کام نہ لو، کیونکہ تم حکومت اور سلطنت چاہتے ہو۔ اگر تم حقیقتاً عثمان کی مدد کرنا چاہتے جب وہ زندہ تھے اس کی مدد کرتے لیکن تم نے ایسا نہیں کیا بلکہ منتظر رہے تاکہ وہ قتل ہو جائیں تب تم ان کے قتل کو اپنے مقاصد کیلئے سند کے طور پر استعمال کرو"

معاویہ میری باتوں سے آگ بگولا ہو گیا، میں چاہتا تھا اس کے غصہ کو اور مشتعل کروں اسلئے میں نے ابو ہریرہ سے مخاطب ہو کر کہا: اے صحابی رسول خدا! تجھے لاشریک اور غیب وشہود کے عالم خدا کی قسم، اور تجھے خدا کے حبیب محمد مصطفیؐ کی قسم دیتا ہوں مجھے بتادے کہ کیا تم غدیر خم کے دن حاضر وشاہد تھا؟

ابو ہریرہ نے کہا: ہاں۔

میں نے اس سے کہا: تو نے علی علیہ السلام کے بارے میں پیغمبر خدا سے کیا سنا ہے؟

ابو ہریرہ نے کہا: میں نے سنا پیغمبرؐ نے فرمایا:

"من كنت مولاه فعلي مولاه ، اللهم وآل من والاه و عاد من عاداه . . . "

میں نے کہا: اے ابو ہریرہ! اس کے باوجود تم اس کے دشمن کے ساتھ دوست بن گئے ہو (یعنی معاویہ کے دوست ہو) اور ان (علیؑ) کے دوستوں کے دشمن بن گئے ہو؟!

یہ سن کر ابو ہریرہ نے ایک لمبی آہ بھری اور کہا:

﴿انا لله و انا اليه راجعون﴾"

حنفی نے "مناقب کے صفحہ ۱۳۰ پر اور ابن جوزی نے "تذکرہ" کے صفحہ ۴۸ پر اس حدیث کو

نقل کیا ہے۔

۱۰۔ ایک جوان کا ابو ہریرہ کیلئے استدلال:

ابو یعلی موصلی نے روایت کی ہے کہ ابو ہریرہ مسجد کوفہ میں داخل ہوا۔ کچھ لوگوں نے من جملہ ایک جوان نے ان کو گھیر لیا۔

اس جوان نے پوچھا: تمہیں خدا کی قسم دیتا ہوں بتاؤ کیا تم نے پیغمبرؐ خدا کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے:

"من کنت مولاہ فعلی مولاہ اللھم وال من والاہ و عاد من عاداہ"؟

ابو ہریرہ نے کہا: ہاں میں گواہی دیتا ہوں کہ میں نے پیغمبرؐ کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے۔

تتمۂ حدیث کو ابن ابی الحدید نے شرح نہج البلاغہ کی ج اصفحہ ۳۶۰ پر یوں نقل کیا ہے:

اس جوان نے کہا: اب جبکہ تم نے اسے پیغمبرؐ سے سنا ہے تو میں شہادت دیتا ہوں کہ تم نے اس کے دشمن کے ساتھ دوستی کی ہے (معاویہ کے ساتھ دوستی کی ہے) یہ کہہ کر وہ جوان چلا گیا۔

۱۱۔ غدیر کے سلسلے میں ایک آدمی کا زید بن ارقم سے استدلال:

راوی کہتا ہے: میں زید بن ارقم کے پاس بیٹھا تھا۔ میں نے دیکھا ایک شخص آیا اور اس نے سوال کیا: تم میں سے کون زید بن ارقم ہے؟ اس سے کہا گیا: زید یہ ہے۔

اس پر اس شخص نے کہا: تمہیں خدائے وحدہ لاشریک کی قسم دیتا ہوں کہ کیا تم نے رسول خدا کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: **من کنت مولاہ فعلی مولاہ . . .**؟

زید نے کہا: ہاں سنا ہے۔

۱۲۔ معاویہ کے سامنے قیس بن سعد کا استدلال:

امام حسن مجتبیٰؑ کی شہادت کے بعد معاویہ مراسم حج انجام دینے کے بعد مدینہ منورہ میں

داخل ہوا۔ اہل مدینہ نے معاویہ کا استقبال کیا۔ معاویہ اور قیس بن سعد کے درمیان ایک بحث ہوئی۔ قیس نے معاویہ سے کہا: اپنی جان کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ علیؑ یا ان کی اولاد (علیؑ کے بعد) کے ہوتے ہوئے قریش وانصار اور عرب وعجم میں سے کسی کو خلافت پر حق نہیں ہے۔

معاویہ نے طیش میں آ کر کہا: اے قیس اس بات کو تم نے کس سے نقل کیا ہے؟ کیا تمہارے باپ نے تمہیں یہ خبر دی ہے؟

قیس نے کہا: اسے میں نے ایسے شخص سے سنا ہے کہ اس کا حق مجھ پر اپنے باپ سے زیادہ ہے۔

معاویہ نے پوچھا: وہ شخص کون ہے؟

قیس نے کہا: علی بن ابیطالب، اس امت کے عالم وصدیق نے جن کے بارے میں خدائے تعالی نے آیۂ شریفہ ﴿قل کفی باللہ شھیداً بینی و بینکم و من عندہ علم الکتاب﴾ نازل فرمائی ہے۔

معاویہ نے کہا: امت کے صدیق ابوبکر اور فاروق، عمر ہے اور ﴿الذی عندہ علم الکتاب﴾ کا مقصد ابن سلام ہے۔

قیس نے کہا: ان اوصاف کے لئے سزاوار ترین فرد وہ ہے جس کے بارے میں خدائے تعالے نے فرمایا ہے:

﴿افمن کان علی بینۃ من ربہ و یتلوہ شاھد منہ﴾

اور جسے رسول خداؐ نے غدیر خم کے دن امت کی امامت پر منصوب کر کے فرمایا تھا:

"من کنت مولاہ فعلی اولی بہ من نفسہ"

اور غزوۂ تبوک میں ان کے بارے میں فرمایا:

"انت منی بمنزلۃ ھارون من موسی الا انہ لا نبی بعدی"

۱۳۔عمر واودی کا حدیث غدیر پر استدلال:

مفتی کوفہ شیخ بن عبداللہ نخعی نے عمر واودی سے نقل کیا ہے کہ:

''اس کے سامنے علی ابن ابیطالبؑ کا ذکر چھیڑا۔اس نے کہا: بعض لوگ علیؑ کی توہین کرتے ہیں اور ان کے بارے میں ناشائستہ باتیں کرتے ہیں، یہ سب جہنم کے ایندھن ہیں، کیونکہ میں نے اصحاب رسولؐ کی ایک جماعت سے من جملہ حذیفہ بن یمان وکعب بن عجزہ سے سنا ہے کہ کہتے تھے: علیؑ کو ایک ایسی چیز عطا کی گئی ہے کہ کسی ایک کو بھی وہ چیز نہیں ملی ہے۔وہ دنیا میں اولین وآخرین کی عورتوں کی سردار، حضرت فاطمہ زہراؑ کے شوہر ہیں۔کیا کسی بشر کو ان جیسی زوجہ ملی ہے؟۔انھیں حسنؑ وحسینؑ دو سرداران جوانان جنت عطا کئے گئے اور کس کو حسن وحسینؑ جیسی اولاد عطا کی گئی ہے۔؟

رسول خداؐ ان کی زوجہ کے باپ اور وہ خود اہل بیتؑ میں سے پیغمبرؐ کے وصی ہیں تمام دروازے جو مسجد نبیؐ کی طرف کھلتے تھے بند کیے گئے صرف علیؑ کا دروازہ کھلا رہا۔وہ جنگ خیبر کے علمدار ہیں...وہ صاحب روز غدیر ہیں کہ پیغمبر خداؐ نے ان کے بارے میں فرمایا:

''ایھا الناس من اولی بکم من انفسکم ؟ قالوا اللہ و رسولہ اعلم ، قال من کنت مولاہ فھذا علی مولاہ''

۱۴۔دارمیہؓ حجونیہ کا استدلال:

زمخشری ''ربیع الابرار'' میں لکھتے ہیں:

معاویہ حج کو گیا تھا،اس نے مکہ میں دارمیہ حجونیہ نام کی ایک خاتون کو بلوا بھیجا جو شیعیان علیؑ میں سے تھیں۔یہ ایک سیاہ رنگ اور تنومند خاتون تھیں۔جب وہ معاویہ کے پاس پہنچیں تو معاویہ نے ان سے کہا: کیسی ہو اے حام کی بیٹی؟

درامیہ نے کہا: میں خیریت سے ہوں لیکن حام سے نہیں ہوئی بلکہ بنی کنانہ سے ہوں۔

معاویہ نے کہا: ٹھیک ہے، جانتی ہو کہ میں نے تمہیں کیوں بلایا ہے؟

دارمیہ نے کہا: سبحان اللہ! کیا میں علم غیب رکھتی ہوں!

معاویہ نے کہا؛ تم کیوں علیؑ کو دوست رکھتی ہو اور مجھ سے دشمنی کرتی ہو؟

دارمیہ نے کہا: مجھے چھوڑ دو۔

معاویہ نے کہا: کہنا نہیں چاہتی ہو...؟

دارمیہ نے کہا: میں جو علیؑ سے دوستی رکھتی ہوں، تو یہ اس لئے ہے کہ وہ لوگوں کے درمیان عدالت کی رعایت کرتے ہیں اور بیت المال کو مساوی تقسیم کرتے ہیں اور جو تم سے متنفر ہوں، اس لئے ہے کہ تم ایک ایسے شخص سے نبرد آزما ہو کہ وہ خلافت کیلئے تم سے زیادہ سزاوار ہے، اور جس چیز کا مطالبہ کرتے ہو اس کے حقدار نہیں ہو۔ اور علیؑ کو اس لئے دوست رکھتی ہوں کہ رسول خداؐ نے غدیر خم میں ان کی ولایت کا اعلان کیا اور تم بھی وہاں حاضر تھے۔ وہ مفلس و ناداروں اور دیانتداروں کو دوست رکھتے ہیں۔ لیکن تم معاویہ! خونریزی کرتے ہو اور تفرقہ پھیلاتے ہو۔ فیصلہ سنانے میں ظلم کرتے ہو اور ہوا و ہوس کی بنیادوں پر فیصلہ کرتے ہو"۔

۱۵۔ اموی خلیفہ عمر ابن عبد العزیز کا استدلال

ابو نعیم اصفہانی "حلیۃ الاولیاء" ج ۵ صفحہ ۳۶۴ پر روای سے نقل کرتے ہیں:

"جس وقت خلیفہ بخشش وعطا کر رہا تھا، میں شام میں تھا۔ میں آگے بڑھا۔ عمر بن عبد العزیز نے مجھ سے پوچھا: تم کون ہو؟

میں نے کہا: قریش سے ہوں۔

اس نے کہا: کس خاندان سے ہو؟

میں نے کہا: بنی ہاشم سے ہوں۔

تھوڑا سوچنے کے بعد اس نے پوچھا: بنی ہاشم کے کن افراد میں سے ہو؟

میں نے کہا؛ دوستان وغلامان علیؑ سے ہوں۔

سوال کیا: کون علیؑ ؟ تھوڑا خاموش رہنے کے بعد اس نے ہاتھ کو اپنے سینہ پر مار کر کہا: خدا کی قسم میں بھی علی ابن ابیطالب کرم اللہ وجہ کا غلام ہوں. اس کے بعد کہا؛ بعض لوگوں نے میرے پاس یہ حدیث نقل کی ہے کہ پیغمبر خداؐ نے علی کے بارے میں فرمایا ہے: **من کنت مولاہ فعلی مولاہ** اس کے بعد اپنے غلام مزاحم کی طرف مخاطب ہو کر پوچھا؛ ان جیسے افراد کو کتنی بخشش دیتے ہو؟ اس نے جواب دیا: ایک سو یا دو سو درہم۔

خلیفہ نے کہا: اسے پچاس دینار دیدو۔

ابن داؤد کہتا ہے: خلیفہ نے حکم دیا تا کہ علیؑ کی دوستی کی وجہ سے اسے ساٹھ دینار عطا کئے جائیں۔

نتیجہ

تاریخ کی ورق گردانی سے ایسے دلائل وشواہد اس سے کہیں زیادہ ملتے ہیں جو ہم نے اوپر ذکر کئے ہیں۔ ان واقعات سے اس طرح استفادہ کیا جاسکتا ہے کہ غدیر خم کا واقعہ مسلمانوں کی تاریخ وزندگی سے مربوط ایک اہم اور معروف واقعہ ہے۔ جولوگ اس واقعہ سے باخبر تھے اسے آنیوالی نسلوں کیلئے دست بہ دست اور سینہ بہ سینہ منتقل کرتے تھے اور جب کبھی مناسب موقع ملتایا شرائط مہیا ہوتے تو اس کا ذکر کرتے تھے اور استدلال واحتجاج کرتے تھے۔

ان نمونوں کے ذکر کا دوسرا فائدہ یہ ہے کہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ غدیر کے واقعہ کی شہرت کسی خاص گروہ یا کسی خاص علاقہ تک محدود نہ تھی بلکہ مختلف اقوام اور مختلف علاقوں کے مسلمان اس سے آگاہ تھے اور تمام لوگوں کے ہاں یہ واقعہ مشہور اور معروف تھا۔ اسلئے ہم دیکھتے ہیں معاویہ کے دربار شام میں، کوفہ کے رحبہ میں، اموی خلیفہ کے پاس، حج میں بنی کنانہ کی ایک خاتون، کوفہ کا ایک جوان، مسافروں میں سے کئی سوار، مہاجرین وانصار وغیرہ کے ذریعہ اس واقعہ کا بیان اس امر کا واضح ثبوت ہے کہ واقعۂ غدیر ایک وسیع اور شہرۂ آفاق روئیداد ہے۔

گیارہویں فصل:

واقعۂ غدیر خم
کی
حدیث کے صحیح ہونے کی تائید

حدیث غدیر کی خصوصی کیفیت اور اس سے متعلق خاص حالات شرائط ہر محقق اور مفکر کو اس کی سند پر بحث کرنے سے بے نیاز بنا دیتے ہیں۔ اس کا صحیح ہونا نا قابل انکار ہے اور اس کی ضرورت ہی نہیں کہ اس کی صحت کیلیے استدلال و گواہی پیش کی جائے۔ اور کیوں ایسا نہ ہو جب کہ اس کے اہم رجال اور راوی بخاری و مسلم کی نظر میں مورد وثوق و اعتماد ہوں۔ اکثر مؤلفین نے اپنی حدیث، تاریخ، تفسیر اور کلام کی کتابوں میں اسے درج کیا ہے، حتی بعض مصنفین نے اس موضوع پر مستقل کتابیں لکھی ہیں۔ لہذا کوئی بھی ضدی شخص اس حدیث کے تواتر سے انکار نہیں کر سکتا۔ کیا یہ ممکن ہے کہ واقعہ غدیر جیسی مسلم اور ثابت حقیقت سے انکار کیا جائے؟ کیا یہ ممکن ہے روز روشن میں آفتاب سے انکار کیا جائے؟! حقیقت میں اس بحث سے ہمارا مقصد یہ ثابت کرنا ہے کہ مخالف وموافق دونوں نے عمومی طور سے اس کی سند کے صحیح ہونے کی تائید کی ہے کہ اگر کوئی اس کا منکر

ہو جائے تو گویا سیدھے راستے اور مسلم حقیقت سے بھٹک گیا ہے۔

اب ہم امت اسلامیہ کے چند بزرگ و نامور شخصیتوں کا ذیل میں ذکر کرتے ہیں جنہوں نے حدیث غدیر کی سند کے صحیح ہونے کی صراحت فرمائی ہے:

۱۔حافظ ابوعیسی ترمذی (وفات ۲۷۹ھ)

اپنی صحیح کی ج ۲، ۲۹۸ پر حدیث غدیر کو بیان کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

"ھذا حدیث حسن صحیح" یہ حدیث حسن اور صحیح ہے"

۲۔حافظ ابو جعفر طحاوی (وفات ۳۲۱ھ) نے "مشکل الآ ثار" کے ج ۲، ص ۳۰۸ پر حدیث غدیر کو صحیح حدیث کے طور پر درج کیا ہے اور کہا ہے کہ حدیث غدیر میں کسی قسم کا کھوٹ نہیں ہے"

۳۔ابو عبداللہ محاملی بغدادی (وفات ۳۳۰ھ) نے

اپنی "امالی" میں حدیث غدیر کو صحیح حدیث کے طور پر درج کیا ہے۔

۴۔ابو محمد عاصمی نے:

کتاب "زین الفتیٰ" میں لکھا ہے کہ پیغمبرؐ خدا نے فرمایا :

من کنت مولاہ فعلی مولاہ

اس حدیث کو امت اسلامیہ نے قبول کیا ہے اور یہ حدیث قواعد واصول کے مطابق ہے"

۵۔ابو عبداللہ حاکم (وفات ۴۰۵ھ) نے:

"مستدرک" میں چند طریقوں سے حدیث غدری کو ذکر کیا ہے اور اس کے صحیح ہونے کی تائید کی ہے"۔

۶۔حافظ ابن عبدالبر قرطبی (وفات ۴۶۳ھ) نے:

"استیعاب" کے ج ۲ صفحہ ۳۷۳ پر حدیث مواخات (برادری) حدیث "رایت" و "غدیر" کو بیان کرنے کے بعد لکھتا ہے:

''یہ احادیث ثابت اور صحیح ہیں''

۷۔ابن مغازلی شافعی (وفات ۴۸۳ھ) نے:

اپنی ''مناقب'' میں اپنے استاد ابوالقاسم فضل بن محمد اصفہانی سے نقل کیا ہے کہ: حدیث غدیر صحیح ہے اور تقریباً ۱۰۰ افراد نے من جملہ عشرۂ مبشرہ نے اس کی روایت کی ہے اور یہ حدیث ثابت ہے۔ میں اس میں کسی قسم کا ضعف نہیں پاتا ہوں اور یہ ایسی فضیلت ہے کہ اس میں علیؑ کا کوئی شریک نہیں ہے''

۸۔ابو حامد غزالی (وفات ۵۱۵ھ) نے:

''سر العالمین'' کے صفحہ ۹ پر اپنی حجت کو واضح کرتے ہوئے لکھا ہے کہ: ''جب غدیر کے دن پیغمبر خدا نے فرمایا: '' من کنت مولاہ فعلی مولاہ ''تو عمر نے کہا بخ بخ تمام لوگوں نے اس حدیث کے متن پر اتفاق کیا ہے''

۹۔حافظ ابن جوزی حنبلی (وفات ۵۹۷ھ) نے:

''مناقب'' میں لکھا ہے: سیرت اور تاریخ کے علماء واقعہ غدیر پر اتفاق نظر رکھتے ہیں کہ پیغمبر اسلامؐ کی حج سے واپسی پر ۱۸ ذی الحجہ کو اس واقعہ کے دن ایک لاکھ بیس ہزار اصحاب و اعراب نے جو آنحضرتؐ کے ہمراہ تھے، نے آنحضرتؐ سے اس حدیث کو سنا اور شاعروں نے اس واقعہ کے بارے میں بہت سے اشعار کہے ہیں''۔

۱۰۔ابوالمظفر سبط ابن جوزی حنفی (وفات ۶۵۴ھ) نے:

''تذکرہ'' ص ۱۸ پر حدیث غدیر کی ابتداء و انتہا اور علیؑ کو عمر کی مبارکبادی کو چند طریقوں سے ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے: ان تمام روایات کو احمد بن حنبل نے ''فضائل'' میں اضافے کے ساتھ روایت کیا ہے۔

اس کے بعد لکھا ہے: عمر کے قول کے بارے میں جو روایت ہوئی ہے کہ انہوں نے کہا:

''اصبحت مولای و مولا کل مؤمن و مؤمنة'' صحیح ہے۔علمائے تاریخ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ واقعۂ غدیر، پیغمبر اسلامؐ کی حجۃ الوداع سے واپسی پر ۱۸ ذی الحجہ کو واقع ہوا ہے۔

آنحضرتؐ کے ہمراہ اس وقت ایک لاکھ بیس ہزار صحابی تھے۔آنحضرتؐ نے پوری وضاحت کے ساتھ صاف الفاظ میں فرمایا ہے:''من کنت مولاہ فعلیؑ مولاہ . . . .''

۱۱۔ابن ابی الحدید معتزلی (وفات ۶۵۵ھ) نے:

''شرح نہج البلاغہ'' کی جلد ۲ ص ۴۴۹ پر حدیث غدیر اور مبارکباد کو علی ابن ابیطالبؑ کی مشہور فضیلت کے طور پر بیان کیا ہے''۔

اس کے علاوہ صفحہ ۱۴۸ پر لکھا ہے: شوریٰ کے دن امیر المؤمنینؑ کا استدلال و استشہاد جو حدیث غدیر پر مشتمل ہے فائدہ بخش ہے۔

۱۲۔حافظ ابوعبداللہ گنجی شافعی (وفات ۶۵۸ھ) نے

''کفایۃ الطالب'' میں حدیث غدیر کو احمد سے روایت کرنے کے بعد لکھا ہے ''احمد نے مسند میں اسی طرح روایت کی ہے اور تمہارے لئے ایک روای کی روایت کافی ہے جبکہ احمد جیسے امام نے اس حدیث کے کئی طرق جمع کئے ہیں''۔حافظ گنجی شافعی نے اس حدیث کو جامع ترمذی کے طرق سے روایت کرنے کے بعد لکھا ہے: دارقطنی نے حدیث غدیر کے طرق کو ایک جلد میں جمع کیا ہے اور حافظ ابن عقدہ کوفی نے ایک مستقل کتاب اس سلسلے میں مرتب کی ہے۔

اہل سیرت اور تاریخ نے واقعۂ غدیر کی روایت کی ہے اور محدث شامی نے اپنی کتاب میں حدیث غدیر کو مختلف طرق سے اصحاب و تابعین سے ذکر کیا ہے اور مشائخ و اساتید نے مجھے اس کی اطلاع دی ہے۔

حافظ گنجی نے ص ۷ ا پر اس حدیث کو اسناد کے ساتھ محاملی سے روایت کرتے ہوئے آخر میں لکھا ہے: ''یہ حدیث مشہور و حسن ہے اور اس کے راوی ثقہ ہیں اور یہ اسناد ایک دوسرے کی

معاونت کرتے ہیں اور اسے حجت اور نقل کو صحیح قرار دیتے ہیں''

۱۳۔ ابوالمکارم علاء الدین سمنانی (وفات ۷۳۶ھ) نے:

''عروۃ الوثقی'' میں لکھا ہے''.... اور حجۃ الوداع کے بعد غدیر خم میں بہت سے مہاجرین اور انصار کے سامنے آنحضرتؐ نے جبکہ علیؑ کے کندھے کو ہاتھ سے پکڑے ہوئے تھے فرمایا:'' من کنت مولاہ فعلی مولاہ . . . '' یہ ایک ایسی حدیث ہے جس کے صحیح ہونے پر سب کو اتفاق ہے۔ پس علیؑ سید اولیاء ہوئے اور ان کا قلب محمدؐ کے قلب پر قرار پایا''

۱۴۔ شمس الدین ذہبی شافعی (وفات ۷۴۸ھ)

اس نے حدیث غدیر پر مستقل ایک کتاب لکھی ہے اور المستدرک کے خلاصہ میں ان کے مختلف طرق ذکر کئے ہیں ان میں سے کئی ایک طرق کو صحیح جانا ہے اور صدر حدیث کو متواتر بتایا ہے۔

۱۵۔ ابن کثیر شافعی دمشقی (وفات ۷۷۴ھ) نے:

اپنی تاریخ کی جلد ۵۔ ص ۲۰۹ پر حدیث غدیر کے صحیح ہونے اور اس کی سند اچھی اور درست ہونے کو بعض افراد جیسے ذہبی۔ احمد۔ و ترمذی وغیرہ سے نقل کیا ہے۔

۱۶۔ حافظ نور الدین ہیثمی (وفات ۸۰۷ھ) نے:

''مجمع الزوائد'' ج ۹ ص ۱۰۴ و ۱۰۹ میں ''حدیث رکبان'' کو احمد و طبرانی سے نقل کرنے کے بعد لکھا ہے: احمد کی سند کے رجال ثقہ ہیں اور حدیث ''احتجاج و استشہاد'' کو احمد ابی طفیل سے روایت کرتے ہوئے لکھا ہے۔''اس کے رجال صحیح ہیں بجز فطر، کہ وہ بھی ثقہ ہے''

۱۷۔ شمس الدین جزری شافعی (وفات ۸۳۳ھ)

انہوں نے حدیث غدیر کو اسی (۸۰) طرق سے ذکر کیا ہے اور اس سلسلے میں ''اسنی المطالب'' کے عنوان سے ایک کتاب بھی لکھی ہے۔ حدیث غدیر کو پیغمبرؐ سے ارسال مسلّم کی حیثیت سے جانا

ہے اور امیر المؤمنینؑ کے استدلال کو صحیح اور حسن طریقے سے ذکر کیا ہے اور اسی طرح اصل نقل کو پیغمبر اسلامؐ اور علیؑ سے متواتر ذکر کیا ہے۔

۱۸۔ حافظ ابن حجر عسقلانی (وفات ۸۵۲ھ) نے:

''تہذیب التہذیب'' میں چند جگہ من جملہ ج ۷ ص ۳۳۷ پر کئی طریقوں سے اس کو ذکر کیا ہے اور حدیث: ''من کنت مولاہ فعلی مولاہ '' کو ترمذی اور نسائی نے نقل کیا ہے اور حقیقتاً یہ حدیث فراوان طرق واسناد کی حامل ہے حتی ابن عقدۃ نے ان طرق کو ایک مستقل کتاب میں جمع کیا ہے اور اس کے بہت سے اسناد صحیح اور حسن ہیں اور ہم نے احمد سے روایت کی ہے کہ اس نے کہا: جو چیزیں علیؑ کے فضائل میں ہم تک پہونچی ہیں نہ کسی اور صحابی کے بارے میں وارد ہوئی ہیں اور نہ ہم تک پہنچی ہیں۔

۱۹۔ ابوالخیر شیرازی شافعی نے:

''ابطال باطل'' میں لکھا ہے؛ اور یہ جو روایت ہوئی ہے کہ رسول خداؐ نے غدیر خم کے دن جب آپ علیؑ کا ہاتھ پکڑے ہوئے تھے فرمایا الست اولی . . . ثابت اور صحیح احادیث میں سے ہے''

۲۰۔ حافظ جلال الدین سیوطی (وفات ۹۱۱ھ) نے:

لکھا ہے: ''حدیث غدیر متواتر ہے۔ اور بہت سے متاخرین نے یہ چیز ان سے نقل کی ہے''

۲۱۔ حافظ ابوالعباس شہاب الدین قسطلانی (وفات ۹۲۳ھ) نے:

''المواہب اللدنیۃ'' ج ۷، ص ۱۳ پر لکھا ہے: اور ترمذی اور نسائی کی حدیث '' من کنت مولاہ فعلی مولاہ '' پس شافعی نے کہا ہے کہ ولایت سے مراد اسلام ہے جیسے قول خدائے تعالیٰ ﴿ذلک بان اللہ مولی الذین آمنوا و ان الکافرین لا مولی لھم﴾ اور قول عمر: '' اصبحت مولی کل مؤمن '' یعنی آپ ہر مؤمن کے مولا ہوئے۔

اس حدیث کے طرق یقیناً زیادہ ہیں اور ابن عقدہ نے انھیں الگ سے ایک کتاب میں اکٹھا کیا ہے اور اس کے بہت سے اسناد صحیح و حسن ہیں''

۲۲۔ابن حجر ہیثمی مکی (وفات ۹۷۴ھ) نے:

''الصواعق المحرقۃ کے ''صفحہ ۲۵ پر شیعوں کے استدلال کو رد کرتے ہوئے لکھا ہے: ''یہ حدیث صحیح ہے اور اس میں کسی قسم کا شک و شبہہ نہیں ہے اور ایک جماعت نے جیسے ترمذی، نسائی اور احمد نے اس کی روایت کی ہے اور اس حدیث کے طرق یقیناً بہت ہیں....''

احمد کی روایت میں آیا ہے کہ تیس اصحاب نے اس کو پیغمبر اکرمؐ سے سنا ہے اور جب حضرت علیؑ کی خلافت جھگڑے کا باعث بنی تو انہوں نے علیؑ کے حق میں گواہی دی۔ اس حدیث کے بہت سے طرق صحیح و حسن ہیں۔ اگر کوئی اس کے صحیح ہونے پر معترض ہو تو اس کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔...''

۲۳۔جمال الدین حسینی شیرازی (وفات ۱۰۰۰ھ) نے:

کتاب ''اربعین'' میں حدیث غدیر اور واقعہ غدیر کے سلسلے میں اور نزول آیہ'' سأل سائل'' کے ذکر کے بعد لکھا ہے: ''اصل حدیث غدیر (نہ قصہٴ حارث) امیر المؤمنین اور خود رسول خداؐ سے متواتر ہے۔ صحابیوں کی ایک بڑی تعداد نے اس کی روایت کی ہے''۔

۲۴۔ابو المحاسن صلاح الدین حنفی (وفات ...ہجری) نے:

''المعتصر من المختصر'' ص ۲۱۳ پر واقعہ رحبہٴ کوفہ کو علیؑ سے نقل کرتے ہوئے اس کے ضمن میں حدیث غدیر کو صحیح حدیث تعبیر کیا ہے۔

۲۵۔شیخ قاری حنفی (وفات ۱۰۱۴ھ) نے:

''مرقاۃ شرح المشکاۃ'' ج ۵ ص ۵۶۸ میں چند گونا گون طریقوں سے حدیث غدیر کو نقل کرنے کے بعد لکھا ہے: حدیث غدیر ایک صحیح حدیث ہے کسی قسم کا شبہ اس میں نہیں ہے بلکہ بعض حفاظ نے اسے متواتر بتایا ہے۔

۲۶۔ زین الدین مناوی شافعی (وفات ۱۰۳۱ھ) نے:

''فیض القدیر'' ج ۶ ص ۲۱۸ میں لکھا ہے: ''ابن حجر نے حدیث غدیر کے بارے میں لکھا ہے کہ: اس حدیث کے بہت سے طرق ہیں جنھیں ابن عقدۃ نے ایک مستقل کتاب میں اکٹھا کیا ہے ان میں سے بعض صحیح اور بعض حسن ہیں...''

۲۷۔ نورالدین حلبی شافعی (وفات ۱۰۴۴ھ) نے:

''سیرۂ حلبیہ'' ج ۳/ص ۳۰۲ میں اسی ابن حجر کی بات کو نقل کیا ہے کہ حدیث غدیر کے بہت سے طرق ہیں اور ان کی ایک بڑی تعداد صحیح اور حسن ہے اور اگر کسی کو ان کے صحیح ہونے پر اعتراض ہو تو اس کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔

۲۸۔ باکثیر مکی، شافعی (وفات ۱۰۴۷ھ) نے:

" وسیلة المآل فی مناقب الآل " میں حدیث غدیر چند اصحاب سے نقل کرنے کے بعد لکھتا ہے: ''اس حدیث کو بزاز نے صحیح رجال سے فطر ابن خلیفہ سے روایت کیا ہے اور خود فطر ثقہ ہیں... حدیث غدیر خم ایک صحیح حدیث ہے اس میں کسی قسم کا شک وشبہہ نہیں ہے اور ایک بڑی جماعت سے روایت ہوئی ہے جیسا کہ ظاہر ہے اس کے بعد انہوں نے ابن حجر کے اسی نظریہ کو نقل کیا ہے کہ اس حدیث کے بہت طرق ہیں اور ان کی ایک بڑی تعداد صحیح و حسن ہیں...''

۲۹۔ دھلوی بخاری (وفات ۱۰۵۲ھ) نے:

''شرح مشکوۃ'' میں لکھا ہے: ''یہ حدیث بلاشبہہ صحیح ہے اور ترمذی، نسائی اور احمد جیسوں نے اس کی روایت کی ہے''

۳۰۔ شیخانی قادری مدنی نے

''الصراط السوی'' میں لکھا ہے: ''اور اُن احادیث صحیح میں جو رسول اللہؐ سے وارد ہوئی ہیں،

علیؑ کے بارے میں قول رسول اللہ: ''من کنت مولاہ فعلی مولاہ'' ہے۔ ترمذی، نسائی اور امام احمد وغیرہ نے اس کی روایت کی ہے اور بہت سی احادیث صحیح کو بخاری و مسلم نے اپنی کتابوں میں ذکر کیا ہے۔!!''

۳۱۔سید محمد برزنجی شافعی (وفات ۱۱۰۳ھ) نے:

''النواقض'' میں لکھا ہے: حدیث غدیر کا یہ حصہ ''من کنت مولاہ فعلی مولاہ'' صحیح احادیث میں سے ہے یہ بہت سے طرق سے روایت ہوئی ہے۔

۳۲۔ضیاء الدین مقبلی (وفات ۱۱۰۸ھ) نے:

کتاب ''الابحاث المسددۃ'' میں حدیث غدیر کو حدیث متواترہ کے طور پر ذکر کیا ہے کہ وقوع کے علم کا سبب ہے۔

۳۳۔شیخ محمد صدر العالم نے:

کتاب ''معارج العُلی فی مناقب المرتضی'' میں لکھا ہے: ''جان لو کہ حدیث ''مولاۃ'' سیوطی کے ہاں متواتر ہے، جیسے کہ ''قطف الأزہار'' میں اسے ذکر کیا ہے اور میں چاہتا ہوں اس کے طرق کو بیان کروں تا کہ اس کا تواتر واضح ہو جائے''۔ اس کے بعد انہوں نے دسیوں علماء و محدثین سے اسے نقل کیا ہے۔

۳۴۔ابن حمزہ حرّانی دمشقی (وفات ۱۱۲۰ھ) نے:

حدیث غدیر کو کتاب ''البیان والتعریف، ج ۲، ص ۱۳۶ و ۲۳۰ میں ترمذی، نسائی، طبرانی حاکم اور ضیاء مقدسی سے نقل کیا ہے اس کے بعد لکھا ہے: ''سیوطی نے کہا ہے کہ حدیث غدیر صحیح ہے۔''

۳۵۔ابو عبد اللہ زرقانی مالکی (وفات ۱۱۲۲ھ) نے:

کتاب ''شرح المواھب''، ج ۷، ص ۱۳ میں حدیث غدیر کے اسناد کو صحیح جانا ہے اور اس کی

روایت کو احمد سے نقل کیا ہے اور انہوں نے لکھا ہے کہ تیس اصحاب نے اس حدیث کو رسول خداؐ سے سنا ہے۔"

۳۶۔ شہاب الدین شافعی (بارہویں صدی ہجری کا ایک شاعر جس نے غدیر پر شعر کہے ہیں) نے کتاب "ذخیرۃ الاعمال" میں لکھا ہے کہ:

حدیث غدیر صحیح ہے اور اس میں کسی قسم کا شک نہیں ہے۔ ترمذی، نسائی واحمدی نے اسکو بیان کیا ہے اور اسکے بہت سے طرق ہیں۔"

۳۷۔ میرزا محمد بدخشی نے:

"نزل الأبرار"، ص۲۱ میں لکھا ہے: "حدیث غدیر ایک صحیح اور مشہور حدیث ہے اور کسی نے اس کے صحیح ہونے میں شک نہیں کیا ہے مگر یہ کہ کوئی متعصب وضدی ہو، ایسے افراد کا کوئی اعتبار ہی نہیں ہے۔ بے شک اس حدیث کے بہت سے طرق ہیں، ابن عقدۃ نے ایک مستقل کتاب میں ان کو اکٹھا کیا ہے اور ذہبی نے اس کے بہت سے طرق کو واضح الفاظ میں صحیح ذکر کیا ہے اور صحابیوں کی ایک بڑی جماعت نے اس حدیث کی روایت کی ہے۔"

۳۸۔ مفتی شم عمادی حنفی (وفات ۱۱۷۱ھ) نے:

کتاب "الصلوۃ الفاخرہ" ص۴۹ میں حدیث غدیر کو احادیث متواترہ کے طور پر پیش کیا ہے۔

۳۹۔ ابو عرفان صبان شافعی (وفات ۱۲۰۶ھ) نے:

"اسعاف الراغبین" میں روایت غدیر نقل کرنے کے بعد لکھا ہے: "اسے اصحاب رسول خداؐ میں سے تیس افراد نے نقل کیا ہے اور اس کے بہت سے طرق صحیح یا حسن ہیں۔"

۴۰۔ سید محمد آلوسی بغدادی (وفات ۱۲۷۰ھ) نے:

"روح المعانی"، ج۲، ص۲۴۹ میں لکھا ہے: ہاں یہ پہلے ثابت ہو چکا ہے کہ رسول خداؐ نے امیر المومنینؑ کے حق میں غدیر خم میں فرمایا: "من کنت مولاہ فعلی مولاہ..." اور

ج۲،ص۳۵۰ میں ذہبی سے اس حدیث کے صحیح ہونے کو نقل کیا ہے اور پھر ذہبی سے ہی نقل کیا ہے کہ اس نے کہا حدیث: "من کنت مولاہ ..." مواتر ہے کہ بے شک رسول خداؐ نے یہ فرمایا ہے اور "اللھم وال من والاہ" کے اسناد قوی ہیں۔"

۴۱۔شیخ محمد حوت بیروتی شافعی (وفات ۱۲۷۶ھ):

وہ کہتے ہیں: "حدیث: "من کنت مولاہ فعلی مولاہ "کو ابو داؤد کے علاوہ اصحاب سنن اور احمد نے اس کی روایت کی ہے اور اسے صحیح جانا ہے۔"

۴۲۔مولوی ولی اللہ نے:

"مرآۃ المؤمنین" میں حدیث غدیر کو چند طرق سے ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے: "یہ حدیث صحیح ہے اور اس کے بہت سے طرق ہیں اور اگر کسی نے اس میں شک کیا ہے تو وہ اسکی خطا ہے کیونکہ علماء کی ایک بڑی تعداد جس میں ترمذی و نسائی نے اس کو اپنی کتابوں میں ذکر کیا ہے اور صحابیوں کی ایک جماعت نے اسکی روایت کی ہے اور علیؑ کے حق میں اس کی گواہی دی ہے۔"

۴۳۔شہاب الدین خضری (ہمارے ہمعصر) نے:

کتاب " تشنیف الأذان "،ص۷۷ میں لکھا ہے: "اور حدیث "من کنت مولاہ فعلی مولاہ " کا رسول خداؐ سے ہونا متواتر ہے اور تقریبا ۶۰ افراد نے اسکی روایت کی ہے اگر ان سب کے اسناد لکھنے بیٹھیں تو طولانی ہوگا....لیکن اگر جو کوئی اس کے اسناد و طرق سے آگاہی حاصل کرنا چاہے، تو وہ ہماری کتاب جو "متواتر" کے موضوع پر ہے، کا مطالعہ فرمائے۔

نتیجہ

جو کچھ بیان ہوا اس سے یہ نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ اہل سنت والجماعت کے علماء، ماہرین فن اور نامور شخصیات نے حدیث غدیر کو متواتر، صحیح اور ثابت کے طور پر ذکر کیا ہے۔اب ہم چند ایک گذشتہ عبارتوں پر ایک بار پھر نگاہ ڈالتے ہیں تاکہ ان پر مزید غور کریں:

''رواه بمأتي و خمسين طريقاً''.

''حديثاً يبلغ هذا المبلغ من الثبوت واليقين و التواتر''

''نسب منكره الى الجهل''.

''ان لم يكن معلوماً فمافى الدين معلوم''.

''تلقّته الأمة بالقبول و هو موافق بالاصول''.

''اجمع الجمهورعلى متنه''.

''اتّفق عليه جمهور اهل السنة''.

''حديث صحيح مشهور ولم يتكلم فى صحة الاّمتعصب جاحد لااعتبار بقوله''.

''انّه حديث متفق على صحته''.

''وانّ صدر ه متواتر يتيقّن انّ رسول الله قاله''

''انه حديث صحيح قد اخطأ من تكلّم فى صحتّه''.

''انه حديث مشهور كثير الطرف جداً''.

''نعم ثبت عندناانه ًقاله فى حق علی ٍ''

''حديث صحيح لامرية فيه''.

''انه متواتر عن النبیؐ ومتواتر عن اميرالمُو منين ايضاً''.

''رواه الجمّ الغفير''.

''ولاعبرة بمن حاول تضعيفه ممن لااطّلا ع له فى هذالعلم''

''انه متواتر لايلتفت الى من قدح فى صحته''.

''حديث صحيح ثابت لااعراف له علّة و غير ذلك''.

بارہویں فصل:

روداد غدیر اور کتابیں

غدیر کا واقعہ بہت سے نقل و روایات اور وسعت اور شہرت نیز، تاریخ، تفسیر، حدیث وغیرہ کی کتابوں اور، اصحاب وتابعین، اور شعر وادب کے ذریعہ اظہر من الشمس ہے اور امت اسلامیہ کی ایک متواتر اور مسلّم حدیث وخبر کی حیثیت سے ثابت ہو چکا ہے۔ اس کے باوجود بعض کتابوں اور تحریروں میں اسے مبہم بنانے یا اس میں شبہہ پیدا کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔

اس لئے علامہ امینیؒ نے ''نقد و اصلاح'' کے عنوان کے تحت ایسی کتابوں کا جائزہ لیا ہے جن میں، افسوس ہے کہ صداقت و امانتداری اور قلم کے تقدس کی رعایت کرنے کے بجائے ہوا و ہوس کے فریب میں آ کر مکتب اہل بیتؑ کے حقائق کی تحریف کی گئی ہے اور مظلوم اہل بیت اطہارؑ اور ان کے مظلوم پیروؤں کے خلاف وسیع پیمانے پر تہمتیں اور افتراء پردازیاں کی گئی ہیں۔

یہ کتابیں بجائے اس کے کہ امت اسلامیہ کے اتحاد و اتفاق کی سیسہ پلائی ہوئی دیوار کو مضبوط اور مستحکم کریں اور امتِ قرآن کی عظمت و قرآن کی عظمت و شوکت کو تقویت بخشیں، افسوس ہے کہ امت مسلمہ میں فتنہ انگیزی اور تفرقہ کا سبب بنی ہیں۔ اس سلسلے میں ان کتابوں میں کسی بھی قسم کے جھوٹ، تہمت، تحریف اور فریب سے دریغ نہیں کیا گیا ہے۔

لہذا علامہ امینی نے ایسی کتابوں کا بغور جائزہ لیا ہے اور ایک ایک کر کے تنقید کرتے ہوئے ان تمام تہمتوں، تحریفوں اور تفرقہ انگیزوں سے پردہ اٹھا کر حق کی متلاشی نسلوں کے لئے حقائق روشن کر دیئے ہیں۔ایسی چند کتابیں اور ان میں موجود تہمتوں اور افتراء پردازیوں کے نمونے حسب ذیل ہیں:

ا۔ابن تیمیّہ کی منہاج السنۃ[1]

علامہ امینی: کہتے ہیں کہ ''اگر تم کسی کتاب کو دیکھنا چاہتے ہو جو اس کے نام وموضوع کے بر عکس ہو تو وہ ابن تیمیّہ کی ''منہاج السنۃ'' ہے۔

حقیقت میں یہ کتاب اس بات کی سزاوار ہے کہ اس کا نام ''منہاج بدعت'' رکھا جائے۔یہ ایک ایسی کتاب ہے جو ضلالت، جھوٹ، مسلمات کے انکار، تکفیر مسلمین اور اہل بیتؑ کی دشمنی سے بھری پڑی ہے۔اس کتاب کے مؤلف نے اس میں حقائق کی تحریف کی ہے۔بدگوئی اور ناروا باتوں سے کام لیا ہے۔اس کے مطالب کا ایک نمونہ ملاحظہ ہو:

ا۔ابن تیمیہ نے لکھا ہے: ''شیعوں کی بیوقوفیوں میں سے ایک یہ ہے کہ وہ ''عدد ۱۰'' کو کراہت کے ساتھ زبان پر جاری کرتے ہیں۔حتی عمارتیں وغیرہ بھی دس ستونوں کی تعمیر نہیں کرتے ہیں'' ج ۲، ص ۱۴۳ میں لکھا ہے: شیعہ ''عدد ۱۰'' کو زبان پر جاری نہیں کرتے بلکہ کہتے ہیں نو ۹ اور ایک (مثلاً دس تومان کے بجائے کہتے ہیں ۹ تومان اور ایک تومان)

جواب: کیا یہ ایسے شخص کے لئے شرم کی بات نہیں جو اپنے آپ کو شیخ الاسلام جانتا ہو اور اپنی کتاب میں ایسی چیزیں مسلمانوں کے لئے لکھے اور نشر کرے.؟!! اسے کتاب کے اندر مکرّر ذکر کرے اور اسے ایسے بیان کرے جیسے امت اسلامیہ کے لئے ایک تحقیق یا فلسفہ وعالی حکمت پیش کرتا ہو۔!!

ا۔ابن تیمیہ افکار وہابیت کا بانی ہے۔معاصر وہابی اسے شیخ الاسلام کہتے ہیں۔مزید تفصیلات کے لئے اسی کتاب کا صفحہ ۱۳۴ ملاحظہ ہو۔

قارئین کرام، حیرت کی بات یہ ہے کہ یہ شخص اپنے آپ کو صاحب علم وفضیلت بتاتے ہوئے ایسے سفید جھوٹ بولتا ہے۔ کیا کروڑوں شیعہ تمام دنیا میں زندگی بسر نہیں کرتے ہیں؟ کیا دنیا بھر کی لائبریریاں شیعوں کی کتابوں سے بھری پڑی نہیں ہیں؟ شیعوں میں کون شخص اور انکی کون سی کتاب اس مسخرہ پن کی تائید کرتی ہے؟

بلا شبہ شیعوں کے قرآن میں (وہی رسول خداؐ کا قرآن مجید جو تمام مسلمانوں کے ہاتھ میں ہے) درج ذیل آیات اور ان جیسی دیگر آیات موجود ہیں جن کی شب و روز تلاوت کی جاتی ہے:

﴿تلک عشرة كاملة﴾

﴿من جاء بالحسنة فله عشر امثالها﴾

﴿والفجر وليال عشر﴾

﴿فاتوا بعشر سور مثله﴾

یہ دعائے عشرات ہے جسے شیعہ ہر جمعہ کو پڑھتے ہیں۔

یہ مستحب نمازیں ہیں جن میں دس مرتبہ سورہ پڑھنے کا حکم دیا گیا ہے۔

اس کے علاوہ مختلف انداز میں شیعہ اس کلمہ کا استعمال کرتے ہیں:

''پیغمبروں کے نام دس ہیں''

''خدائے تعالی نے عقل کو دس چیزوں سے تقویت بخشی ہے''

''امام کے صفات میں دس عدد ہیں''

''علیؑ میں رسول خدا کی دس خصلتیں تھیں''

شیعہ کو دس خصلتوں کی بشارت دی گئی ہے''

''مکارم اخلاق کی دس خصلتیں ہیں''

''قیامت نہ آئے گی جب تک دس نشانیاں پوری نہیں ہوں گی''

مؤمن دس خصلتوں کے بغیر عاقل نہیں ہوسکتا ہے''

کھانے کی اشیاء میں سے دس چیزیں کھائی نہیں جاتی

''میت کی دس چیزیں پاک ہیں''

دس جگہوں پر نماز نہیں پڑھی جاسکتی ہے''

''ایمان کے دس درجے ہیں''

''دس خصلتوں میں عافیت ہے''

''زہد کے دس حصے ہیں''

شہرت کے دس حصے ہیں

برکت کی دس قسمیں ہیں

حیاء کے دس قسم ہیں

شیعہ میں دس صفتیں ہیں

اسلام کے دس حصے ہیں

مسواک کرنے میں دس خصلتیں ہیں

شیعوں کی تعمیرات، تاریخی عمارتیں اور آبادیاں سب کی سب زبان حال سے اس امر کی گواہ ہیں کہ ابن تیمیہ جھوٹا ہے اور شیعوں میں سے کوئی ایک فرد بھی ابن تیمیہ کے ان افسانوں کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکا ہے۔

اس کے علاوہ صرف عدد دس میں کیا ایسی خصوصیت ہے جو حبّ و بغض کا سبب بنے ؟!! کیا واقعاً دنیا میں آج تک کسی نے یہ سنا ہے کہ شیعہ دس کہنے کی جگہ پر نو اور ایک کہتے ہیں؟ خدا بچائے اس جہالت اور حماقت سے!!

۲۔ابن تیمیہ کہتا ہے: ''شیعوں کی حماقتوں میں سے ایک یہ ہے کہ انہوں نے منتظر کیلئے چند زیارتگاہیں مقرر کی ہیں اور وہاں پر اس کا انتظار کرتے ہیں جیسے سامرا کا سرداب اور دوسری جگہیں۔شیعوں نے خچر یا گھوڑا یا دوسری کوئی چیز (گدھے کے مانند) کو اس سرداب یا زیارت گاہ کے سامنے کھڑا کر رکھا ہے تا کہ جب منتظر ظہور کریں تو اس پر سوار ہو جائیں اور وقت بے وقت اسے پکارتے ہیں کہ باہر نکل۔حتی شیعوں کے درمیان ایسے افراد بھی پائے جاتے ہیں کہ جو اس ڈر سے نماز بھی نہیں پڑھتے ہیں کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ نماز میں مشغول ہوں اور منتظر ظہور کریں اور وہ نماز پڑھنے کی حالت میں ہوں اور منتظر کی خدمت کرنے سے محروم ہو جائیں۔لہذا ہمیشہ اور مسلسل حتیٰ نماز کے وقت بھی اس کا انتظار کرتے رہتے ہیں۔

وہ شیعہ جو منتظر کی زیارت گاہ سے دور جیسے مدینہ میں زندگی کرتے ہیں، ماہ رمضان کے آخری دس دنوں میں روبہ مشرق کھڑے ہو کر بلند آواز سے پکارتے ہیں: ''نکل آ''!

جواب: حقیقت میں حیف ہے کہ انسان اپنے وقت اور کتاب کو ایسی چیزوں سے آلودہ اور ملوث کرے۔یہ وہ پست اور شرمناک مطالب ہیں جنہوں نے ابن تیمیہ، اس کی کتاب بلکہ اس کی قوم (وہابیت) کو بھی روسیاہ کر کے رکھ دیا ہے۔لیکن اس ڈر سے کہ کہیں سادہ لوح انسان دنیا کے گوشہ وکنار میں ابن تیمیہ کے ان افسانوں، جھوٹ، توھمات سے متاثر نہ ہوں، میں مجبور ہوا کہ ان جھوٹ کے پلندوں اور افسانوں کو یہاں پر نقل کردوں[۱] اور اعلان کروں کہ یہ چیزیں صرف ابن تیمیہ کی خیالی دنیا کی پیداوار ہیں۔

۳۔ابن تیمیہ کہتا ہے: ''تمام علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اہل قبلہ کے تمام فرقوں میں شیعہ

۱۔وہابیوں کو چاہئے اس سٹیلائیٹ، اطلاع رسانی، انٹرنیٹ، فلمبرداری، اور ٹیلکس کے ترقی یافتہ زمانے میں اپنے شیخ الاسلام کی وفاداری میں اس کی کتاب ''منہاج السنۃ'' میں بیان کئے گئے گدھے اور خچر'' کی فلم اور انٹرویو کے ذریعہ تمام دنیا مین نشر کریں تا کہ وہابیت کے بانی اور ان کے شیخ الاسلام کی اس سے بیشتر آبروریزی نہ ہونے پائے۔

سب سے زیادہ جھوٹے ہیں حتیٰ صحاح کے مصنفوں جیسے بخاری نے، قدمائے شیعہ میں سے کسی ایک سے بھی روایت نہیں کی ہے''

جواب: ابن تیمیہ کا یہ فتویٰ کہ ''تمام علماء، شیعوں کے جھوٹے ہونے پر اتفاق رکھتے ہیں'' اس مطلب کی غمازی کرتا ہے کہ علماء اور دانشوروں نے اپنی کتابوں میں اس مسئلہ کے بارے میں کہ ''اہل قبلہ میں سے کون فرقہ سب سے زیادہ جھوٹ بولنے والا ہے''، مفصل بحث وتمحیص کی ہے اور نتیجہ نکالا ہے کہ ''شیعہ سب سے زیادہ جھوٹ بولنے والے ہیں'' اور جب اس اجماع علماء کی یہ بحث اختتام کو پہنچی تو صرف جناب ابن تیمیہ اس اجماع سے آگاہ ہوئے ہیں اور خوشی سے پھولے نہ سمائے اور خوشی سے رقص کرتے ہوئے یہ فتویٰ صادر کردیا ہے۔

حق یہ ہے کہ اس مرد (ابن تیمیہ) کی ہر کتاب اس کے جھوٹ اور لغو بیانی کی بہترین ناقابل انکار سند کی حیثیت رکھتی ہے اور ہمارے لئے بہترین دلیل اس کی اسی کتاب کا مطالعہ ہے تاکہ واضح ہوجائے کہ کون شخص اور کونسا فرقہ سب سے زیادہ جھوٹ بولنے والا ہے!!

ابن تیمیہ کے حیرت انگیز جھوٹ میں سے ایک یہ بھی ہے کہ لکھتا ہے: ''صاحبان صحاح نے شیعوں سے کوئی روایت نقل نہیں کی ہے''

جبکہ ہم دیکھتے ہیں کہ صحاح ستہ کے مصنفین نے بہت سے شیعہ اصحاب وتابعین سے روایات نقل کی ہیں اور اس قسم کے تقریباً ایک سو افراد ہیں جن میں سے بعض اشخاص بخاری، مسلم، نسائی اور ترمذی وغیرہ کے مشائخ واستاد بھی تھے اور انکے نام صحاح ستہ میں جگہ جگہ پر نظر آتے ہیں۔[1]

۴۔ ابن تیمیہ نے لکھا ہے: ''بعض جھوٹ بولنے والوں نے اس آیۂ شریفہ: ﴿انما ولیکم اللہ و رسولہ و الذین آمنوا الذین یقیمون الصلوۃ و یؤتون الزکاۃ و ھم

۱۔ الغدیر ج ۳ ص ۹۲ ملاحظہ ہو۔

راکعون﴾ کے بارے میں ایک حدیث جعل کی ہے اور کہا ہے کہ یہ آیہ علیؑ کے بارے میں نازل ہوئی ہے کیونکہ انہوں نے نماز کی حالت میں انگوٹھی صدقہ کے طور پر دی ہے۔ اس بات کے جھوٹ ہونے میں اہل علم کا اجماع ہے''۔[1]

جواب: سچ ہے جب انسان اتنا گر جائے کہ روشن اور ثابت حقائق کو نہ دیکھ سکے تو کیا کہا جائے؟!! انگوٹھی کو صدقہ کے طور پر دینے کے واقعہ کی روایت نامور علماء، ماہرین فن، اور حفاظ، جیسے امیر المؤمنینؑ، ابن عباس، ابوذر، عمار، جابر بن عبداللہ انصاری، اور ابورافع وغیرہ نے کی ہے، یہ کیسے جھوٹ ہوسکتا ہے؟!!

ابن تیمیہ کا ادعا ہے کہ ''یہ حدیث اہل علم کے اجماع کی بناء پر جھوٹ ہے'' یہاں پر ہم بعض محدثین، مؤرخین، ومفسرین کے نام ذکر کرتے ہیں جنہوں نے مذکورہ حدیث کو نقل کیا ہے اور ان میں سے ایک بڑی تعداد نے اس حدیث کو واضح اور صاف الفاظ میں صحیح اور حسن کہا ہے تاکہ یہ معلوم ہوجائے کہ کوئی اجماع نہیں تھا اور یہ خود جناب ابن تیمیہ کے جھوٹ کی پوٹ ہے۔

۱۔ واقدی (وفات ۲۰۷ھ)۔

۲۔ صنعانی (وفات ۲۱۱ھ)

۳۔ ابی شیبہ کوفی (وفات ۲۳۹ھ)

۴۔ ابوجعفر اسکافی (وفات ۲۴۰ھ)

۵۔ ابومحمد الکشی (وفات ۲۴۹ھ)

۶۔ ابوسعید کوفی (وفات ۲۵۷ھ)

۷۔ ابوعبدالرحمٰن نسائی (وفات ۳۰۳ھ)

۸۔ ابن جریر طبری (وفات ۳۱۰ھ)

۱۔ الغدیر، ج ۱ص ۱۵۶ ملاحظہ ہو۔

۹۔ابن ابی حاتم رازی (وفات ۳۲۷ھ)

۱۰۔ابوالقاسم طبرانی (وفات ۳۶۰ھ)

۱۱۔ابومحمد انصاری (وفات ۳۶۹ھ)

۱۲۔جصاص رازی (وفات ۳۷۰ھ)

۱۳۔زمانی ابن علی، (وفات ۳۸۴ھ)

۱۴۔حاکم نیشابوری (وفات ۴۰۵ھ)

۱۵۔ابوبکر شیرازی (وفات ۴۰۷ھ)

۱۶۔ابن مردویہ اصفہانی (وفات ۴۲۶ھ)

۱۷۔ثعلبی نیشابوری (وفات ۴۱۷ھ)

۱۸۔ابونعیم اصفہانی (وفات ۴۳۰ھ)

۱۹۔ماوردی فقیہ شامی (وفات ۴۵۰ھ)

۲۰۔ابوبکر بیہقی (وفات ۴۵۸ھ)

۲۱۔خطیب بغدادی (وفات ۴۶۳ھ)

۲۲۔ابن ھوازن نیشابوری (وفات ۴۶۵ھ)

۲۳۔واحدی نیشابوری (وفات ۴۶۸ھ)

۲۴۔ابن مغازلی شافعی (وفات ۴۸۳ھ)

۲۵۔ابو یوسف قزوینی (وفات ۴۸۸ھ)

۲۶۔حاکم حسکانی (وفات ۴۹۰ھ)

۲۷۔طبری شافعی (وفات ۵۰۴ھ)

۲۸۔فراء بغوی (وفات ۵۱۶ھ)

۲۹۔عبدری اندلسی (وفات ۵۳۵ھ)

۳۰۔جاراللہ زمخشری (وفات ۵۳۸ھ)

۳۱۔سمعانی شافعی (وفات ۵۶۲ھ)

۳۲۔ابوالفتح نطنزی (ولادت ۴۸۰ھ)

۳۳۔قرطبی (وفات ۵۶۷ھ)

۳۴۔اخطب خوارزمی (وفات ۵۶۸ھ)

۳۵۔ابن عساکر (وفات ۵۷۱ھ)

۳۶۔ابوالفرج ابن جوزی (وفات ۵۹۷ھ)

۳۷۔فخرالدین رازی (وفات ۶۰۶ھ)

۳۸۔ابن اثیر شیبانی خسروی (وفات ۶۰۶ھ)

۳۹۔ابن طلحہ شافعی (وفات ۶۶۲ھ)

۴۰۔سبط ابی جوزی (وفات ۶۵۴ھ)

۴۱۔ابن ابی الحدید (وفات ۶۵۵ھ)

۴۲۔گنجی شافعی (وفات ۶۵۸ھ)

۴۳۔بیضاوی شافعی (وفات ۶۸۵ھ)

۴۴۔محب الدین طبری (وفات ۷۰۱ھ)

۴۵۔نسفی (وفات ۷۰۱ھ)

۴۶۔شیخ الاسلام حموینی (وفات ۷۴۱ھ)

۴۷۔خازن بغدادی (وفات ۷۴۱ھ)

۴۸۔شمس الدین اصفہانی (وفات ۷۴۶ھ)

۴۹۔جمال الدین زرندی (وفات ۷۵۰ھ)

۵۰۔ابوحیان اندلسی (وفات ۷۵۴ھ)

۵۱۔احمد بن جزی کلبی (وفات ۷۵۸ھ)

۵۲۔قاضی ایجی (وفات ۷۵۶ھ)

۵۳۔نظام الدین نیشابوری

۵۴۔سعد الدین تفتازانی (وفات ۷۹۱ھ)

۵۵۔شریف جرجانی (وفات ۸۱۶ھ)

۵۶۔مولی قوشچی (وفات ۸۷۹ھ)

۵۷۔ابن صباغ مالکی (وفات ۸۵۵ھ)

۵۸۔جلال الدین سیوطی (وفات ۹۱۱ھ)

۵۹۔ابن حجر انصاری (وفات ۹۷۴ھ)

۶۰۔مولی حسن چلپی۔

۶۱۔مولی شیروانی۔

۶۲۔قاضی شوکانی (وفات ۱۲۵۰ھ)

۶۳۔شہاب الدین آلوسی (وفات ۱۲۷۰ھ)

۶۴۔شیخ سلیمان قندوزی (وفات ۱۲۹۳ھ)

۶۵۔سید مؤمن شبلنجی۔

۶۶۔شیخ عبدالقادر کردستانی (وفات ۱۳۰۴ھ)[۱]

۱۔بہتر یہ ہے کہ ابن تیمیہ اور اس کے پیروؤں (وہابیوں) سے پوچھا جائے کہ: وہ اجماع علماء کہاں ہے جسے آپ بتا چکے ہیں؟!! یا زمخشری، فخر رازی، طبری، نسائی، خطیب، جصاص، بیضاوی، حاکم، ابونعیم وغیرہ جیسے اشخاص ابن تیمیہ کی نظر میں اہل علم نہیں ہیں؟!!

۵۔ابن تیمیہ نے لکھا ہے: ''شیعہ علیؑ کے ایمان وعدالت کو ثابت نہیں کر سکتے ہیں، تا کہ کہہ سکیں کہ وہ اہل بہشت رہیں، امامت کی بات تو دور کی ہے۔ اگر وہ خلافت کو ابو بکر، عمرو عثمان کیلئے ثابت نہ کریں'' اور صفحہ ۱۶۳ پر لکھتا ہے: ''شیعہ جب تک شیعیت پر باقی ہوں، علیؑ کیلئے ایمان و عدالت ثابت کرنے میں ناکام ہیں''۔

جواب: کاش مجھے پتہ چلتا علیؑ کا ایمان کب دلیل اور برہان کا محتاج تھا؟'!!! اور وہ کب کافر تھے کہ ایمان لانے کی ضرورت پیش آتی؟!! کیا اسلام کے ابتدائی ایام میں علیؑ کے بغیر پیغمبرؐ کا کوئی اور مددگار، بھائی اور دوست ویاور تھا؟!!! اور کیا اسلام علیؑ کی تلوار کے بغیر وجود میں آیا ہے؟!!

۲۔ابن عبد ربہ مالکی کی ''العقد الفرید''

جب کوئی اس کتاب کو دیکھتا ہے تو ابتداءاً ایسا لگتا ہے کہ یہ ایک ادبی کتاب ہے اور اس کا مذہبی کتابوں کے ساتھ دور کا بھی واسطہ نہیں۔ لیکن افسوس کا مقام ہے کہ جب اس کتاب کا مصنف مذہبی مسائل پر پہنچتا ہے تو ہوا وہوس کے پھندے میں ایسا پھنستا ہے کہ ایک دم ایک جھوٹے افتراء پرداز، بیہودہ گو اور مجرم کی شکل میں نمودار ہوتا ہے۔

۱۔ابن عبد ربہ نے لکھا ہے: ''شیعہ، امت اسلامیہ کے یہودی ہیں، وہ اسلام سے اسی طرح بغض رکھتے ہیں جیسے یہودی نصرانیوں سے بغض رکھتے ہیں''

جواب: معلوم نہیں اس نے یہ تلخ اور ڈسنے والی بات کہاں سے بیان کی ہے جب کہ آپ دیکھتے ہیں کہ قرآن مجید فرماتا ہے: ﴿ ان الذین آمنوا و عملوا الصالحات اولئک هم خیر البریة ﴾[۱] اور اس آیت کے بارے میں یہ ثابت ہو چکا ہے کہ رسول خداؐ نے علیؑ سے فرمایا: ''یہ لوگ تم اور تمہارے شیعہ ہیں'' ابن عبد ربہ نے شیعوں کو یہودیوں سے تشبیہ دینے کی جرات کیسے کی؟ جب کہ وہ خود احادیث میں پڑھتا ہے کہ پیغمبر اسلامؐ نے علیؑ سے فرمایا: '' انت و

۱۔اور بیشک جولوگ ایمان لائے ہیں اور نہوں نے نیک اعمال انجام دئے ہیں وہ بہترین خلائق ہیں (بینہ/۷)

شیعتک فی الجنۃ "[1]

پیغمبر اسلام نے حضرت علیؑ سے فرمایا: "یا علیؑ خدائے تعالیٰ نے تمہیں، تمہاری ذریت، تمہاری اولاد، تمہارے خاندان، شیعوں اور تمہارے دوستوں کو بخش دیا ہے"۔

آپؐ نے مزید فرمایا: اے علیؑ تم میری امت کے وہ پہلے شخص ہو جو سب سے پہلے بہشت میں داخل ہوں گے اور تمہارے شیعہ خوشحالی کی حالت میں میرے اردگرد نور کے ممبروں پر جلوہ افروز ہوں گے"۔

آپؐ نے مزید فرمایا: "بیشک یہ علیؑ اور اس کے شیعہ قیامت کے دن خوش قسمت ہوں گے"

اس کے علاوہ پیغمبر اسلامؐ نے بہت سے کلمات فرمائے ہیں جن میں امیر المؤمنین حضرت علی علیہ السلام کے شیعوں کی تجلیل و تحسین کی گئی ہے۔ کیا اب یہ کہا جا سکتا ہے کہ شیعہ امت کے یہودی ہیں؟!! یہ سب جھوٹ، تہمت اور گالیاں کس لئے ہیں؟!!

ابن عبد ربہ نے لکھا ہے: "یہودی، عورتوں کیلئے عدہ کے قائل نہیں ہیں۔ شیعہ بھی عورتوں کیلئے عدہ کی رعایت نہیں کرتے ہیں"

جواب: شیعہ قرآن وسنت پر عمل کرتے ہیں اور شیعوں کی فقہی کتابیں اور تفسیر قدیم ہوں یا جدید سے واضح اور عیاں ہے کہ شیعہ عدہ کے قائل ہیں یا نہیں؟!!

جب ان کی کتابوں کا مطالعہ کیا جائے تو واضح ہوگا:

﴿والمطلقات یتربصن بانفسهنّ ثلاثة قروءٍ﴾ ان کن ذوات الاقراء

تعتدّ ذوات الشهور ثلاثة اشهر

اولات الاحمال اجلهنّ ان یضعن حملهنّ

۱۔ تاریخ بغداد، ج ۱۲، ص ۲۸۹۔

والّلائی توفی عنها زوجها یتربصن بانفسهنّ اربعة اشهر و عشرا اذا کانت حاملاً

و الحامل تعتدّ بابعد الأجلین . . . . .وغیرہ

جو کچھ شیعہ کہتے ہیں اور شیعوں کی کتابوں میں موجود ہے، اوپر بیاں ہو چکا معلوم نہیں جناب ابن عبدربہ نے یہ چیز کہاں سے دریافت کی ہے کہ شیعہ یہودیوں کی طرح عورتوں کیلئے عدہ کے قائل نہیں ہیں؟!! یہ سب ابن عبدربہ اور ابن تیمیہ جیسوں کے افسانے اور جھوٹ کے پلندے ہیں۔

۳۔ ابن عبدربہ نے لکھا ہے: ''یہودی ہر مسلمان کے خون کو حلال جانتے ہیں اور شیعہ بھی اسی اعتقاد کے قائل ہیں''

جواب: معلوم نہیں ابن عبدربہ نے اس تہمت کو کہاں سے لاکر شیعوں سے منسوب کیا ہے؟ کیا شیعہ علماء اور شیعوں کی کتابوں سے اسے نقل کیا ہے؟!! آخر کیوں اتنی دشمنی اور احمقانہ تعصب برتا جاتا ہے؟!!

۴۔ ابن عبدربہ نے لکھا ہے: ''یہودیوں نے تورایت میں تحریف کی ہے اور شیعوں نے بھی قرآن میں تحریف کی ہے''

جواب: یہ بھی ان بہت سے جھوٹ اور افترا کا ایک جزو ہے۔ شیعہ تفسیر وتاویل قرآن کے بارے میں ان معتبر احادیث پر اعتماد کرتے ہیں جو خاندان رسالتؑ سے روایت کی گئی ہوں نہ کہ ان روایتوں جو قتادہ، ضحاک اور سدی جیسوں سے روایت کی گئی ہوں جو تفسیر بالرائے کرتے تھے۔ اگر ابن عبدربہ جاننا چاہتا ہے کہ کس نے قرآن میں تحریف کی ہے؟ تو اسے اپنی کتابوں کی طرف رجوع کرنا چاہئے تب اسے پتہ چلے گا کہ کس قسم کے مسلمات سے انکار کیا گیا ہے اور کیسے ضعیف نظریات قرآن کے نام سے پیش کئے گئے ہیں؟

۵۔ ابن عبدربہ لکھتا ہے: ''یہودی جبرئیل کو پسند نہیں کرتے اور اسے فرشتوں کے درمیان

اپنا دشمن سمجھتے ہیں۔ شیعہ بھی کہتے ہیں کہ جبرئیل نے غلطی کی ہے، کیونکہ طے یہ تھا کہ وہ دین خدا کو علیؑ کی خدمت میں پہنچائے، لیکن اس نے غلطی سے محمدؐ کو پہنچا دیا۔

جواب: اس بد بخت نے خیال کیا ہے کہ امت اسلامیہ کے ایک بڑے حصے یعنی شیعوں کا کہیں وجود ہی نہیں ہے او وہ سب کے سب نیست و نابود ہو چکے ہیں اور ان میں سے کوئی باقی نہیں رہا ہے تا کہ اپنی حیثیت، عزت و آبرو کا دفاع کرے۔ اسی لئے ایسی تہمتیں اور افسانے ان کے خلاف گھڑ لئے ہیں!! وہ شاید تصور تک نہیں کرتا تھا کہ کسی دن کوئی آئے گا اور اس سے یہ کہے گا کہ: یہ کیسے ممکن ہے کہ جو کتاب خدا کو پڑھتا ہو: ﴿من کان عدواً لله و ملائکته و رسله و جبرئیل و میکال فان الله عدو للکافرین﴾ وہ خدا کے جبرئیل کو اپنا دشمن جانے؟!!! یہ سب تہمتیں اور افتراء پردازیاں کیوں ہیں؟؟!!

اگر شیعہ جبرئیل پر غلطی کی نسبت دیتے ہیں اور وحی و دین کو محمدؐ سے متعلق نہیں جانتے ہیں تو کیسے ہر روز ہر واجب اور مستحب نمازوں میں ہر اذان و اقامت اور بہت سی دوعاؤں اور مناجات میں شہادت اور گواہی دیتے ہیں کہ اشهد ان محمداً رسول الله (محمد ابن عبداللہ رسول خدا ہیں)؟!!

کیا یہ تصور ممکن ہے کہ اگر جبرئیل نے غلطی کی ہے تو خدا بھی اس کی غلطی کی تائید کرے؟!! ﴿فمالکم کیف تحکمون﴾ لعنتوں کی بھر مار ہو ان ظالمانہ تہمتوں اور جھوٹ کے پلندے، باندھنے والوں پر۔ ستم ظریفی کا مقام یہ ہے کہ بعض مصری مصنفین نے بھی شیعوں کے خلاف ابن عبدر بہ جیسوں کی انہیں تو ہمات کا سہارا لیا ہے۔

۶۔ ابن عبدر بہ لکھتا ہے: "یہودی بھیڑ کا گوشت جیسا ہر قسم کا حلال گوشت نہیں کھاتے ہیں شیعہ بھی یہودیوں کی طرح حلال گوشت نہیں کھاتے ہیں"

جواب: معلوم نہیں یہ چیزیں پڑھ کر انسان ہنسے یا روئے (واہ! واہ! کیا علماء ہیں اور کیا اہل قلم

؟!!) ہم نہیں جانتے کہ یہ مصنف کس بلند فلسفہ اور منطق کے ذریعہ اس نتیجہ پر پہنچا ہے کہ اس قسم کا سفید جھوٹ اور تہمت شیعوں پر لگائے ؟!! کاش کہ ابن عبدربہ شیعوں کے قصابخانوں کا مشاہدہ کرتا تو ان ناروا بہتان تراشیوں کے ذریعہ ہمیشہ کیلئے اپنی آبرو کو ملیامیٹ نہ کرتا۔

۷۔ابن عبدربہ نے لکھا ہے:

ابوعثمان جاحظ نے مجھے خبر دی کہ ایک بڑے تاجر نے مجھ سے بیان کیا کہ ہم سمندری جہاز میں سفر کررہے تھے اور ایک بداخلاق شیخ بھی ہمارے ساتھ تھا جب یہ شیخ ''شیعہ'' کا لفظ سنتا تھا تو ایک دم آگ بگولا ہوتا تھا اور اس کا چہرہ سیاہ پڑ جاتا تھا۔ایک دن میں نے اس سے پوچھا: تمھیں لفظ ''شیعہ'' سے اتنی نفرت کیوں ہے؟ اس نے جواب میں کہا: مجھے کسی چیز سے اتنی نفرت نہیں ہے جتنی ''شیعہ'' کے ''ش'' سے ہے۔ کیونکہ یہ ''ش'' ہر لفظ ''شر''، ''شوم''، ''شیطان'' ''شتم''، شرور، شقا، شح وغیرہ کے ابتدا میں پایا جاتا ہے۔ابوعثمان کہتا ہے: ''اس کے بعد شیعہ کی کوئی حیثیت ہی نہیں رہی''۔

جواب: اس بداخلاق شیخ کی بے وقوفی پر حیرت اور تعجب ہے کہ صرف لفظ شیعہ کے ''ش'' سے اتنا بغض وکینہ رکھتا تھا۔ اگر طے پائے کہ ایسی ہی پوچ باتوں اور بیہودہ استدلال سے کام لیا جائیگا تو یہ بات کہیں سے کہیں پہنچ سکتی ہے!! اور اس کی زد میں بہت سے مقدس نام بھی آجائیں گے قرآن مجید میں ارشاد ہے ﴿ **و ان من شیعته لابراهیم** ﴾

اور اس بداخلاق شیخ سے بیوقوف ابوعثمان ہے، کیونکہ اس نے یہ خیال کرلیا ہے کہ اس مسخرہ پن اور بیہودہ بات کے ذریعہ شیعوں کا وجود ہی ختم ہوگیا، جیسے کہ آسمان سے بجلی گری اور انھیں نیست ونابود کرکے رکھدیا، یا زمین نے ان کو نگل لیا یا پہاڑ آپس میں ٹکرا گئے یا اس کے زعم ناقص کے مطابق حکمت وعقل کی بنیاد پر منطقی استدلال وبرہان کے ذریعہ انھیں مجرم قرار دے کر سزا سنادی گئی ہے!!۔

ابوعثمان کی کم عقلی نے اسے اس حد تک گرادیا ہے کہ اس عقل ومنطق سے دور اور بداخلاق

شیخ کی تقلید کر بیٹھا۔ اگر اس بداخلاق شیخ اور ابو عثمان میں ذرہ برابر عقل ہوتی تو اسی مسئلہ کو دوسرے انداز میں پیش کرسکتے تھے مثلاً کہتے کہ ہمیں شیعہ کا "ش" پسند ہے کیوں کہ یہ "شریعت" "شہادت" "شجاعت" "شرف" "شکر" "شفق" "شفاعت" وغیرہ میں آیا ہے۔

آخر یہ کون سا طرز استدلال و برہان ہے؟ اگر یہی طے پائے اور حروف کو اہمیت دی جائے تو برہان و منطق اور فلسفہ کیلئے کوئی گنجایش ہی باقی نہیں رہتی، مثلاً کوئی شخص اس بداخلاق شیخ کو یوں جواب دیدے کہ: مجھے لفظ سنی کے "س" سے نفرت ہے کیونکہ یہ "سم"، "سقر"، "سرقت"، "سفاہت"، "سقم"، "سموم" و "سرطان" وغیرہ کے ابتداء میں پایا جاتا ہے!! تو.....

ابن عبدربہ نے اس داستان کو اس بداخلاق شیخ اور اس سے بیوقوف تر ابو عثمان سے نقل کرکے اور اسے اپنی کتاب میں لاکر یہ خیال کیا ہے کہ اس نے ایک عالی فلسفہ اور ایک قوی استدلال بیان کیا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ شیعہ اس قسم کی بیہودہ باتوں پر دھیان ہی نہیں دیتے اور دین کے بنیادی مسائل اور حقایق مذہب کے سلسلے میں دو گراں قیمت منابع، یعنی قرآن و حدیث کے علاوہ عقل و حکمت پر اعتماد کرتے ہیں۔

یہ تھا ابن عبدربہ کے افسانوں کا ایک نمونہ جو امت اسلامیہ میں فتنہ و تفرقہ انگیزی کا سبب بنے ہیں۔ اس کے علاوہ ابن عبدربہ نے بہت سی تاریخی خطائیں بھی کی ہیں۔ مثلاً اس نے لکھا کہ: زید نے خراسان میں خروج کیا اور قتل کیے گئے[1]

یہاں پر ایک مطلب کیطرف توجہ مبذول کرانا ضروری ہے اور وہ یہ ہے کہ، ابن تیمیہ نے اپنی کتاب "منہاج السنۃ" میں یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ اس کا علم و معلومات ابن عبدربہ جیسوں سے بیشتر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ جھوٹ اور افتراء کو اس کی نسبت زیادہ منظم طور سے بیان

۱۔ عقد فرید ج ۲۔ ص ۱۴۶۔

کرتا ہے تا کہ باور کرائے کہ صدق و امانت کو مد نظر رکھنے میں وہ ابن عبد ربہ سے بالا تر ہے۔ اسلئے اس نے اپنے جھوٹ کے پلندوں میں اضافہ کیا ہے اس کے چند نمونے ذیل میں ملاحظہ ہوں:

۱۔ یہودی، لوگوں کے مال کو حلال جانتے ہیں، شیعہ بھی اسے حلال جانتے ہیں۔

۲۔ یہودی لوگوں کو دھوکہ اور فریب دینا جائز جانتے ہیں، شیعہ بھی لوگوں کو دھوکہ دینا جائز جانتے ہیں۔

۳۔ یہودی سلام کرتے وقت مخاطب کی موت کا قصد کرتے ہیں اور ''سام علیک'' کہتے ہیں، شیعہ بھی مخاطب کی موت کا قصد کرتے ہیں۔

اسی طرح تفرقہ انگیزیاں، تہمتیں اور جھوٹ کے پوٹ کہ اگر کسی کو محدود حد تک بھی کروڑوں کی تعداد میں تمام دنیا میں پھیلے ہوئے شیعوں اور ان کی عقائد و فقہ کی قدیم و جدید کی کتابوں سے واسطہ پڑے تو ابن تیمیہ کی اس بے شعوری اور بیوقوفیوں پر ہنس پڑے گا!!

۳۔ ابو حسین عبد الرحیم خیاط معتزل کی ''الانتصار''

حقیقت میں اگر کوئی اس کتاب کا نام ''مصدر الاکاذیب'' رکھے تو کوئی خطا نہیں ہے۔ یہ کتاب جھوٹ، بناوٹی اور جعلی نسبتوں اور تہمتوں اور افتراپردازیوں سے بھری پڑی ہے۔

ہم یہاں پر اس کتاب کے تمام جزئیات پر بحث کرنا نہیں چاہتے اور اپنی کتاب کے صفحات کو ان افسانوں اور توہمات سے آلودہ نہیں کرنا چاہتے۔ صرف کچھ نمونوں کا ذکر، ان پر بحث کئے بغیر کریں گے، کیوں کہ یہ باتیں اتنی بیہودہ اور بے بنیاد ہیں کہ ان کے جواب کی ضرورت ہی نہیں۔

۱۔ خیاط لکھتا: ''شیعہ اس بات کے معتقد ہیں کہ خدائے تعالیٰ ایک ہیکل و صورت رکھتا ہے، چلتا ہے، رُکتا ہے، اترتا ہے اور پہلے ان پڑھ تھا''

۲۔ خیاط لکھتا ہے: ''شیعہ اس کو جائز جانتے ہیں کہ ایک سو مرد ایک ہی دن کے اندر ایک

عورت سے بدون استبراء اور عدہ کی رعایت کے بغیر ہمبستری کر سکتے ہیں جو امت محمدیہ کے نظریہ کے سراسر خلاف ہے(۱)

۴۔ابن طاہر بغدادی کی ''الفرق بین الفرق''

اس کا مصنف اپنی کتاب کے صفحہ ۳۰۹ پر لکھتا ہے: ''کسی بھی زمانے میں فقہ، حدیث لغت اور نحو میں شیعوں کا کوئی امام نہ تھا اور اس کے علاوہ سیرت، تاریخ اور تاویل و تفسیر میں بھی ان میں سے کوئی صاحب نظر نہیں گذرا ہے''۔

جواب: کیا ایسے لوگ یہ تصور نہیں کرتے تھے کہ اس قسم کی باتوں کا کوئی خریدار نہیں ہے اور چار دن گزرنے کے بعد ان باتوں کا بے بنیاد ہونا مختلف نسلوں کیلئے واضح ہو جائے گا خصوصاً یہ آدمی خود بغدادی ہوتے ہوئے کس طرح ان باتوں کو زبان پر لا سکا ہے؟ تعجب خیز ہے کیوں کہ اس بغدادی کی آنکھوں کے سامنے اسی بغداد میں کئی نامور علماء اور ان تمام فنون کے ماہر جن کا اس نے اشارہ کیا ہے شیعوں کی قیادت کو سنبھالے ہوئے تھے۔ جیسے شیخ امت ''محمد بن محمد شیخ مفید'' و سید مرتضی علم الھدیٰ، شریف رضی، سلار، نجاشی، کراجکی، ابی یعلی، وغیرہ اور یہ ایسے اشخاص نہ تھے کہ بغداد میں گمنام ہوتے، اس کے باوجود اس بغدادی کو یہ لوگ کیوں دکھائی نہیں دئے؟ کیا اس کے ہوش و حواس میں کسی قسم کا نقص و خلل پایا جاتا تھا؟

۵۔ابن حزم اندلسی کی ''الفصل فی الملل والنحل''

جو کوئی بھی فرق و مذاہب کے بارے میں کتاب لکھے، اسے چاہئے سب سے پہلے صداقت و امانتداری کا پابند و مقید ہوتا کہ مختلف مذاہب و ملتوں کے بارے میں اپنے ذہن کی ایجاد پر مبنی بے

۱۔خیاط لوگ اغلب قد رو قیافہ کے مطابق پیائش اور ناپ لیتے ہیں، لیکن اس خیاط نے جو ناپ لی ہے وہ شیعوں کے اندازہ کے مطابق نہیں ہے۔ شاید اس نے شیعوں کے عقائد اور ان کی کتابوں کو دیکھے بغیر یہ پیائش کر لی ہے اور یہ اندازہ صرف اس کے اپنے مریض بدن کے مطابق ہے۔

اساس نسبتیں نہ دے بلکہ جو کچھ کسی فرقہ یا مذہب کے بارے میں لکھے وہ اس مذہب کے معتبر مصادر و منابع کے مطابق ہو۔ لیکن افسوس کہ ابن حزم نے اس کے برعکس کام کیا ہے اور مذاہب نیز بہت سے اقوال کو کسی معتبر سند کے بغیر اپنی کتاب میں ذکر کیا ہے اور ان کے خلاف بیہودہ نسبتیں دی ہیں چند نمونہ ملاحظہ ہوں:

۱۔ ابن حزم لکھتا ہے: ''شیعہ مسلمان نہیں ہیں بلکہ یہ ایک ایسا فرقہ ہے جو پیغمبرؐ کی وفات کے ۲۵ سال بعد وجود میں آیا ہے یہ فرقہ کفر و کذب میں یہود و نصاری کے مانند ہے''۔

جواب: کاش کہ مجھے پتہ چلتا کہ ان لوگوں سے کیسے اسلام سلب ہو جاتا ہے جو اپنے واجبات کی ادائیگی میں روبقبلہ کھڑے ہوتے ہیں شہادتین پڑھتے ہیں قرآن مجید اور سنت رسول اللہؐ کی اطاعت کرتے ہیں اور ان کے احکام و اعتقادات کی کتابوں سے دنیا بھری پڑی ہے؟!!

اور ابن حزم نے کس طرح قطعی طور ان کو کافر کہنے کی جرات کی ہے جب کہ ان ہی شیعوں کے سیکڑوں علماء اور امام (جو بقول ابن حزم کافر ہیں) علمائے اہل تسنن کے اساتید اور صحاح ستہ کے راوی تھے؟!! نمونہ کے طور پر چند بزرگوں کے نام ملاحظہ ہوں:

۱۔ ابان بن تغلب کوفی (۱)

۲۔ ابراھیم بن زید کوفی۔

۳۔ ابو عبداللہ جلالی۔

۴۔ اسماعیل ابن ابان۔

۵۔ اسماعیل بن خلیفہ کوفی۔

۶۔ اسماعیل بن زکریا کوفی۔

۱۔ ذہبی ''میزان الاعتدال'' میں شاگرد امام صادق علیہ السلام ابان ابن تغلب کی زندگی کے حالات بیان کرتے ہوئے لکھتا ہے: اگر ایسے افراد کی حدیث رد کی جائے تو آثار نبویہ نابود ہو جائیں گے اور یہ ایک بڑا فتنہ ہوگا۔

۷۔ اسماعیل بن عبدالرحمٰن

۸۔ اسماعیل بن موسیٰ

۹۔ ثابت ابوحمزہ ثمالی

۱۰۔ جابر بن یزید جعفی۔

۱۱۔ جعفر بن زید کوفی۔

۱۲۔ خالد بن مخلد (۱)

جناب ابن حزم! اگر شیعہ مسلمان نہیں تھے تو اس لحاظ سے آپ کی صحاح ستہ جن کو بعض لوگ قرآن کے ہم پلہ اور برابر جانتے ہیں ان کی کیا قدر و وقعت رہ جاتی ہے؟!!

اگر صحاح ستہ میں موجود احادیث کے مطالب کفار اور غیر مسلمانوں سے نقل شدہ ہیں تو ان کی کیا قیمت ہے؟!!

پروردگارا! تو خود فیصلہ کر!!

ہاں دراصل ابن حزم اندلسی کی نظر میں شیعوں کا ناقابل بخشش جرم و گناہ یہی ہے کہ وہ علیؑ اور اولادِ علیؑ کے ساتھ دوستی رکھتے ہیں۔

ابن حزم نے عبداللہ ابن سبا کی طرف ایک اشارہ کیا ہے البتہ ابن حزم کو جاننا چاہئے کہ عبداللہ ابن سبا اپنے الحاد کی خاطر امیر المؤمنین حضرت علی علیہ السلام کے حکم سے آگ میں ڈال دیا گیا اور شیعہ بھی اس پر لعنت کرتے ہیں[۲]

۱۔ علامہ امینی نے الغدیر کے ج ۳ ص ۹۲ پر ۹۰ سے زائد افراد کا نام لیا ہے جو صحاح ستہ لکھنے والوں کے استاد اور راوی ہیں۔ ہم نے اختصار کی وجہ سے ان سب کا نام ذکر کرنے سے پرہیز کیا ہے۔

۲۔ سلمان، ابوذر اور مقداد وغیرہ جن کو پیغمبر کے زمانے میں بارہا شیعیان علی کہا جاتا تھا اور اہل سنت کی تاریخ کی تمام کتابوں میں اس کا ذکر آیا ہے۔ کیا یہ حضرات بھی پیغمبرؐ کی وفات کے ۲۵ سال بعد شیعہ ہوئے تھے؟!!

۲۔ابن حزم لکھتا ہے:''جو یہ کہتا ہے کہ علیؑ کا علم تمام صحابہ سے زیادہ تھا سراسر جھوٹ ہے۔''

جواب: مجھے معلوم نہیں اس بات پر ہنسوں یا گریہ کروں! یہ شخص کس قدر جاہل یا غافل ہے! کیا اس نے پیغمبرؐ سے منقول مندرجہ ذیل احادیث میں سے ایک کو بھی نہیں دیکھا ہے۔

''اعلم امتی من بعدی علی بن ابیطالب''

''اقضاکم علی''

''اقضی امتی علی''

''علی باب علمی''

''قسمت الحکمة عشرة اجزاء فاعطی علی تسعة و الناس جزء واحد''[۱]

کیا احادیث ''لولاعلی لهلک عمر'' اور ''اللّهم لاتبقنی لمعضلة لیس لهاابن ابیطالب'' و...کو نہیں دیکھا ہے۔؟![۲]

۳۔ابن حزم لکھتا ہے: ''شیعہ عورت اور ماں کے شکم میں موجود بچے کی امامت کو جائز جانتے ہیں۔''

جواب: کیا واقعاً اس شخص نے یہ بیہودہ باتیں لکھتے وقت کسی اعتقادی کتاب کو دیکھا ہے؟! سبحان اللہ! افتراء، جعل اور دھوکہ وفریب کی بھی کوئی حد ہوتی ہے؟!!

شیعوں کی پوری تاریخ میں جو بات نمایاں ہے وہ یہی مسئلہ امامت ہے۔ شیعہ امامت کو بارہ اماموں تک محدود جانتے ہیں اور ان کے نام وحالات تاریخ کی سیکڑوں کتابوں میں درج ہیں اور کوئی بھی ان میں سے عورت نہیں ہے۔ لہذا ابن حزم کی یہ بات بھی اس کے باقی

۱۔ مسند احمد: ۵/۲۶، الاستیعاب: ۳/۳۶، الریاض النضرة: ۲/۱۹۴، مجمع الزوائد: ۹/۱۰۱، المناقب: ۴۹، کفایة الگنجی ۷۰، شرح نہج البلاغہ: ۲/۴۴۸، فتح الباری: ۸/۱۳۶، حلیة الاولیاء: ۱/۶۵، تاریخ ابن عساکر اور کنز العمال ملاحظہ ہو۔)

۲۔ الغدیر، ج۳، ص۹۷ ملاحظہ ہو۔ اہل سنت کے منابع سے دسیوں منابع نے ان احادیث کو درج اور روایت کیا ہے۔

خرافات اور جھوٹ کی طرح بے بنیاد ہے۔

اسکے علاوہ اگر کوئی اس سے یہ سوال کرے کہ کس دلیل اور سند کی بنا پر شیعوں پر یہ تہمت لگاتے ہو کہ شکم مادر میں موجود بچہ بھی ان کا امام ہو سکتا ہے؟! تو وہ کیا جواب دے گا؟۔ بے شک شیاطین اپنے دوستوں کے کانوں میں کچھ نہ کچھ پھونکا کرتے رہتے ہیں۔

اگر ہم ابن حزم کی گالی گلوچ، جھوٹ اور تو ہمات کو ایک ایک کر کے ذکر کرنے کے بعد تنقید کا نشانہ بنائیں تو ایک مستقل اور ضخیم کتاب بن سکتی ہے۔ بہت کم لوگ ابن حزم کی نیش زنی اور بد زبانی سے محفوظ رہے ہیں، حتی پیغمبر اسلامؐ کو بھی اس گستاخ نے معاف نہیں کیا ہے۔

وہ کتاب ''الاحکام'' ج ۵، ص ۱۷۱ پر لکھتا ہے: شیعوں سے یہ بات مخفی رہ گئی ہے کہ سردار انبیاءؐ کافر ماں باپ کے بیٹے ہیں (معاذ اللہ)، یعنی ان کے باپ اور ماں دونوں کافر تھے''۔ کیا یہ ادب ہے؟ کیا یہی تہذیب ہے؟!! کیا یہی کلام وسخن کی عفت ہے؟!!

۶۔ عبد الکریم شہرستانی کی ''ملل ونحل''

اگر چہ یہ کتاب ابن حزم کی ''الفصل'' جیسی نہیں ہے۔ اس کے باوجود اس نے بھی تہمتیں لگائی ہیں اور اپنے کچھ نظریات جعل کئے ہیں اور بہت جھوٹ بولا ہے، لہذا اس پر بھی کچھ تنقید کرتے ہیں۔

۱۔ شہرستانی کہتا ہے: ''شیعوں کے متکلم ھشام بن حکم کہتا ہے کہ خدا جسم والا ہے اور اپنے بالشت کے اندازہ میں سات بالشت کا ہے اور ایک خاص جگہ پر ہے۔''

۲۔ وہ مزید کہتا ہے: ''ھشام نے کہا علیؑ خدا ہے اور اسکی اطاعت واجب ہے۔''

جواب: یہ باتیں اور ایسے عقائد باطل ہیں اور شیعوں وشیعوں کے علمانے کبھی ایسی بات نہیں کہی ہے۔ شیعوں کے علمائے حق، صحیح مطالب کو ائمہ اہل بیتؑ سے حاصل کرتے ہیں جو ہمیشہ برہان و دلیل پر مبنی ہوتے ہیں۔ معلوم نہیں ہے شہرستانی نے ان باتوں کو کہاں سے نکالا ہے؟! شیعوں کی

تمام کلامی اور عقائد کی کتابیں عام لوگوں کی دسترس میں ہیں، وہ ہرگز ان بیہودگیوں کی تائید نہیں کرتے ہیں بلکہ ان سے بیزار ہیں۔

۳۔ شہرستانی کہتا ہے: ''علیؑ ابن محمدؑ عسکر کی وفات کے بعد شیعوں میں اختلاف پیدا ہوا، بعض لوگوں نے جعفر ابن علی کی امامت کو قبول کیا اور بعض دیگر نے حسنؑ ابن علیؑ کی امامت کو قبول کیا ان کا رئیس علی ابن فلان طاحن تھا اور وہ اہل کلام تھا اور اس نے جعفر بن علی کی حمایت کی اور لوگوں کو ان کی طرف راہنمائی کرتا تھا اور فارس بن حاتم بن ماھویہ نے اس کی مدد کی، اسلئے کہ محمدؒ کا انتقال ہو گیا تھا اور اس سے حسن عسکری باقی رہے تھے.....

جواب: بعض لوگ رقص و تفریح کے مراکز میں جاتے ہیں تاکہ ہنسانے والی باتیں (جوک) سنکر ہنسیں اور خوش ہوں۔ ایسے افراد اس بات سے بے خبر ہیں کہ شہرستانی کی کتاب ان مراکز سے بہتر ہنسانے والی چیز ہے۔''

کاش مجھے پتہ لگتا کہ امام حسن عسکریؑ اور ان کے بھائی جعفر — جس نے اپنے بھائی کی وفات کے بعد امامت کا ادعا کیا تھا — کے درمیان کب اختلاف پیدا ہوا تھا؟!!

اور یہ علی بن فلان طاحن کہ جس نے جعفر کی حمایت اور تقویت کی اور لوگوں کو اسکی طرف ترغیب دیتا تھا، کب پیدا ہوا ہے؟ اور کب مرا ہے؟ اور کس طرح فارس بن حاتم بن ماھویہ نے جعفر کی مدد کی ہے جبکہ جنید نے اس کو اس کے والد، امام ہادیؑ کے حکم سے قتل کیا؟!

اور یہ محمد، جس نے امام حسن عسکریؑ کو باقی رکھا کیا وہی امام محمد جواد ہیں؟ جبکہ امام محمد جوادؑ کے اکلوتے بیٹے امام ہادیؑ تھے۔ یا اس سے مراد ابو جعفر بن محمد بن علی ہیں جن کا شہر بلد (عراق) میں ایک باعظمت روضہ ہے؟ جبکہ انہوں نے اپنے والد بزرگوار کی زندگی میں ہی رحلت کی تھی اور ان کے والد کی امامت کا سلسلہ جاری تھا۔ وہ کب امام تھے یا کب انہوں نے ادعائے امامت کیا تھا؟ تاکہ کسی دوسرے کو اپنے بعد امامت پر منصوب کریں؟!!

۷۔ابن کثیر دمشقی کی "البدایہ والنھایہ":

یہ کتاب جھوٹ، تہمت، گالی گلوچ، ناسزا باتوں، جاہلانہ تعصب اور قومی رسومات سے بھری پڑی ہے اس کے علاوہ مصنف اہل بیتؑ سے ایک خاص عناد رکھتا ہے اور امویوں کی نسبت اس کی محبت ورغبت کسی سے پوشیدہ نہیں۔نمونہ ملاحظہ ہو:

ا۔ابن کثیر لکھتا ہے: "ابن اسحاق اور تمام تاریخ نویسوں نے ذکر کیا ہے کہ پیغمبر اسلامؐ نے علیؑ کے ساتھ اخوت و برادری کا رشتہ باندھا۔اس سلسلہ میں بہت سی احادیث نقل ہوئی ہیں لیکن ان میں سے ایک بھی صحیح نہیں ہے کیونکہ یا ان حدیثوں کی سندیں ضعیف ہیں یا ان میں سے بعض کا متن نازیبا اور ست ہے۔"

جواب: اگر کوئی ان احادیث کے بہت سے طرق اور ان کے صحیح ہونے پر نگاہ ڈالے اور ان کے اسناد کے رجال کے ثقہ ہونے پر توجہ کرے کہ بہت سے ائمہؒ حدیث اور ارباب سیرت وتاریخ و حفاظ نے انہیں صحیح قرار دیا اور توثیق کے طور پر درج کیا ہے، تو اس وقت اس کو پتہ چلے گا کہ در اصل ابن کثیر دمشقی نے اپنی نفسانی خواہشات، ہوا پرستی اور امویوں کی محبت میں ان کے دارالخلافہ میں بیٹھ کر ایسے مستحکم حقائق کا انکار کیا ہے۔

۲۔ابن کثیر لکھتا ہے: "مختصر یہ کہ اس حدیث (حدیث متواتر وصحیح و ثابت "طیر") کے بارے میں میرے دل میں کچھ ہے۔اگرچہ اسکے طرق بہت ہیں۔"

جواب: یقیناً اگر کسی دل کو خدائے تعالی نے سر بمہر کردیا ہو تو وہ حقائق — وہ بھی اگر مولائے کائنات علی ابن ابیطالبؑ کے فضائل ہوں — کو نہیں دیکھ سکے گا۔اگر اس کا دل بیمار نہیں ہے تو وہ کیوں ایسی حدیث کو قبول کرنے سے اجتناب کرتا ہے، جس کے صحیح ہونے کے تمام شرائط موجود ہیں۔اور ایسی چیز کے ذریعہ شک پیدا کرنے کی کوشش کرتا جس کی کوئی بنیاد نہیں ہے "میرے دل میں کچھ ہے۔" یقیناً مردہ دل اور کثیف اموی خاندان کی محبت اس بات کی اجازت

نہیں دیتی کہ اتنی کثیر احادیث سے ثابت شدہ امیر المؤمنین کے مسلّم فضائل کو قبول کرے۔

۳۔ ابن کثیر لکھتا ہے: ''احمد ترمذی نے امیر المؤمنینؑ کے اسلام کے بارے میں ایک حدیث روایت کی ہے اور کہا ہے کہ اس کی سند صحیح ہے۔ حدیث یہ ہے: ''انہ اول من اسلم'' یہ حدیث کسی صورت میں صحیح نہیں ہے۔

جواب: کیوں ابن کثیر! یہ حدیث کس صورت میں صحیح نہیں ہے؟ جبکہ روایت کے طرق صحیح ہوں، رواۃ ثقہ ہوں، حفاظ اور فن کے ماہروں نے اس کے صحیح ہونے کی تائید کی ہو اور صحابہ و تابعین کے درمیاں بالاتفاق صحیح و سالم ہو تو کیوں اسے قبول نہ کیا جائے اور کیوں یہ کس صورت میں صحیح نہیں ہے؟!! ملاحظہ ہوں اس حدیث کے چند منابع و مصادر:

۱۔ حاکم نے اسے مستدرک، ج ۳، ص ۱۳۶ پر صحیح جانا ہے۔ اس کے علاوہ خطیب بغدادی نے اپنی تاریخ کے ج ۲، ص ۸۱ پر، استیعاب، ج ۲ ص ۴۵۷، شرح ابن ابی الحدید ج ۳، ص ۲۵۸، مناقب ابن مغازی اور مناقب خوارزمی اور سیرۂ حلبیہ، ج ۱، ص ۲۸۵ و....

البتہ علامہ امینی نے اس کے علاوہ اہل سنت کے دسیوں منابع مستند و مشہور ذکر کرکے ہیں۔[۱]

۸۔ محمد رضا رشید رضا صاحب المنار کی ''السنۃ والشیعۃ''۔

یہ کتاب بھی دیگر کتابوں کی طرح ہتک، بے احترامی، جھوٹ اور تہمتوں سے بھری ہوئی ہے اگر چہ ان جیسی کتابوں کی تنقید ہمارا کام نہیں ہے مگر کیا کیا جائے؟ مجبور ہیں کہ ان جھوٹ کے پلندوں اور افسانوں میں سے بعض کا جواب دیں۔!!

۱۔ رشید رضا لکھتا ہے: ایک سنی سیاح نے مجھے لکھا کہ میں نے ایران کے ایک شہر میں جمعہ کے دن سنا کہ: ایک خطیب نے ایک سورہ پڑھا جو شیعوں اور اہل بیتؑ سے مخصوص ہے۔ بعض مسیحی مبلغین نے ان لوگوں سے نقل کیا تھا۔ یہ لوگ شیعہ اثنا عشری ہیں اور بنام جعفری مشہور ہیں۔

۱۔ الغدیر، ج ۳ ص ۲۲۰ ملاحظہ ہو۔

جواب: رشید رضا سے پوچھنا چاہئے کہ: کیا وہ خطیب جس نے ایران میں جمعہ کے دن منبر سے اس مخصوص سورہ کو پڑھا ہے، کیا دراصل پیدا بھی ہوا ہے؟! اور کیا واقعاً وہ سنّی سیاح جس نے "المنار" کو خط لکھا ہے اس دنیا میں موجود بھی ہے؟! گمان یہ ہے کہ وہ سرے سے پیدا ہی نہیں ہوا ہے۔ وہ کون سا فرضی سورہ اور کونسا فرضی خطیب تھا؟!!

کاش کہ رشید رضا نے تفسیر علامہ بلاغی "آلاء الرحمن" کے مقدمہ کا مطالعہ کیا ہوتا اور وہ دیکھتا کہ شیعہ کی زبان اور اہل بیت کے پیروؤں کے عقائد کی وضاحت کرنے والوں نے اس خیالی سورہ کے بارے میں کیا کہا ہے اور کیا لکھا ہے اور اس کے بعد اس خیالی سورہ کے بارے میں کچھ لکھتا۔

ہم جناب رشید صاحب کو مبارک پیش کرتے ہیں کہ شیعوں کے بارے میں دلیل و گواہی پیش کرنے میں بعض مسیحی مبلغوں سے استناد کرتے ہیں، اور یہ عجیب، محکم، مستند اور قابل ستائش استدلال ہے؟!

حیرت کی بات یہ ہے کہ اس نے بحث کے ضمن میں، بابیہ و بہائیہ کو بھی شیعوں میں شمار کیا ہے۔ جبکہ شیعوں نے بابیہ و بہائیہ کے پیدائش کے دن سے ہی اعلان کیا ہے کہ یہ دین اسلام سے خارج، کافر، ضال اور نجس ہیں اور شیعوں کے نامور علماء نے ان کے بیہودہ و باطل باتوں اور کفریات کے بارے میں بے شمار کتابیں لکھی ہیں۔ کاش کہ رشید رضا نے ان کتابوں میں سے چند ایک کو پڑھا ہوتا تو اسے پتہ چل جاتا کہ بابیہ و بہائیہ شیعہ نہیں ہیں۔ اور اس طرح وہ جھوٹ بولنے کا مرتکب نہ ہوتا۔

۲۔ رشید رضا: "اہلبیتؑ کے بعض افراد سے شیعوں کا بغض" کے عنوان سے لکھتا ہے: "شیعہ یہودیوں کی طرح بعض کے بارے میں مؤمن اور بعض کے بارے میں کافر ہیں.... بہت سی اولاد فاطمہؑ سے دشمنی رکھتے ہیں بلکہ انہیں برا بھلا کہتے ہیں جیسے زید بن علی بن

اور یحیٰ بن زید۔

جواب: حقیقت میں یہ اسی افسانوی داستان اور کذب و افتراء کا سلسلہ ہے جسے رشید رضا اور آلوسی جیسوں نے حقائق کے روپ میں پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔

جہاں تک زید ابن علی کا تعلق ہے وہ شہدائے اہل بیتؑ میں سے ہیں اور شیعوں کے ہاں ان کا تقدس واحترام اور مقام ومنزلت ایسی چیز نہیں جو وضاحت وتشریح کی محتاج ہو۔

اور یحیٰ، شہید اور فرزند شہید ہیں۔ خاندان امامت کی نامور شخصیتوں میں شمار ہوتے ہیں اور ایک دلیر مجاہد ہیں۔ شیعہ ان کا احترام اور قدردانی کرتے ہیں۔ شیعوں میں سے ایک فرد بھی ایسا نہیں ہے جو ان سے بغض رکھتا ہو، یہ وہی بزرگ ہیں جو اپنے مقدس والد سے روایت کرتے ہیں کہ امام بارہ ہیں اور ایک ایک کر کے ان کے نام گناتے ہیں اور اس کے بعد کہتے ہیں: یہ وہی معاہدہ ہے جسے رسول خداؐ نے ہمارے سپرد کیا ہے اور مشہور شاعر اہل بیتؑ دعبل خزاعی نے اسے اپنے اشعار میں بیان کیا اور انھیں حضرت علی ابن موسی الرضاؑ کے سامنے پڑھا ہے۔

۳۔ رشید رضا لکھتا ہے: ''محمد ابن نعمان، مسیلمہ کذاب سے زیادہ جھوٹا ہے''۔

ہم اس کے جواب میں یافعی کا نظریہ جو اس نے مرآۃ، ج ۳ ص ۲۸ میں بیان کیا ہے ذیل میں نقل کرتے ہیں تاکہ معلوم ہو جائے کہ حتی اہل سنت شیخ مفید کے بارے میں کیا نظریہ رکھتے ہیں؟

یافعی لکھتا ہے: ''وہ عالم، شیعوں کے پیشوا اور بہت سی تالیفات کے مالک ہیں۔ وہ شیعوں کی عظیم شخصیت ہیں اور ''مفید'' و ''ابن معلم'' کے نام سے مشہور ہیں۔ وہ کلام، جدل اور فقہ میں کمال رکھتے تھے۔ ہر عقیدہ کے لوگوں سے مناظرہ کرتے تھے اور حکومت ''بویہیہ'' میں محترم اور صاحب عظمت تھے۔ اور ابن طی نے کہا ہے: بہت صدقات دیتے تھے، صاحب خشوع تھے، نماز و روزہ بہت کرتے تھے اور کھردرے کپڑے پہنتے تھے۔''

اس کے علاوہ ابن کثیر اپنی تاریخ کے ج ۱۲ ص ۱۵ میں لکھتا ہے: ''ان (شیخ مفید) کی مجلس میں مختلف فرقوں کے علماء حاضر ہوتے تھے، جیسے کہ وہ امت اسلامیہ کے شیخ تھے صرف امامیہ کے شیخ نہ تھے! لہذا جو کوئی بھی دین سے وابستہ ہے اسے ان کی تعریف وتجلیل کرنی چاہیے''۔

اب کہیئے جناب رشید رضا صاحب! جو بات آپ نے شیخ مفید کے بارے میں بیان کی ہے کیا وہ علم و دین اور ادب سے تعلق رکھتی تھی؟! یا شریعت و اخلاق نے آپ کو اس کی اجازت دی ہے؟!

۹۔ عبداللہ قصیمی کی ''الصراع بین الاسلام والوثنیۃ''

اس کتاب میں جھوٹ، تہمت، فحش اور ناروا نسبتوں کی اتنی بہتات ہے کہ شاید خود کتاب کے صفحات کی تعداد (۱۶۰۰) سے زیادہ ہو۔

ا۔ قصیمی لکھتا ہے: ''ستم ظریفی کی حد ہے کہ شیعوں کی ایک شخصیت کا نام ''بیان'' تھا اور وہ خیال کرتا تھا کہ خدائے تعالی نے آیۂ '' **و هذا بیان للناس** '' میں اس کو مراد لیا ہے ایک اور شیعہ کا لقب ''کسوف'' تھا اور وہ گمان کرتا تھا کہ آیۂ '' **وان یروا کسفاً من السماء** '' میں مقصود وہی ہے۔

جواب: یہ وہ قدیمی بے بنیاد افسانے اور پرانے لوگوں کی من گڑھت باتیں ہیں جیسی ابن قتیبہ نے کتاب ''تاویل مختلف الحدیث'' میں درج کی ہیں۔ یہ وہ زبانیں ہیں جو تعصب کے ضمیر سے بنی ہیں جیسے جاحظ اور خیاط کہ ان لوگوں نے ایسے ہی مجعولات اور بے سروپا افسانوں کو شیعوں سے نسبت دی ہے۔ قصیمی نے بھی اپنے بزرگوں کی تقلید کرتے ہوئے دس صدیاں گزرنے کے بعد عصر جدید کے شیعوں پر وہی پرانی تہمتیں لگائیں ہیں۔

فرض کریں کہ یہ دونوں آدمی (بیان اور کسوف) حقیقت میں موجود ہوں اور بدگمان قصیمی کے بقول دونوں شیعہ بھی ہوں تو کیا حقیقت میں قصیمی کیلئے یہ باتیں ثابت ہو چکی ہیں؟! کیا

انصاف وعدل کا یہی تقاضا ہے کہ ایک عظیم امت دو آدمیوں کی باتوں سے جبکہ ان کا وجود بھی مشکوک ہے۔ تنقید کا نشانہ قرار پائے ؟!

۲۔ قصیمی لکھتا ہے: ''شیعوں کی کتابوں میں بہت سی روایتیں نقل ہوئی ہیں کہ امام منتظر تمام مسجدوں کو مسمار کردیں گے اسی لئے شیعہ ہمیشہ مسجدوں کے دشمن رہے ہیں اور جس کسی نے بھی شیعوں کے شہروں میں سفر کیا ہے کم ہی مسجدوں کو وہاں پایا ہے۔''

جواب: قصیمی نے جعل کرنے اور داستان کو گھڑنے تک ہی اکتفا نہیں کی ہے بلکہ اپنے جھوٹ کے پلندوں کو شیعوں سے نسبت دی ہے۔ اگر قصیمی سچ کہتا تھا تو اس نے کیوں شیعوں کی کتابوں کا نام نہیں لیا ہے؟

کیا واقعاً شیعوں کے شہروں میں مسجدیں نہیں ہیں؟

اگر قصیمی نے شیعوں کے شہروں کا سفر کیا ہوتا قطعاً جان لیتا کہ اس نے جھوٹ لکھا ہے کہ شیعوں کے شہروں میں مساجد کم پائی جاتی ہیں اور اگر سفر نہیں کیا ہے تو بہر حال اس نے یہ جھوٹ اور بہتان ہی باندھا ہے۔

قصیمی کو جاننا چاہئے کہ تمام دنیا کو معلوم ہے کہ شیعہ نشین شہروں، قصبوں حتی چھوٹی چھوٹی بستیوں تک میں بہت سی مسجدیں موجود ہیں اور مسجدوں کے گنبد و مینار ایسی چیزیں نہیں ہیں کہ کوئی ان کو نہ دیکھ سکے! البتہ اگر قصیمی اور ان جیسوں کی آنکھیں نہ دیکھ سکیں تو اس کا کیا کیا جائے ؟!

۱۰۔ موسیٰ جار اللہ کی ''الوشیۃ فی نقد الشیعہ''

میں نہیں چاہتا تھا کہ اس کتاب میں سے کسی چیز کا ذکر کروں کیونکہ اس کتاب کی خرابیاں اور بیہودگیاں دیگر تمام کتابوں سے بیشتر ہیں۔ لیکن چونکہ یہ چیزیں چھپ کر شایع ہوچکی ہیں اس لئے مجبور ہوں کہ ایک حد تک اس کی کتاب کی آلودگیوں کے چند نمونوں کی طرف اشارہ کروں:

۱۔ جار اللہ کہتا ہے: ''عصر حاضر میں قرآن وسنت پیغمبرؐ کے بارے میں امت کا علم، علیؑ کے

علم اور تمام آل علیؑ کے علوم سے زیادہ اور کامل ہے''۔

جواب: غور کا مقام ہے کہ یہ شخص علم علیؑ سے کیسے واقف ہوا جو کہتا ہے کہ امت کا علم اس سے زیادہ ہے! اس نے یہ قطعی حکم کیسے صادر کیا ہے؟!

۲۔ وہ کہتا ہے: جو کوئی بھی حادثہ پیش آتا ہے خدائے تعالیٰ نے اس کا حقیقی اور صحیح جواب امت کو بتا دیا ہے۔

جواب: اگر امت کی حیثیت یہ ہے اور در حقیقت امت معصوم اور اشتباہ و خطا سے پاک ہے، تو پھر علیؑ اور ان کی اولاد اس امت کے جزو کیوں نہیں ہو سکتے؟! اگر امت پیغمبرؐ کی وارث ہو سکتی ہے تو علیؑ اور ان کی اولاد آنحضرتؐ سے وراثت کیوں نہیں پا سکتے؟

۳۔ جار اللہ نے متعہ کو زمانہ جاہلیت کی شادی بیان کرتے ہوئے کہا ہے کہ ''متعہ کا کوئی حکم شرعی نہیں تھا اور قرآن مجید میں متعہ کے سلسلے میں کوئی چیز نازل نہیں ہوئی ہے اور شیعوں کی کتابوں کے علاوہ کہیں پر کوئی قول نہیں ملتا ہے جو یہ ثابت کرے آیہ ﴿فما استمتعتم به منهن﴾ متعہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ شیعوں کی کتابیں متعہ کے قول کو باقرؑ وصادقؑ سے لیتی ہیں۔ یہ احتمال کہ اس کی سند جعلی ہوگی احسن ہے ورنہ باقرؑ وصادقؑ جاہل ہیں (نعوذ باللہ)

جواب: یہ جار اللہ کے سلسلہ وار ظلم و جور کی کڑیاں ہیں جو اس نے قرآن اور اس کے حکم کے خلاف روا رکھی ہیں اور یہ رسول خداؐ کے لائے ہوئے دین کی تکذیب ہے جب کہ اس کے اسلاف جیسے صحابہ، تابعین اور مختلف فرقوں کے اسلامی علماء نے اس مسئلہ (متعہ کی صحت) کا اقرار کیا ہے۔ اس کی وضاحت حسب ذیل ہے:

۱۔ متعہ قرآن میں:

اہل سنت کے علماء نے صراحت سے بیان کیا ہے کہ آیہ ﴿فما استمتعتم منهن فأتوهن اجورهن . . .﴾ متعہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے اور یہ چیز معروف وقوی ترین

تفسیروں میں بیان ہوئی ہے:

۱۔صحیح بخاری	۲۔صحیح مسلم
۳۔مسند احمد:۴/۴۳۶۔	۴۔تفسیر رازی:۳/۲۰۰،۲۰۲۔
۵۔تفسیر ابی حیان:۳/۲۱۸۔	۶۔تفسیر طبری:۵/۹
۷۔احکام قرآن بصاص:۲/۱۷۱۔	۸۔سنن بیہقی:۷/۲۰۵
۹۔تفسیر بغوی:۱/۴۲۳۔	۱۰۔تفسیر زمخشری:۱/۳۶۰۔
۱۱۔احکام القرآن قاضی:۱/۱۶۲۔	۱۲۔تفسیر قرطبی:۵/۱۳۰۔
۱۳۔تفسیر رازی:۳/۲۰۰۔	۱۴۔شرح صحیح مسلم،نووی:۹/۱۸۱۔
۱۵۔تفسیر خازن:۱/۳۵۷۔	۱۶۔تفسیر بیضاوی:۱/۲۶۹۔
۱۷۔تفسیر ابی حیان:۳/۲۱۸۔	۱۸۔تفسیر ابن کثیر:۱/۴۷۴۔
۱۹۔تفسیر سیوطی:۲/۱۴۰۔	۲۰۔تفسیر ابی سعود:۳/۲۵۱۔

جار اللہ سے پوچھا جانا چاہئے کہ کیا یہ سب علماء اور علم وحدیث وتفسیر کے ماہر تمہاری نظر میں عالم نہیں ہیں؟! یا یہ کہ یہ کتابیں سنیوں کی نہیں ہیں؟! جو تم نے کہا ہے کہ متعہ صرف شیعوں کی کتابوں میں پایا جاتا ہے. تو تم نے دیکھ لیا کہ ان سب علماء اہل سنت نے بھی اسے اپنی کتابوں میں ذکر کیا ہے اور ان میں سے زیادہ تر علماء صراحت سے کہتے ہیں کہ متعہ کا ذکر قرآن میں آیا ہے اگر چہ اس کے قرآن میں موجود ہونے کے اعتراف کے بعد ان لوگوں نے اس کے نسخ ہونے یا نہ ہونے پر بعد میں بحث کی ہے۔

اس بنا پر جو بد زبانی تم نے شریعت محمدیؐ کے مروج حضرت امام محمد باقرؑ وحضرت امام صادقؑ کے سلسلے میں کی ہے، ان اصحاب، تابعین اور اہل سنت کے ائمہ تفسیر وحدیث کے بارے میں بھی ویسی ہی بد زبانی کی جرات رکھتے ہو؟ پس یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ جو تم نے کہا کہ متعہ قرآن میں

نہیں آیا ہے جھوٹ تھا۔ اس کے گواہ اتنے سارے اصحاب، تابعین وعلمائے اہل سنت کے آراء و اقوال ہیں اس کے علاوہ جو تم نے کہا ہے کہ ''صرف شیعہ کہتے ہیں'' یہ بھی جھوٹ تھا۔ کیوں کہ سنیوں کی دسیوں کتابوں میں اس کا ذکر آیا ہے۔

لیکن جو تم نے کہا ہے کہ متعہ نکاح جاہلیت ہے وہ بھی تمہارا جھوٹ اور خیال بافی ہے کیوں کہ اسلاف میں سے کسی ایک نے آج تک متعہ کو نکاہ جاہلیت نہیں کہا ہے اصولی طور پر متعہ اپنی خصوصیات وشرایط کے ساتھ قبل از اسلام کے نکاحوں سے کوئی ربط ہی نہیں رکھتا ہے۔

اس لئے علمی لحاظ سے تمہاری بات کی کوئی قدر و قیمت ہی نہیں ہے اور اگر متعہ کے حدود و قیود کو جاننا چاہتے ہو اور اپنی جہالت و نادانی کو علم و معلومات میں تبدیل کرنا چاہتے ہو تو اہل سنت علماء اور بزرگوں کی درج ذیل کتابوں کا ضرور مطالعہ کرو:

۱۔ سنن دارمی: ۲/۱۴۰۔
۲۔ صحیح مسلم: ج ا باب المتعہ۔
۳۔ تفسیر طبری: ج ۵/ ۹
۴۔ احکام قرآن بصاص ۲/۱۷۸
۵۔ سنن بیہقی: ۷/ ۲۰۰
۶۔ تفسیر بغوی: ۱/۴۱۳۔
۷۔ تفسیر قرطبی: ۵/۱۳۲۔
۸۔ تفسیر رازی: ۳/۲۰۰۔
۹۔ شرح صحیح مسلم، نووی: ۹/۱۸۱۔
۱۰۔ تفسیر خازن: ۱/۳۵۷۔
۱۱۔ تفسیر ابن کثیر ۱/۴۷۴۔
۱۲۔ تفسیر سیوطی: ۲/۱۴۰۔
۱۳۔ الجامع الکبیر سیوطی: ۸/۲۹۵۔
۱۴۔ اور بہت ساری اہل سنت کی کتابیں جو موضوع فقہ میں لکھی گئی ہیں۔

اے جار اللہ: کہیں کوئی تمہاری تالیف سے متاثر ہوکر غلطی کا مرتکب نہ ہوجائے اور تمہارے باطل، جھوٹ اور بے علمی پر مبنی بات کو کہیں نقل نہ کرے، اس لئے ہم یہاں پر چند اصحاب، تابعین اور بزرگ علماء کے نظریا کو نمونہ کے طور پر ذکر کرتے ہیں۔ یہ امر قابل ذکر ہے کہ ان افراد

نے یہ جاننے کے باوجود کہ عمر ابن خطاب نے متعہ کو ممنوع قرار دیا ہے پھر بھی صراحت سے کہا ہے کہ متعہ کا شرعی جواز قرآن مجید میں آیا ہے، پیغمبر خداؐ نے بھی اسے امت تک پہنچایا ہے اور مدتوں تک اس کا رواج بھی تھا اور کسی قسم کا نسخ خدا کی جانب سے اس حکم شرعی کے بارے میں نہیں آیا ہے۔اس بناء پر متعہ کے حلال اور شرعی ہونے کا حکم برقرار ہے۔اور عمر کی بات اور اقدام یہ طاقت نہیں رکھتے کہ حکم خدا میں رکاوٹ پیدا کریں۔ ملاحظہ ہوں اس سلسلے میں چند اصحاب، تابعین اور علماء کے نام:

۱۔امیر المؤمنین حضرت علی ابن ابی طالبؑ ۲۔ابن عباسؓ ۳۔عمر ابن الحصین خزاعی۔
۴۔جابر بن عبداللہ انصاریؓ ۵۔عبداللہ بن مسعود ھذلی۔ ۶۔عبداللہ بن عمر عدوی۔
۷۔معاویہ ابن ابی سفیان۔ ۸۔ابوسعید خدری۔ ۹۔سلمۃ بن امیۃ۔
۱۰۔معبد ابن امیہ ۱۱۔زبیر بن عوام قرشی۔ ۱۲۔حکم
۱۳۔خالد بن مہاجر مخزومی۔ ۱۴۔عمرو بن حریث قرشی۔ ۱۵۔ابی بن کعب انصاری۔
۱۶۔ربیعۃ بن امیۃ ثقفی۔ ۱۷۔سعید بن جبیر۔ ۱۸۔طاووس یمانی۔
۱۹۔ابومحمد عطاء یمانی۔ ۲۰۔سدی۔ ۲۱۔ یمن اور مکہ کے فقہاء اور اہل بیت علیہم السلام۔(۱)

قارئین کرام! آپ نے مشاہدہ فرمایا کہ کس طرح یہ قلم اسلام و مسلمین کے دشمنوں کے ہاتھ میں آئے ہیں اور یہ لوگ کن منصوبوں کے تحت تفرقہ، نفاق، دشمنی، بغض، کینہ وعناد پھیلانے پر مأمور ہوئے ہیں اور وہ اپنے ظالم اسلاف کی طرح خاندان رسالتؐ کی مظلومیت کو روز بروز شدت بخشنے میں کوئی دقیقہ فروگزار نہیں کرتے۔

جیسے یہ لوگ قرآن مجید کی اس آواز کو نہیں سنتے ہیں کہ ''اہل بیتِ پیغمبرؐ کی محبت سب پر فرض

۱۔مزید وضاحت کیلئے الغدیر کی جلد ۶ ملاحظہ ہو۔

اور واجب ہے اور رسول خداؐ کی اس ندا کو نہیں سنتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا: ''میں تمہارے درمیان قرآن اور عترت کو چھوڑ کر جا رہا ہوں۔ اور میں دیکھوں گا کہ ان کے ساتھ کیسا برتاؤ کرتے ہو؟!!'' جیسے انہوں نے یہ نہیں دیکھا ہے اور نہ سنا ہے کہ مظلوموں کے سردار حضرت علی علیہ السلام کے پیروؤں نے پوری تاریخ اسلام میں ثابت کر کے دکھایا ہے کہ وہ اسلام کی بقاء اور اس کی عزت کے دفاع میں جان و مال کی قربانی دینے سے دریغ نہیں کرتے۔

شیعوں کی پوری زندگی اپنے امام حسین بن علی علیہ السلام کی اطاعت میں جہاد سے سرشار ہے اور ان کا قیام و مقصد کلمۃ اللہ کی سربلندی اور لا الہ الا اللہ کے پرچم کو اونچا کرنا ہے۔

اس کے باوجود کیا یہ عظیم امت اس کی سزاوار ہے کہ اس پر شرک و کفر کی تہمت باندھی جائے؟! یا ان کے ساتھ بدترین گستاخی کی جائے؟

آپ لوگوں نے مشاہدہ فرمایا کہ ابن تیمیہ وہابیوں کے ''شیخ الاسلام'' نے کہا ہے: ''شیعہ سب سے زیادہ جھوٹ بولنے والے ہیں، خر و خچر کو سرداب کے باہر آمادہ رکھتے ہیں تاکہ منتظر ظہور فرمائے اور اس پر سوار ہوں اور یہ لوگ نماز بھی نہیں پڑھتے ہیں''

بہر حال ہم اسلام اور اہل بیتؑ کے معارف حقہ اور انکے حیات بخش تعلیمات کی نشر و اشاعت میں ہر قسم کے زخم زبان، ناسزا تہمتوں اور ناروا نسبتوں سے خائف نہیں ہیں اور صرف یہ کہتے ہیں۔

''الی اللہ المشتکی''

تم بالخیر

NAJAFI BOOK LIBRARY
Shop No. 11
Heights
KARACHI
PH. 7211795

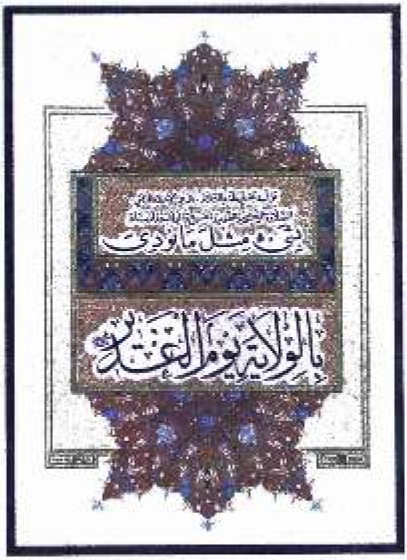

مجمع جهانی اهل‌بیت علیهم السلام

www.ahl-ul-bait.org

ISBN 964-7756-17-8

9789647756174